محدثینِ گجرات کی اسنادِ عالیہ

اور

فقہاءِ گجرات کی خدماتِ عالیہ

- عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے روابط
- تاریخ حدیث سندھ و گجرات
- علم اسناد کا تعارف اور محدثین کی اسناد عالیہ
- مجاہدین اسلام و محدثین کی گجرات تشریف آوری
- کل (۶۲) محدثین کا اجمالی ذکر
- حدیث شریف میں علمائے گجرات کی تصنیفات

- ہندوستان میں سلطنت دور کی فقہی خدمات
- فقہاء گجرات کی فقہ و اصول فقہ میں تصنیفات
- فقہ و افتاء کی حقیقت و ماہیت اور باہمی تعلق
- علامہ خضری بک کے ذکر کردہ چھ فقہی ادوار
- فقہ حنفی کی بعض کتب فتاوی و مخطوطات کا تعارف
- فقہاء گجرات باعتبار سنین وفات (کل ۱۱۲)

مرتب

حضرت مولانا مفتی اقبال بن محمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم

مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات، الہند

تفصیلات

نام کتاب	:	محدثین گجرات کی اسناد عالیہ اور فقہائے گجرات کی خدمات
مرتب	:	حضرت مولانا مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (دامت برکاتہم) (شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا)
صفحات	:	۳۲۰
سن طباعت	:	۱۴۴۵ھ مطابق ۲۰۲۴ء
قیمت	:	۲۰۰

ملنے کا پتہ

مکتبہ : ابوبکر ربیع بن صبیح بصری

دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا

عیدگاہ روڈ، بھروچ، گجرات، انڈیا۔۳۹۲۰۰۱

مولانا عبدالرشید منوبری [Mo.: 79845 41604] • مولانا ذاکر پارکھیتی [Mo.: 97239 30541]

فہرست

افتتاحیہ

الحمد للہ رب العالمین ،والصلوۃ والسلام علی سیدالأنبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ،امابعد!

تاریخ گجرات بچپن سے میرا محبوب موضوع رہا ہے،۱۹۹۶ء میں درگاہ پیر محمد شاہ احمد آباد کی طرف سے ’’قرون وسطیٰ میں گجرات کی علمی وادبی سرگرمی‘‘ کے عنوان سے مقالہ کی دعوت دی گئی،اس سے پہلے میں نے گجرات کے محدثین کے موضوع پر کچھ لکھا تھا تو اسی کو بنیاد بنا کر مقالہ لکھا گیا تھا،اور وہ درگاہ پیر محمد شاہ کے جرنل میں شائع بھی ہوا تھا،اس وقت تاریخ گجرات کے معتبر و محقق پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی صاحب حیات تھے،انہوں نے مقالہ نگاری پر بہت حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔

اس کے بعد ۲۰۰۱ء میں ’’گجرات کی علمی،ادبی وثقافتی میراث‘‘ کے عنوان سے درگاہ پیر محمد شاہ میں ہی دوسرا مقالہ ’’تجوید وقراءت اور صوبۂ گجرات‘‘ کے عنوان سے پیش کیا گیا جو درگاہ کے جرنل-۳ میں شائع ہو چکا ہے، پھر گجرات میں رابطۂ ادب اسلامی کی شاخ قائم ہونے کے بعد گجرات کی مختلف شخصیات کے عنوان سے مقالے لکھے،جس میں ’’**محدث کبیر حافظ حدیث عبدالملک عباسی بنبانی**‘‘ ، ’’**کثیر التصانیف محدث نورالدین احمد آبادی**‘‘،’’**استاذ الاساتذہ شاہ وجیہہ الدین علویؒ**‘‘ یہ مقالہ ’’گجرات کی علمی وادبی شخصیات‘‘ نامی رابطۂ ادب اسلامی کی گجرات شاخ کی طرف سے شائع ہونے والے مقالات میں شامل اشاعت ہے۔

۲۰۰۷ء میں ایم۔ایس۔یونیورسٹی بروڈہ کی طرف سے ’’حضرت علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ کی سوانح حیات اور علمی کارنامے‘‘ کے عنوان سے عربی زبان میں مقالہ لکھنے کی دعوت موصول ہوئی تھی،تو عربی زبان میں ’’**العلامة الجليل المحدث العظيم طاهر الفتني الغجراتي في ضوء شخصيته ومآثره العلمية**‘‘ کے عنوان سے مقالہ لکھا گیا؛ جنوری ۲۰۱۶ء میں مجمع الفقہ الاسلامی ہند اور جامعہ ملیہ دہلی کے اشتراک سے ’’**التراث العربي في الهند**‘‘ کے عنوان سے علماء کرام ودانشوران کو مختلف موضوعات پر مقالہ لکھنے کی دعوت دی گئی تھی، بندہ کو ’’**مجمع بحار الأنوار ،لمحمد بن طاهر الفتني**‘‘ کے عنوان سے غرائب الحدیث کی تاریخ ،مذکور کتاب کا تعارف اور خصائص وامتیازات پیش کرنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی،تو اس عنوان پر بھی مقالہ لکھا گیا۔

اسی طرح مرکز الملک **عبد اللہ بن عبدالعزیز الدولي لخدمة اللغة العربية** اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے تعاون سے ہونے والے سمینار کے لیے ’’**اللغة العربية في الهند من منظور تاريخي**‘‘ کے عنوان سے عربی زبان میں ایک

مقالہ تیار کیا گیا تھا، جو بعد میں ''الثقافة العربية فی الهند'' نامی کتاب میں (سعودی حکومت کے تعاون سے) شائع ہونے والے مقالات میں شامل اشاعت کیا گیا۔

رابطۂ ادب اسلامی گجرات کی طرف سے ۲۰۱۲ء میں ''**عرب ممالک اور گجرات کے روابط**'' کے عنوان سے مقالہ کی دعوت آنے پر کچھ خامہ فرسائی کی تھی، مضمون طویل ہوگیا تو اس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا، اس میں گجرات وعرب ممالک کے تعلقات کو مختلف عنوانات سے واضح کیا ہے:

عرب وہند کے مختصر تعلقات، گجرات کی مختصر سیاسی تاریخ، گجرات کی مختصر تجارتی حیثیت، گجرات کی مختصر جغرافی حیثیت، عرب کا جغرافیہ، عرب وگجرات کے تجارتی تعلقات، عرب وگجرات کے دعوتی وسیاسی تعلقات، حرمین شریفین سے گجرات کے والہانہ تعلقات، گجرات عربوں کی نظر میں، گجرات اور عربوں کے دعوتی واصلاحی تعلقات، سندھ اور گجرات میں شیعیت کی اشاعت میں یمنی داعیوں کا کردار، عرب وگجرات کے ثقافتی تعلقات، عرب وگجرات کے علمی روابط، قبائل عرب کی گجرات آمد، عرب وگجرات کا باہمی علمی استفادہ اور مدارس وکتب خانوں وغیرہ کا اجمالی ذکر ہے۔

یہ کتاب مجموعی طور پر ۴۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اور ''عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات'' کے عنوان سے چھپ چکی ہے، اس طرح تاریخ گجرات کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی، البتہ پڑھتے وقت محدثین وقراء اور فقہ واصول فقہ کے ماہرین مفتیان کرام اور محکمۂ قضاء واحتساب سے متعلق حضرات کا تذکرہ بھی بار بار نظروں سے گذرا، لیکن موضوع کے متعین ہونے کی وجہ سے اس سے صرف نظر کرتا رہا، البتہ اس شعبہ سے وابستگی کی وجہ سے دل میں یہ خیال ضرور تھا کہ کسی وقت اس موضوع پر بھی کچھ لکھوں گا۔

حسن اتفاق سے درگاہ پیر محمد شاہ ٹرسٹ کے معمر بزرگ پروفیسر جناب محی الدین بمبئی والا کی طرف سے بندہ کے ساتھ فون پر بات چیت ہوئی تو انہوں نے فون کرنے کی غرض بتائی کہ ہماری لائبریری کا ساتواں جرنل مرتب ہو رہا ہے اور اس کے لئے ''**گجرات کے فقہائے کرام کی خدمات**'' کے عنوان سے ایک مضمون کی ضرورت ہے، موضوع تھا، ''سترہویں صدی اور اٹھارویں صدی میں گجرات کے مفتیان کرام اور فتوی نویسی کا ارتقاء'' تو بندہ نے پھر اس سلسلہ کی کتابوں کو جمع کرنا شروع کیا، انٹرنیٹ سے بھی کچھ کتابیں دست یاب ہوئیں، جن میں مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی دو کتابیں ''برصغیر میں علم فقہ اور فقہائے ہند'' سے بھی استفادہ کیا گیا اور دوسری وہ تمام کتابیں جن سے ''عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات'' نامی کتاب تیار کرنے میں مدد حاصل کی گئی تھی، ان سے مختصر تیار کر کے پیش کیا جو حضرت پیر محمد شاہ لائبریری کی طرف سے جرنل-۷ میں شائع ہو چکا ہے۔ فقہائے گجرات کی خدمات پر مشتمل یہ کتاب بھی محدثین کی اسناد عالیہ کے ساتھ شامل اشاعت کی جارہی ہے تاکہ دونوں علوم کے ماہرین کی علمی وفقہی خدمات کا اندازہ ہوجائے، مزید تفصیل فقہائے گجرات کی خدمات غالیہ کے مقدمہ میں ذکر کی جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کتاب لکھنے کی وجہ:

دارالعلوم فلاح دارین کے قدیم فاضل اور دارالعلوم لیسٹر کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ادریس (علامہ) صاحب کوسمباوالے، میرے ان کرم فرماؤں میں سے ہے- جن سے علوم حدیث کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً گفتگو ہوتی رہتی ہے- زیر نظر مجموعہ بھی حضرت مولانا کی تحریک ہی کا نتیجہ ہے، آپ محترم نے ایک دن یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ ہمارے یہاں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک کے ہندوستانی محدثین کی اسناد کا ذکر تو ہوتا ہے؛ لیکن ان سے پہلے کے محدثین حضرت مولانا محمد بن طاہر پٹنی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ وغیرہم کی اسناد کا پتہ نہیں چلتا ہے؟ تو بندہ نے شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اسناد عالیہ تلاش کر کے ان کی خدمت میں بھیج دی، لیکن دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ گجرات کے قدیم محدثین خاص کر کے سلطنت دور کے محدثین کی اسناد پر کام کرنا چاہئے، تو پتہ چلا کہ گجرات کے محدثین کے تین بڑے اساتذہ ہیں: (۱) علامہ سخاویؒ (۲) شیخ زکریا انصاریؒ (۳) علامہ ابن حجر مکیؒ ہیں، ان میں اول الذکر دونوں حضرات حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانیؒ کے براہ راست شاگرد ہیں، اور ثالث الذکر شیخ زکریا انصاریؒ کے واسطہ سے ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد ہیں۔

ان تینوں محدثین کی تمام کتب کی اسناد (ثبت) چھپ چکی ہیں، تو بندہ نے ان کی اور ان سے پہلے اور بعد کے محدثین- شیخ علی متقی، شیخ ابوبکر دمامینی، سید جعفر بدر عالم، شیخ جار اللہ ابن فہد مکی، شیخ نورالدین شیرازی اور شیخ عبدالملک بنبانی عباسی وغیرہم- کی اسناد کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کیا ہے۔

گجرات کے محدثین کے سلسلہ میں یہ بات بڑی عجیب لگتی تھی کہ حضرت عمرؓ کے زمانے سے ہی گجرات میں عرب مسلمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی- اور ابتدائی ڈیڑھ صدی تک مسلمانوں کی مجاہدانہ کاروائیاں جاری رہی- اس کے باوجود نوویں صدی کی ابتداء تک علم حدیث سے صوبۂ گجرات کی مکمل محرومی رہی۔

دہلی میں محمد بن تغلق کی حکومت کے زوال کے بعد سے جب گجرات میں سلطنت مظفر شاہی کا آغاز ہوا اس سے پہلے محدثین کا صراحۃً ذکر نہیں ملتا، اور سلطنت مظفر شاہی کے اختتام کے بعد بھی آہستہ آہستہ محدثین کا ذکر کم ہوتا گیا، مظفر شاہی سلطنت کے ۱۸۴ سالہ دور میں محدثین کا کثرت سے ورود اور گجرات سے طالبین علوم حدیث کا حرمین شریفین کی طرف کثرت سے رجوع نظر آتا ہے، یہ تاریخی اتفاق میرے لئے جستجو کا محل تھا، لہٰذا میں نے سندھ و گجرات کی تاریخ کے مختلف تاریخی مراحل واحوال کا مطالعہ کیا۔

اور درمیانی صدیوں میں سندھ و گجرات سے علم حدیث کی رکاوٹ کے مختلف اسباب کا پتہ لگانے کی کوشش کی تو بہت سی وجوہات واسباب کا پتہ چلا، ان سب کو مرتب شکل میں پیش کرنے جا رہا ہوں، تا کہ علم حدیث کی تحصیل میں آنے والی رکاوٹوں کے ظاہری اسباب اور آٹھویں صدی کے اختتام پر ان رکاوٹوں کے دور ہونے کے اسباب کا جائزہ لیا جا سکے، اور محدثین کی محنتوں وکاوشوں اور اس راہ میں آنے والی مشقتوں کا بھی ادراک ہو سکے۔

کلمات تشکر:

سب سے پہلے مولانا عبدالرشید صاحب منوبری کا ممنون ہوں جو ہر وقت میرا علمی تعاون کرتے رہتے ہیں، مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ اس رسالہ کے پروف ریڈنگ کا مرحلہ آسان کر دیا، اللہ پاک انہیں علم نافع نصیب فرمائیں اور عمل کی توفیق بخشے۔

مولانا ذاکر صاحب پارکھیتی کا بھی شکرگذار ہوں کہ انہوں نے تدریس اور مطالعہ کے ساتھ ساتھ بہت سے صفحات کی کتابت کے مراحل آسان کر دیئے، وہ کمپیوٹر کے مختلف پروگرام اور کتابت سے متعلق مختلف ایپ کی جستجو میں رہتے ہیں، اور کمپیوٹر کے ضروری پروگرام سے اپ ڈیٹ رہتے ہیں، ان میں تلاش و جستجو کا عمدہ ملکہ ہے، اللہ تعالی انہیں مزید ترقیات سے نوازے اور علم و عمل میں برکت نصیب فرمائے۔

اسی طرح ادارے کے نوخیز فاضل، شعبۂ تخصص فی الحدیث کے استاذ مولانا عاطف صاحب بھروچی کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے سندیں تلاش کرنے میں خوش دلی کے ساتھ تعاون کیا، اور امید کرتا ہوں کہ مستقبل میں بھی اسی طرح علمی کاز میں مصروف رہیں گے۔

نیز مولانا یوسف صاحب سندراوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ ہر اردو عربی کتاب کے کمپوز میں معاونت فرماتے ہیں، اور وقت مقررہ پر کام پورا کرنے کی سعی کرتے ہیں، انہوں نے بھی اس رسالہ کے بہت سے صفحات کم وقت میں تحریر کئے اور کام آسان کر دیا، اللہ پاک انہیں علم و عمل میں برکت دے۔

از:

(حضرت، مولانا) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (حفظہ اللہ)

شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا،

بھروچ، گجرات، پن: ۳۹۲۰۰۱

مؤرخہ: ۴/محرم الحرام/ ۱۴۴۵

مطابق: ۲۳/جولائی/ ۲۰۲۳ء بروز اتوار

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین ،والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، امابعد!

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے عہد سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر اسلامی لشکر کی حملہ آوری شروع ہوچکی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہر کلمہ گو کے لب ودہن اخبرنا و حدثنا کی خوشبو سے معطر تھے، اسلام کا یہ پہلا داعیانہ اور مجاہدانہ قافلہ تھانہ پر حملہ آور ہوا، پھر بھروچ شہر اس کی دوسری منزل تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان فوجیوں میں دیدار نبوی ﷺ سے مشرف ہستیوں کی بھی کچھ تعداد ہوگی، اس کے بعد یکے بعد دیگرے حملے ہوئے، انہیں حملوں میں محدث کبیر حضرت ربیع بن صبیحؒ بھی گجرات تشریف لائے، اور اسی سرزمین میں نربدا کے کنارے پیوند خاک ہوئے، جب اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں سندھ فتح ہوا، تو یہاں حدیث کا چرچا ہونے لگا اور حدیث شریف سے لوگوں کا شغل بڑھ گیا، پھر سندھ سے عربوں کی حکومت ختم ہوگئی اور ان کی جگہ غزنوی اور غوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے، خراسان اور ماوراء النہر سے علماء آنے لگے، تو حدیث کا علم کم ہوتا گیا، لوگوں میں شعروشاعری، نجوم وریاضی اور منطق وفلسفہ کا رواج زیادہ ہوگیا، فقہ اور اصول فقہ کی ضرورت صرف اس لئے پیش آتی تھی کہ عہدۂ قضاء کے ممتاز منصب کو حاصل کیا جاوے، اور وہ بھی صرف تقلیدی طور پر تھا، اجتہاد وتحقیق کے طور پر نہیں تھا، اور ہر طرف فقہی جمود چھایا ہوا تھا۔

حدیث شریف میں امام صغانی کی مشارق الانوار اور زیادہ سے زیادہ امام بغوی کی مصابیح السنہ یا مشکوۃ پڑھائی جاتی تھی، اور ایسے شخص کو امام المحدثین سمجھا جاتا تھا، علم حدیث کے ساتھ لوگوں کی بے اعتنائی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کیلئے مناظرہ کی مجلس منعقد ہوتی ہے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ بھی شریک مناظرہ تھے، آپ جب کوئی حدیث پیش کرتے تو دوسرے علماء بڑے استعجاب سے آپ کی طرف دیکھتے اور کہتے: ''ترا بہ حدیث چہ کار تو مرد مقلدی، روایت از ابوحنیفہ بیار، تا معرض قبول افتد'' حضرت نظام الدین اولیاء اس فقہی جمود پر کف افسوس ملتے رہ گئے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں ایران میں صفویوں نے شیعیت کو اپنا سرکاری مذہب قرار دیا، تو ایران کے بڑے بڑے سنی علماء ومحدثین نے گجرات کی راہ لی، سب سے پہلے بزرگ جو حدیث شریف کے علوم کو سینہ سے لگا کر احمد شاہ اول کے زمانہ میں گجرات آئے وہ مولانا نورالدین احمد شیرازی ہیں، آپ کی بخاری شریف کی سند اتنی عالی تھی کہ جب وہ حجاز ویمن میں پہنچے تو

بڑے بڑے محدثین نے اس کو شوق وذوق اور فخر سے حاصل کیا، الغرض ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گجرات نے سب سے پہلے اپنا طبعی حق پایا، اور بحر عرب کے اس پار کی شعائیں سب سے پہلے یہیں آکر پڑیں، پھر یہاں سے آگرہ، جونپور، برہانپور اور مالوہ کے مناروں پر جاکر عکس انداز ہوئیں، گجرات میں بڑے پیمانے پر علم وادب کے چرچے شروع ہوگئے، تہذیب وتمدن کی جلوہ آرائیوں نے آنکھوں کو خیرہ کردیا، سولہویں اور سترہویں صدی میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دینی اور ثقافتی زندگی کا مرکز ثقل گجرات کی طرف منتقل ہوگیا ہے، اور شاید ہی کوئی دینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحر عالم یہاں موجود نہ ہوں۔

فخر ہند، محدث کبیر حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ابھی عالم وجود میں نہیں آئے تھے کہ گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا؛ بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے گجرات کے دو عالم شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ عبدالوہاب بھروچی سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

علامہ سخاویؒ (جو محدث جلیل حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد ہیں)، حافظ ابن حجر مکی اور شیخ الاسلام زکریاؒ کے تلامذہ کافی تعداد میں یہاں بس گئے تھے، اور تشنگان حدیث ان سے سیراب ہوتے تھے، بقول مولانا سید عبدالحیؒ لکھنویؒ علوم وفنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو حدیث شریف کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا۔

صحیح بخاری شریف کی دو شرحیں جو غالبا ہندوستان میں بخاری شریف کی سب سے قدیم شرحیں ہیں، یعنی علامہ بدرالدین کی مصابیح الجامع جو آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے نام معنون کی، اور دوسری شرح سید عبدالاول حسینیؒ کی فیض الباری اسی سرزمین پر لکھی گئی ہیں، ۸۵۱ھ کا گجراتی عالم کا لکھا ہوا بخاری شریف کا نسخہ بھی پٹن میں موجود تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث (بخاری) کا درس نویں صدی میں بھی جاری تھا، فتح الباری شرح بخاری کا نسخہ ابوالقاسم مکی دسویں صدی کو گجرات میں لیکر داخل ہوتے ہیں، امیر الغ خاں کی موجودگی میں بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے، اور امیر کی طرف سے اختتام جلسہ پر پُرتکلف دعوت کا اہتمام ہوتا ہے، اسی صدی کا بخاری شریف کے ختم کا دوسرا واقعہ بھی ذکر کیا جاتا ہے، شیخ عبدالمعطی کی ایک کتاب حدیث کے اسماء رجال پر اسی صدی میں لکھی گئی تھی، صحیح مسلم شریف کا سب سے قدیم نسخہ سلطان محمود کے کتب خانہ میں تھا جس پر عبدالرحیم خاں کی مہر لگی ہوئی ہے۔ ۹۹۲ھ میں احمد آباد کے کتب خانہ میں آنے کی تاریخ درج ہے۔

حافظ سخاویؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے غالباً مولانا راجح بن داود گجراتی ہیں، ۸۹۴ھ میں وہ حافظ موصوف کے حلقہ میں داخل ہوئے، اور الفیۃ الحدیث کی سند حاصل کی، علامہ سخاویؒ الضوء اللامع میں ان کی فہم اور عقلمندی کی تعریف کرتے ہوئے حدیث شریف کی اجازت دینے پر خود خوشی محسوس کرتے ہیں، اس کے بعد وہ گجرات وارد ہوئے، لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ۹۰۴ھ میں احمد آباد میں وفات پائی، اس کے بعد مولانا وجیہ الدین مالکیؒ آئے، ان کی بڑی قدر ہوئی، سلطان گجرات نے ان کو ملک المحدثین کا لقب دیا، وہ یہیں کے ہو رہے، ۹۲۹ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے ہم عصر مولانا علاء الدین احمد نہر والی ہیں، عرب جاکر حافظ بن فہد اور نورالدین شیرازی سے حدیث کی

سند حاصل کی، آخر عمر مکہ معظّمہ میں گذاری، حرمین شریفین کے علماء نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ آپ سے حدیث شریف کی اجازت حاصل کی اور وہیں اپنا سلسلہ درس جاری رکھا، ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے قریب العہد حافظ سخاوی کے دوسرے شاگرد جمال الدین محمد بن عمر حضرمیؒ مظفر شاہ حلیم سلطان گجرات کے زمانہ میں آئے، سلطان نے خود زانوئے ادب ان کے سامنے طے کرتے ہوئے ان کو اپنا استاذ بنایا، احمد آباد (گجرات) میں ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالمعطی بن الحسن باکثیر المکی کو شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے حدیث کی سند حاصل تھی، ۹۵۳ھ میں وفات پائی۔

شہاب الدین احمد العباسی المصری شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد تھے، اور صاحب تصنیفات تھے، شاہان گجرات کے نام پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں، ۹۹۲ھ میں وفات پائی، سید عبداللہ شیرازی چانپانیر میں حدیث کا درس دیتے تھے، علم حدیث واصول حدیث میں رسالہ لکھا جو مشکل اور جمیع اقسام حدیث کو شامل ہے، ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد بن عبداللہ الفاکہی جو علامہ ابن حجر مکی کے شاگرد تھے، ۹۹۲ھ میں وفات پائی، سید شیخ بن عبداللہ العیدروس علامہ ابن حجر مکی اور حافظ عبدالرحمن بن ربیع الشیبانی کے شاگرد تھے، ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد بن فضل اللہ احمد آباد میں پیدا ہوئے، شاہ وجیہ الدین کے شاگرد ہیں، حدیث وتفسیر کے درس میں زندگی بھر مشغول رہے، ۹۷۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ سعید شافعی حبشی شاگرد ابن حجر مکی متوفی ۹۹۱ھ، جمال الدین محمد بن عبدالرحیم عمودی متوفی ۹۸۴ھ، جمال الدین محمد علی بن الحشیری متوفی ۱۰۰۰، مجدالدین محمد بن محمد الایجی، یہ چند اسماء گرامی ان محدثین کے ہیں جنہوں نے گجرات میں رہ کر اپنی عمر عزیز اس فن شریف کی خدمت میں بسر کردی۔

کچھ مدت کے لئے گجرات میں اقامت اختیار کرنے والے محدثین:

کچھ ایسے بھی ہیں جو تشریف لائے اور برسوں رہے، لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا پھر واپس تشریف لے گئے، انہیں بزرگوں میں حدیث شریف کی مشہور کتاب **کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال** کے مصنف حضرت شیخ علی متقیؒ تھے، جو گجرات میں بودوباش اختیار کرنے کے بعد ہجرت کر گئے تھے،، دوتین بار گجرات تشریف لاکر احمد آباد میں رہے، اور اپنے انفاس متبرکہ سے لوگوں کو عرصہ تک مستفید ہونے کا موقع دیا، سلطان محمد نے آپ کے قدموں میں اپنی سلطنت لاکر رکھ دی، آپ کی اور آپ کے مدرسہ وطلبہ کے وظائف بھی جاری کئے، ۹۷۵ھ میں شیخ علی متقی نے ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ان ہی بزرگوں میں سید عبدالاول حسینی شارح صحیح بخاری کی ذات گرامی ہے، جو آخر عمر میں بیرم خاں کے اصرار سے دہلی چلے گئے تھے اور وہیں رحلت فرمائی، یہ برسوں گجرات میں رہے، شیخ طیب سندی نے قیام گجرات کے زمانے میں ان

سے حدیث پڑھی تھی، جو تقریبا پچاس برس تک ایلچ پور برہان پور میں اس فن شریف کی خدمت کرتے رہے۔

شیخ عبداللہ بن سعد الدین متقی اور شیخ رحمۃ اللہ بن عبداللہ سندی دونوں کا شمار محدثین کبار میں تھا، آپ کی سند حدیث بہت عالی تھی، اور دونوں مہاجر تھے، کشش آب ودانہ سے گجرات تشریف لائے، اور برسوں احمد آباد میں رہ کر حدیث کی خدمت کرتے رہے، اسی زمانہ میں شیخ بہلول دہلوی نے گجرات پہنچ کران دونوں بزرگوں سے حدیث پڑھی تھی، اور دہلی واپس جا کر مدۃ العمر اسی فن شریف کی خدمت کرتے رہے، مولانا عبدالملک عباسی کا شماران محدثین کرام میں ہے جنہوں نے ساری عمر اسی فن شریف کی خدمت میں صرف کی، انہوں نے اپنے بھائی مولانا قطب الدین سے حدیث پڑھی تھی اور انہوں نے علامہ سخاویؒ سے استفادہ کیا تھا، ۹۷۰ھ میں وفات پائی، صحیح بخاری ان کو لفظا ومعنا یاد تھی، ایک مؤرخ ان کی نسبت لکھتا ہے ''**کان حافظا للقرآن و صحیح البخاري لفظا و معنا و کان یدرس عن ظهر قلبه و لم یکن مثله في زمانه في التوکل و التجرید.** ''یعنی وہ قرآن شریف اور صحیح بخاری کے لفظا ومعنا حافظ تھے، اور اپنی یادداشت سے درس دیتے تھے، ان کے زمانہ میں توکل وتجرید میں ان کی کوئی نظیر نہ تھا۔

حدیث شریف کے درس وتدریس اور کتابوں کی تصنیفات میں خاص اہمیت کے مالک علامہ مجدالدین محمد بن طاہر پٹنی ایسے بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل وکمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے، اور ان کی تصنیفات سے علماء حجاز ویمن اسی طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کہ ہندوستان کے علماء، انہوں نے ملامہنہ، شیخ ناگوری، مولانا یداللہ اور مولانا برہان الدین سے علم حاصل کرنے کے بعد مکہ معظمہ جا کر شیخ ابوالحسن بکری، علامہ ابن حجر مکی، شیخ علی بن العراق، شیخ جاراللہ بن فہد، ودیگر محدثین کرام سے حدیث پڑھی، اور عرصہ تک شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے، وہاں سے آنے کے بعد بجز تصنیف وتدریس کے اور کوئی شغل اختیار نہیں کیا، اور جو دولت ان کو اپنے پدر بزرگوار سے ملی تھی اس کو بے دریغ وظائف طلبہ پر صرف کر ڈالا، حضرت شیخ عبدالقادر حضرمی ''**النور السافر**'' میں لکھتے ہیں: **حتی لم یعلم ان احدا من علماء غجرات بلغ مبلغه فی فن الحدیث کذا قاله بعض مشائخنا.** ''ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ معلوم نہیں کہ علماء گجرات میں سے فن حدیث میں کوئی ان کے برابر کا ہو۔

ان کی سب سے مشہور تصنیف لغت حدیث میں ''**مجمع بحار الانوار**'' ہے جس کو یہ کہنا چاہئے کہ وہ صحاح ستہ کی شرح ہے، نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم ''**اتحاف النبلاء**'' میں اس کی نسبت لکھتے ہیں: ''**کتاب متفق علی قبوله بین اهل العلم منذ ظهر فی الوجود، له منة عظیمة بذلک العمل علی اهل العلم**'' جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اسی وقت سے اہل علم میں یہ مقبول ہے، اور سب کو اس پر اتفاق ہے، شیخ محمد بن طاہر نے اس کو تصنیف کر کے علماء پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

علاوہ اس کتاب کے ان کی تصنیفات میں سے ''**المغنی فی اسماء الرجال**'' اور ''**تذکرة الموضوعات وقانون الموضوعات**'' بے مثل کتابیں ہیں جو ملا علی قاری اور علامہ شوکانیؒ کی الموضوعات سے بھی بڑی اور ضخیم ہے،

ایک رسالہ مشکوۃ شریف کی لغات پر بھی لکھا ہے، ۹۸۶ھ میں ان کو مرتبۂ شہادت حاصل ہوا۔

مفتی قطب الدین محمد نہروالی گجرات کے ان علماء کرام میں تھے جن پر ہم سب کو فخر ہے، یہ بہت بڑے محدث اور ادیب تھے، اپنے والد مولانا علاء الدین احمد بن محمد سے علم حاصل کر کے مکہ معظمہ گئے اور شیخ احمد بن محمد العقیلی النویری ومحدث یمن عبدالرحمن بن علی ربیع سے حدیث پڑھی، نورالدین ابوالفتوح شیرازی سے ان کو بھی صحیح بخاری کی سند حاصل تھی، جو قلت وسائط کی وجہ سے حجاز ویمن میں بہت مقبول ہوئی، ان کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، اور باوجود ہندی ہونے کے شرفاء مکہ کے میر منشی قرار دیئے گئے، مزید قابل فخر بات یہ کہ ان کے حرم شرف میں قیام کے دوران محدث کبیر شارح حدیث ملا علی قاریؒ نے آپ سے حدیث کے علم میں زانوئے تلمذ طے کیا۔

حضرت شاہ وجیہ الدین علویؒ کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں جنہوں نے ٦٧ سال تک احمد آباد میں معقولات ومنقولات کا درس دیا، درس نظامی کی ۲۲ کتابوں پر حواشی لکھے، اصول حدیث کی مشہور کتاب شرح نخبۃ الفکر پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، جس کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود تھا، آپ کے ایک شاگرد حکیم عثمان صدیقیؒ نے بخاری شریف کی شرح بھی لکھی ہے۔

مولانا نورالدین احمد آبادی؛ کثرت تصنیفات میں شاہ وجیہ الدین کے بعد آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں گذرا، بخاری شریف کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام **نور القاری شرح صحیح البخاری** ہے۔

مولانا خیر الدین سورتی جو شیخ محمد حیات سندھی کے شاگرد ہیں، ۵۰ سال تک سورت میں آپ نے حدیث شریف کا درس دیا ہے۔

شیخ تاج الدین پٹنی صحاح ستہ کے حافظ تھے، شیخ عبدالکریم گجراتی جو ابن حجر مکی کے شاگرد ہیں ''**النہر الجاری علی البخاری**'' کے نام سے بخاری شریف کی شرح لکھی ہے، شیخ جعفر بخاری گجراتی کی ''**الفیض الطاری شرح البخاری**''، شیخ شطاری گجراتی کی ''**ذریعۃ النجاۃ شرح مشکوۃ**'' اور ''**شرح نخبۃ الفکر**''، شیخ سعید جعفر گجراتی کی ''**زینۃ النکات شرح مشکوۃ**'' عبدالقادر حضرمی کا فتح الباری شرح بخاری پر حاشیہ، شیخ ابوبکر بھروچی کا شفاء قاضی عیاض کا فارسی ترجمہ، مولانا ولی اللہ سورتی کی ''**التنبیھات النبویۃ فی سلوک الطریقۃ المصطفویۃ**'' اور مشکوۃ شریف، شفاء قاضی عیاض اور **المواھب اللدنیہ** کی تلخیص، مولانا ہاشم سورتی کے تراجم بخاری پر عربی میں سات اجزاء، مولانا فاضل سورتی کی **معین الفضائل شرح شمائل** وغیرہ کتب حدیث وشروحات؛ بخاری وغیرہ علم حدیث کے ساتھ ان کے خصوصی تعلق اور شغف کی دلیل ہے۔

وہ محدثین گجرات جن کا فیض بیرون گجرات پہنچا:

اسی کے ساتھ کچھ وہ محدثین گجرات بھی ہیں جن کا فیض حرمین شریفین اور گجرات کو چھوڑ کر ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں بھی پہنچا، وہاں انہوں نے حدیث کی مسند بچھائی اور اس علاقہ کو قال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداؤں سے گونجتا کر دیا، ان میں

سید مولانا یسین گجراتی ہیں جنہوں نے حرمین شریفین جا کر علم حدیث کا فیض حاصل کیا، پھر پنجاب اور بنگال ہوتے ہوئے صوبۂ بہار پہنچے اور وہاں حدیث شریف کا فیض جاری کیا، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ ''یہ پہلا موقع ہے کہ بہار کی مسجدوں سے قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کا ترانہ سمع نواز ہوا'' آپ کی دی ہوئی سند حدیث کا قلمی نسخہ پھلواری شریف میں محفوظ ہے۔

شاہان گجرات کی علم دوستی:

ان محدثین عظام کے ساتھ شاہان گجرات کو بھی فراموش نہیں کر سکتے جن کی مردم شناسی اور قدردانی نے ان کے دربار کو ہر علم وفن کے ارباب کمال سے مزین کیا ہوا تھا، بقول مولانا سید عبدالحیؒ: ''شاہان گجرات نے اپنی دیڑھ سو سالہ دور حکومت میں جس قدر علوم وفنون کی سرپرستی کی ہے دہلی کی چھ سو سالہ تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی'' یہ صرف ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ شیراز و یمن اور دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ علماء نے گجرات آکر اپنے فیوض علمی کی آبیاری سے گجرات ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی درسگاہوں کو سیراب کیا، انہیں حکمرانوں میں مظفر شاہ حلیم تھے، جنہوں نے خود بھی حدیث شریف کا درس علامہ جمال الدین الحضرمی اور محمد بن محمد الایجی سے حاصل کیا، مدۃ العمر حدیث پر عامل رہے۔

سلطان محمود شاہ دوم نے اپنے زمانے میں مکہ مکرمہ میں باب العمرۃ کے پاس عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جس میں علامہ ابن حجر مکیؒ اور شیخ عزالدین زمزمی جیسے محدثین عظام درس دیتے تھے، وزیر خداوند خاں (محمد بن محمد الایجی) شاہی وزیر ہونے کے باوجود حدیث اور اسمائے رجال میں ایسی مہارت رکھتے تھے کہ بڑے بڑے علماء ان سے علم حدیث حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، مغل بادشاہوں میں ہمایوں نے آپ سے حدیث کی سند حاصل کی، اسی طرح وزیر آصف خاں باوجود وزارت کے منصب جلیلہ کے وفات تک درس میں مشغول رہے، بادشاہوں کی قدردانی اور وزراء کے کمال نے ہر طرف علم کا چرچا پھیلا دیا تھا، مدارس ومکاتیب کا جال بچھا ہوا تھا، بڑے بڑے ۳۳ مدارس اور ۳۴ کتب خانوں کا ذکر کتابوں میں آتا ہے، جس میں وزیر آصف خاں کے کتب خانے میں مشکوۃ شریف کا نسخہ مشکوۃ کے مصنف ولی الدین خطیب تبریزی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اس نسخہ کو وزیر آصف خاں نے سونے سے وزن کر کے خریدا تھا، اسی طرح مولانا عمادالدین کا کتب خانہ جس میں پانچویں صدی کی احادیث کی کتابیں بھی موجود تھیں۔

اسناد کا مختصر ذکر:

گجرات میں نویں، دسویں اور گیارہویں صدی میں آنے والے محدثین اور ان کی اسناد کی تلاش کی گئی تو پتہ چلا کہ یہ سلسلہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تک پہنچتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے چار شاگردوں سے گجرات کے محدثین نے فائدہ اٹھایا ہے: اس میں علامہ سخاویؒ اور شیخ عبدالعزیز سے مکہ مکرمہ میں اور شیخ زکریا انصاریؒ سے مصر میں فائدہ اٹھایا گیا، اور چوتھے شاگرد یحییٰ بن عبدالرحمان ابن ابی الخیر الہاشمی خود گجرات (کھنبھات) تشریف لائے تھے، بعد میں گلبرگہ (مہاراشٹر کی بہمنی سلطنت) تشریف لے گئے۔

[۱] علامہ سخاویؒ سے گجرات کے بارہ (۱۲) محدثین نے حدیث شریف کا علم حاصل کیا تھا جن کے اسمائے گرامی یہ ہے:
(۱) شیخ عمر بن محمد دمشقی (۲) شیخ راجح بن داؤد (۳) شیخ قاسم بن داؤد (۴) شیخ محمد بن محمد سوید (ملک المحدثین) (۵) شیخ جمال الدین بحرق (۶) شیخ علی متقی (۷) شیخ رفیع الدین شیرازی (۸) شیخ قطب الدین نہروالی (۹) شیخ قطب الدین بنبانی (۱۰) علی بن عبداللہ کھمبایتی (۱۱) عمر بن بہاؤالدین کھمبایتی (۱۲) مسعود بن احمد کھمبایتی رحمہم اللہ تعالی۔

[۲] حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد شیخ عبدالعزیز سے ان کے صاحبزادے شیخ جاراللہ نے اور ان سے شیخ ابوالبرکات عبدالملک عباسی بنبانی نے حدیث کی سند حاصل کی، اور شیخ عبدالملک سے شیخ کمال عباسی نے اخذ حدیث فرمایا، وہ اسناد بھی تفصیل سے مذکور ہیں۔

[۳] شیخ زکریا انصاریؒ سے چار (۴) محدثین نے اکتساب فیض کیا تھا۔
(۱) شیخ شہاب الدین احمد عباسیؒ (۲) شیخ عبدالمعطیؒ (۳) شیخ ابن حجر مکی (۴) ابوالحسن بکری۔
ان میں ابن حجر مکیؒ سے نو (۹) محدثین نے فیض حاصل کیا:
(۱) شیخ بن عبداللہ (۲) شیخ محمد بن احمد فاکہی (۳) شیخ علی متقی (۴) مفتی بہاء الدین عبدالکریم (۵) شیخ عبداللہ انصاری (۶) وزیر آصفی (۷) شیخ سعید (۸) شیخ محمد بن طاہر پٹنی رحمہم اللہ تعالی (۹) عبدالکریم نہروالی۔
ان میں شیخ علی متقی سے پانچ محدثین نے اخذ حدیث فرمایا:
(۱) شیخ محمد بن طاہر پٹنی (۲) شیخ محمد فضل اللہ (۳) شیخ عبدالوہاب بھروچی (۴) شیخ عبدالوہاب متقی (۵) شیخ رحمت اللہ سندھی رحمہم اللہ تعالی۔
ان میں شیخ عبدالوہاب بھروچیؒ سے شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کسب فیض فرمایا اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے تین حضرات نے کسب فیض فرمایا: (۱) شیخ سلیمان کردیؒ (۲) شیخ مقصود عالم (۳) شیخ نورالحق دہلویؒ۔
حضرت مقصود عالم صاحب نے شاہ عبدالحق محدث کے علاوہ ان کے صاحب زادے شیخ نورالحق سے بھی اجازت حدیث لی ہے، اور مقصود عالم صاحب سے ان کے صاحب زادے شیخ جعفر بدر عالم نے اور ان سے ان کے صاحب زادے شیخ محبوب عالم نے اور ان سے مولانا نورالدین احمد آبادی نے اور شیخ نورالدین احمد آبادی سے دو صاحب نے کسب فیض فرمایا: (۱) شیخ عبداللہ بلگرامی (۲) شیخ صالح عرف پیر بابا۔
دوسری طرف شیخ علی متقی سے مولانا محمد بن طاہر پٹنی نے علم حدیث حاصل کیا اور علامہ محمد بن طاہر سے تین حضرات نے علم حدیث لیا: (۱) شیخ ضیاء اللہ اکبر آبادی (۲) شیخ امین بن احمد (۳) شیخ ضیاء الدین محمد غوثؒ۔

[۴] شیخ نورالدین شیرازی جو بابا یوسف ہروی سے روایت نقل کرتے ہیں، ان کے تین شاگرد ہیں: (۱) شیخ ہبۃ اللہ شیرازی (۲) شیخ ابوالعباس نہروالی (۳) شیخ قطب الدین نہروالی۔ اس روایت کے راویوں کے قلت وسائط پر

محدثین نے کلام بھی کیا ہے۔

[۵] شیخ قطب الدین بنبانیؒ سے ان کے بھائی شیخ عبدالملک بنبانی نے اخذ حدیث فرمایا اور ان سے شیخ کمال عباسی نے فیض حاصل کیا۔

[۶] شیخ قطب الدین نہر والی سے شیخ عبداللطیف عباسی اور مفتی بہاؤالدین نے حدیث کا علم حاصل کیا۔

[۷] ایک اور سلسلۂ حدیث مخدوم جہاں نیاں رحمۃ اللہ کا ہے، ان میں شیخ جعفر بدر عالم، شیخ مقصود عالم سے، وہ شیخ مقبول عالم سے، وہ شیخ ماہ عالم سے، وہ شیخ محمد بن احمد سے، وہ شیخ عرب شاہ سے، وہ شیخ محمد زاہد سے، وہ حضرت شاہ عالم سے، وہ سید قطب عالم سے، وہ شیخ محمود سے اور وہ سید مخدوم جہاں نیاں سے، وہ شیخ عبداللہ یافعی سے، وہ شیخ عیسیٰ بن حافظ ابوذر عن ابیہ سے، وہ شیخ احمد حموی عن ابیہ سے، وہ شیخ فربری سے اور وہ امام بخاریؒ سے نقل کرتے ہیں۔

[۸] اس میں شیخ قطب عالم سے شیخ عبداللطیف بن شیخ جمال پٹنی روایت نقل کرتے ہیں۔

[۹] شاہ وجیہ الدین علویؒ نے علامہ سخاوی کے شاگرد محمد بن محمد مالکی اور شیخ قطب الدین نہر والی کے بھائی شیخ عبدالملک سے احادیث مبارکہ کا علم حاصل کیا ہے۔

[۱۰] حافظ ابن حجر عسقلانی کے زمانے میں گجرات میں ایک اور محدث شیخ ابوبکر دمامینی تشریف لائے، آپ کی سند حدیث بھی مختلف طرق سے امام بخاری تک پہنچتی ہے، وہ تفصیل سے ذکر کی جائے گی۔

[۱۱] شیخ علی متقی نے مختلف شیوخ سے روایت لی ہیں، ان کی سند بھی ذکر کی جارہی ہے۔

[۱۲] شیخ زکریا انصاری کے صحاح ستہ کے شیوخ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ابوبکر عبداللہ قایاتی، ابواسحاق حنبلی، ابونعیم عقبی، ابومحمد حنفی، اور ابوعبداللہ الخطیب ہیں، ان سب کی اسناد مکمل وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

[۱۳] ابن حجر مکی کی تفصیلی اسناد ان کے تین شیوخ کے واسطہ سے ذکر کی جائے گی:

(۱) شیخ الاسلام زکریا انصاری (۲) حافظ زین الدین عبدالحق السنباطی (۳) حافظ جلال الدین سیوطی۔

[۱۴] علامہ سخاوی کی سند حافظ ابن حجر، علامہ عینیؒ، اور علامہ حلبی سے منقول ہے۔

(نوٹ): علامہ سخاویؒ کی تفصیلی اسناد ذکر کرنا چاہتا ہوں، لیکن ثبت السخاوی ہمارے پاس نہیں ہے، اس کی کوشش جاری ہے، اگر دستیاب ہوجائے گی تو ان اسناد کو بھی ذکر کر دیا جائے گا۔

[۱۵] شیخ عبدالملک عباسی کی صحاح ستہ کی اسناد شیخ محمد جاراللہ عن والدہ عزالدین عبدالعزیز عن شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی بھی کتاب کی زینت بنی ہوئی ہے۔

[۱۶] شیخ جاراللہ محمد بن عزالدین کی خود کی اسناد بھی علیحدہ مذکور ہے۔

[۱۷] شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور شیخ مجدد الف ثانیؒ کی اسناد بھی ذکر کی گئی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
علامہ سخاوی
زکریا انصاری
شیخ عبدالعزیز
یحیی بن عبدالرحمن ہاشمی
شہاب الدین احمد عباسی
عبدالمعطی
ابن حجر مکی
ابوالحسن بکری
احمد بن عبدالمعطی
محمد بن احمد فاکہی
علامہ طاہر پٹنی
(۱) عمر بن محمد دمشقی
(۲) راجح بن داود
(۳) قاسم بن داود
(۴) محمد بن محمد سوید مالکی
(۵) جمال الدین بحرق
(۶) شیخ علی متقی
(۷) رفیع الدین شیرازی
(۸) قطب الدین نہروالی
(۹) قطب الدین بنبانی
(۱۰) علی بن عبداللہ
(۱۱) عمر بن بہاء الدین
(۱۲) مسعود بن احمد
(۱) شیخ بن عبداللہ
(۲) محمد بن احمد فاکہی
(۳) علی متقی
(۴) بہاء الدین عبدالکریم
(۵) عبداللہ انصاری
(۶) وزیر آصفی
(۷) شیخ سعید شافعی
(۸) محمد بن طاہری پٹنی
(۹) عبدالکریم نہروالی
احمد بن محمد نہروالی
جاراللہ (ابن)
علامہ طاہر پٹنی
عبدالملک عباس بنبانی
کمال عباسی
شاہ وجیہ الدین
ملاحسن فراغی
(۶)
(۱) محمد بن طاہر پٹنی
(۲) محمد فضل اللہ
(۳) عبدالوہاب بھروچی
(۴) عبدالوہاب متقی
(۵) رحمۃ اللہ سندھی
شیخ بہلول دہلوی
ضیاء اللہ اکبر آبادی
امین بن احمد نہروالی
ضیاء الدین محمد غوث
عبدالحق محدث دہلوی
سلیمان کردی
مقصود عالم
نورالحق دہلوی
مقصود عالم
جعفر بدر عالم
محبوب عالم
نورالدین صدیقی احمد آبادی
احمد بن سلیمان کردی
عبداللہ بلگرامی
صالح عرف پیربابا
(۵) سلطان مظفر شاہ
(۴) شاہ وجیہ الدین
ملاحسن فراغی
عبداللطیف عباسی
(۸) وجیہ الدین علوی
ملاحسن فراغی
مفتی فہاء الدین
(۹) عبدالملک بنبانی (اخ)
کمال عباسی
عبدالعزیز احمد آبادی

بابا یوسف ہروی کی سند
محمد ابن اسماعیل البخاری
الفربری
یحییٰ بن عمار ختلانی
محمد بن شاد بخت فرغانی
بابا یوسف ہروی
نورالدین شیرازی
ھبۃ اللہ شیرازی
ابوالعباس نہروالی
قطب الدین نہروالی
عبداللطیف عباسی
مفتی بہاء الدین
سلسلۂ حدیث مخدوم جہاں نیاں
محمد ابن اسماعیل البخاری
الفربری
عبداللہ بن احمد الحموی عن أبیہ
عیسی بن الحافظ ابی ذر عن أبیہ
عبداللہ یافعی
مخدوم جہانیان
سلسلۂ حدیث خاندان مخدوم جہاں نیاں
مخدوم جہانیان
شیخ محمود
سید قطب عالم
شاہ عالم
عبداللطیف بن شیخ جمال پٹنی
محمد زاہد
شیخ عرب شاہ
شیخ محمد بن احمد
ماہ عالم
مقبول عالم
مقصود عالم
جعفر بدر عالم
محبوب عالم

گجرات کے نامور محدثین اوران کے اساتذۂ کرام

اعداد	اسمائے محدثین گجرات	اسمائے اساتذۂ کرام
۱	علامہ محمد بن عبدالرحمن سخاوی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ)
۲	علامہ زکریا انصاری (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ)
۳	علامہ یحییٰ بن عبدالرحمان الہاشمی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ)
۴	شیخ عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ)
۵	علامہ ابن حجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ زکریا انصاری (رحمۃ اللہ علیہ)
۶	علامہ بدرالدین دمامینی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ سراج ابن الملقن، شیخ عبدالوہاب قروی ؒ
۷	شیخ عبداللطیف بن شیخ جمال پٹنی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ قطب عالم (رحمۃ اللہ علیہ) م ۸۵۷ھ
۸	ابوالفتوح نورالدین احمد الطاؤسی شیرازی ؒ	شیخ بابا یوسف ہروی (رحمۃ اللہ علیہ)
۹	عمر بن محمد دمشقی کھنبایتی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ سخاوی (رحمۃ اللہ علیہ)
۱۰	ملک المحدثین محمد بن محمد بن سوید مالکیؒ	علامہ سخاوی (رحمۃ اللہ علیہ)
۱۱	جمال الدین محمد بحرق (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ سخاویؒ، شیخ زین الدین احمد بن احمد بن عبداللطیف الشرجی ؒ
۱۲	علی بن عبداللہ کھمبایتی	علامہ سخاوی (رحمۃ اللہ علیہ)
۱۳	عمر بن بہاؤالدین کھمبایتی	// //
۱۴	مسعود بن احمد کھمبایتی	// //
۱۵	مولانا راجح بن داؤد (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ سخاوی (رحمۃ اللہ علیہ)
۱۶	میر سید عبدالاول الحسینی (رحمۃ اللہ علیہ)	علاءالدین عن الحسین الفتحی عن شمس الدین الجزری ؒ
۱۷	شیخ عبدالمالک گجراتی عباسی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ جاراللہ ابن فہد (رحمۃ اللہ علیہ)
۱۸	علامہ کمال محمد عباسی (رحمۃ اللہ علیہ)	عبدالملک عباسی (رحمۃ اللہ علیہ)

۱۹	عبدالمعطی بن حسن باکثیر مکی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ زکریا انصاری (رحمۃ اللہ علیہ)
۲۰	حضرت شیخ بن عبداللہ عیدروسی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ ابن حجر مکی، عبداللہ بن احمد فاکہیؒ
۲۱	شیخ ابوالسعادات محمد بن احمد الفاکہی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ ابن حجر مکی، ابوالحسن بکری، محمد بن خطابؒ
۲۲	شہاب الدین احمد عباسی مصری (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ زکریا انصاری (رحمۃ اللہ علیہ)
۲۳	مولانا محمد بن طاہر پٹنی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ علی متقی، ابوالحسن بکری، ابن حجر مکی، جاراللہ ابن فہدؒ
۲۴	شیخ علی متقی (رحمۃ اللہ علیہ)	ابوالحسن بکری، شیخ ابن حجر مکی، علامہ سخاویؒ
۲۵	حضرت شاہ وجیہ الدین علوی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ ابوالبرکات عبدالملک عباسی بنبانی، محمد بن محمد مالکیؒ
۲۶	حضرت سید محمد جعفر بن جلال بدر عالمؒ	علامہ مقصود عالم عن عبدالحق محدثؒ
۲۷	مولانا سلیمان کردی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ عبدالحق دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ)
۲۸	میر غیاث الدین ہبۃ اللہ شاہ میر (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ نورالدین طاؤسی عن بابا یوسف ہرویؒ
۲۹	مولانا شیخ محمد نورالدین صدیقی احمد آبادیؒ	شیخ محبوب عالم (رحمۃ اللہ علیہ)
۳۰	شیخ محمد صالح عرف پیر بابا (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ نورالدین صدیقی (رحمۃ اللہ علیہ)
۳۱	ملاحسن فراغی (رحمۃ اللہ علیہ)	شاہ وجیہ الدین (رحمۃ اللہ علیہ)
۳۲	سید غضنفر بن جعفر نہروالی (رحمۃ اللہ علیہ)	محدث محمد سعید بن مولانا خواجہ اکبر آبادیؒ
۳۳	شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ سخاوی (رحمۃ اللہ علیہ)
۳۴	مفتی بہاؤالدین عبدالکریم (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ ابن حجر مکی، مفتی قطب الدین نہروالیؒ، شیخ عبداللہ سندھیؒ
۳۵	شیخ عبداللہ انصاری سلطان پوری (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ ابن حجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ)
۳۶	شیخ رحمۃ اللہ (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ علی بن محمد غریق الخطیب صاحب تنزیۃ الشریعۃؒ
۳۷	علامہ عبداللہ متقی سندھی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ علی بن محمد بن غریق الخطیب (رحمۃ اللہ علیہ)
۳۸	شیخ ضیاء اللہ اکبر آبادی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ محمد بن طاہر پٹنی (رحمۃ اللہ علیہ)
۳۹	شیخ عبداللہ (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ عبدالاول حسینی دولت آبادی (رحمۃ اللہ علیہ)
۴۰	علامہ محمد بن فضل اللہ (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ علی بن حسام الدین متقی (رحمۃ اللہ علیہ)
۴۱	شیخ عبدالحق دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ عبدالوہاب بھروچی شاگرد علی المتقی (رحمۃ اللہ علیہ)

۴۲	علامہ احمد بن عبدالمعطی (رحمۃ اللہ علیہ)	والد عبدالمعطی عن زکریا انصاری (رحمہم اللہ علیہ)
۴۳	شیخ عبداللہ بلگرامی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ نورالدین احمد آبادی (رحمۃ اللہ علیہ)
۴۴	شیخ آصفی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ ابن حجر مکی، شیخ عزالدین بن عبدالعزیز زمزمی (رحمہم اللہ)
۴۵	علامہ مرتضی بن محمد بلگرامی (رحمۃ اللہ علیہ)	حضرت شاہ ولی اللہ، شیخ خیرالدین سورتی (رحمۃ اللہ علیہ)
۴۶	شیخ رفیع الدین مرادآبادی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ خیرالدین سورتی (رحمۃ اللہ علیہ) سے بخاری پڑھی
۴۷	شیخ احمد بن محمد نہروالیؒ، والد قطب الدینؒ	شیخ عزالدین عبدالعزیز بن نجم الدین بن عمر بن فہد، شیخ نور الدین ابوالفتح شیرازی (رحمہم اللہ)
۴۸	شیخ قطب الدین محمد بن احمد نہروالیؒ	شیخ وجیہ الدین عبدالرحمن بن علی الدیبغ الشیبانی الزبیدی، علامہ سخاوی، شیخ نورالدین شیرازیؒ
۴۹	شیخ سلطان مظفر شاہ حلیم (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ محمد بن محمد الایجی، شیخ جمال الدین بحرقؒ
۵۰	شیخ احمد بن سلیمان کردی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ نورالدین احمد آبادی (رحمۃ اللہ علیہ)
۵۱	حضرت امین بن احمد نہروالیؒ	علامہ محمد بن طاہر پٹنی (رحمۃ اللہ علیہ)
۵۲	حضرت ضیاء الدین بن محمد غوث الشطاریؒ	علامہ محمد بن طاہر پٹنی (رحمۃ اللہ علیہ)
۵۳	شیخ عبدالملک بن عبداللطیف عباسیؒ	شیخ قطب الدین نہروالی (رحمۃ اللہ علیہ)
۵۴	شیخ عبدالوہاب بھروچی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ علی متقی، شیخ محمد بن افلح یمنی (رحمہم اللہ)
۵۵	شیخ سعید شافعی حبشی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ ابن حجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ)
۵۶	شیخ بہلول دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ)	شیخ عبداللہ سندھی، رحمۃ اللہ سندھیؒ
۵۷	شیخ عبدالملک عباسی (رحمۃ اللہ علیہ)	بھائی قطب الدین سے اور انہوں نے علامہ سخاویؒ سے
۵۸	علامہ وزیر آصف خاں (رحمۃ اللہ علیہ)	قاضی برہان الدین نہروالی (رحمۃ اللہ علیہ)
۵۹	شیخ عبدالعزیز احمد آبادی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ ابوالبرکات عبدالملک بنبانیؒ
۶۰	شیخ عبداللطیف عباسی (رحمۃ اللہ علیہ)	علامہ قطب الدین بن علاء الدینؒ سے مکہ میں

تابناک ماضی سے شاندار حال کا ربط اور مستقبل کی بنیاد:

گجرات کے تابناک ماضی کے ساتھ الحمدللہ اس کا حال بھی شاندار ہے، اس وقت سینکڑوں دینی مکاتیب، دسیوں بڑے بڑے دارالعلوم اوران کے ساتھ عالی شان کتب خانے قائم ہیں، ان دارالعلوموں میں تمام علوم وفنون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کی تعلیم بھی خصوصیت کے ساتھ دی جاتی ہے اور کتب خانوں میں تمام علوم وفنون کی کتابوں کے ساتھ الحمدللہ احادیث کی کتابیں بڑے مصارف خرچ کر کے شاندار طباعت کے ساتھ عرب ممالک سے خریدی جاتی ہیں، اسی طرح اسلاف کی حدیث شریف کی خدمت کی جھلک اور یادتازہ کراتی ہے، **فالحمد لله على ذلك اولا و آخرا**. حق تعالی شانہ سے دعاہے کہ وہ حدیثی علوم کے لئے گجرات کو اپنی سابقہ روایات کے ساتھ باقی رکھے، آمین۔

(حضرت، مولانا) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (حفظہ اللہ)
شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا،
بھروچ، گجرات، پن: ۳۹۲۰۰۱

عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے روابط

گجرات وعرب ممالک کے تعلقات کے سلسلہ میں تاریخ کی ورق گردانی کے بعد یہ محسوس ہوا کہ اس موضوع کو واضح کرنے کے لئے تاریخ گجرات کو مختلف سیاسی ودعوتی ادوار میں تقسیم کرنا ضروری ہے، لہذا استقرائی طریقہ پر میں نے تاریخ کو چند ادوار میں تقسیم کیا ہے:

(۱) ماقبل الاسلام دور (۲) ۱۵ھ سے لے کر ۱۶۰ھ تک کا دور (۳) ۱۶۰ھ سے لے کر سلطان محمود غزنوی کے حملوں تک کا دور (۴) سلطان محمود غزنوی سے لے کر خود مختار سلطنت کے قیام تک کا دور (۵) خود مختار سلطنت کا مجموعی ۱۸۴ سالہ دور (۶) دور اکبری سے لے کر انگریز کے قبضہ تک کا دور۔

ان ادوار میں دوسرا دور سرزمین گجرات کے لئے سب سے سنہرا اور بابرکت دور ہے، اس ۱۴۵ سالہ دور میں صحابۂ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین حضرات کا بکثرت ورود ہوا ہے، قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند کرنے والے حضرات تنہا مجاہد ہی نہیں بلکہ کتاب وسنت کے علوم کے ماہر بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ خطۂ گجرات ایک روحانی وعلمی مرکز، تجارتی منڈی اور پرسکون زندگی کے لئے مناسب آشیانہ کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔

ان چھ ادوار میں خود مختار سلطنت کا دور تمام ادوار میں واضح اور نمایاں ہے؛ کیوں کہ اس دور کی تاریخی کتابیں ہمارے پاس محفوظ ہیں، اسی طرح اکبر کے گجرات پر حملہ کر کے گجرات کو مرکزی سلطنت میں شامل کرنے سے لے کر انگریزی دور تک کے حالات کا بھی کچھ مواد مل جاتا ہے۔

اسی طرح انگریز کے دور حکومت سے لے کر آج تک کے محدثین کا اجمالی تعارف مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ صاحب نے گجرات کے علمائے حدیث کے عنوان سے مولانا عبدالاحد ومولانا محسن فلاحی برادران کے پاس تیار کروایا ہے۔

مجاہدینِ اسلام کے دعوتی جہادی اسفار اور کامیابی کے اسباب:

ابتداء میں اس ملک کو اسلام سے روشناس کرانے کے اصل تین ذرائع تھے۔

(۱) **عرب تُجّار:** عرب تاجروں اور ان کے ساتھ آنے والے مبلّغین کے ذریعہ سب سے پہلے ہمارے ملک تک اسلام کی روشنی پہنچی، انہی کی کوششوں سے ساحلی علاقوں کے باشندے اسلام اور اس کی تعلیمات سے روشناس ہوئے۔

(۲) **مسلمان حملہ آور:** یہ لوگ فوجی قوت سے اندرونی ملک میں داخل ہوئے، اگرچہ انہوں نے اپنے طرز عمل سے اسلام کی پوری پوری نمائندگی نہیں کی، پھر بھی ان کے حملوں کا یہ نتیجہ ضرور رہا کہ مسلمان ممالک کا اندرونِ ملک سے رابطہ قائم ہوگیا، اور دین حق کی دعوت کے لئے راستے کھل گئے۔

(۳) **مبلغین اور بزرگان دین:** بہت سے بزرگ اپنے مخلص عقیدت مندوں کے ساتھ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور منظم طور پر دین کی اشاعت کا کام کرنے لگے، ان کا تقویٰ، خلوص اور انتھک کوششوں سے ہزاروں ہندوستانی مشرف باسلام ہوئے، متعدد افراد کے قلوب نرم اور اخلاق پسندیدہ ہوگئے، یہاں کے باشندوں کی ایک خاصی تعداد کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام اور بقاء کے لئے زمین ہموار ہوگئی۔

جہاں تک عرب تجار، مبلغین اور فقیر منش بزرگوں کی مساعی کا تعلق ہے تقریبا تمام لوگ انہیں سراہتے اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں، چنانچہ آج بھی مسلمانوں کے علاوہ کتنے غیر مسلم بھی ان بزرگوں کے مزار پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں، لیکن مسلمان حملہ آوروں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا؛ بلکہ ان پر لوٹ مار، قتل وغارت گری، بے جا تشدد، ملک گیری کی بڑھتی ہوئی ہوس اور جبری تبدیلی مذہب کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن جب ہم ان اسباب پر غور کرتے ہیں جو ان حملوں کے محرک ہوئے تو ان حملہ آوروں کے مقابلہ میں وہ لوگ زیادہ مورد الزام ٹھہرتے ہیں جن پر یہ حملے ہوئے مثلاً:

حملوں کے اسباب:

(۱) ہندوستانی راجہ ان باغی گروہوں کو اپنے یہاں پناہ دیتے تھے جو مسلمانوں کی مملکت میں بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد یہاں بھاگ آتے تھے، ان باغیوں میں باطنیہ بھی تھے اور قرامطہ اور ملاحدہ بھی، یہ اور اس قسم کے دیگر متعدد گروہ عموما مسلمان مملکتوں کا تختہ اُلٹنے کی سازش کرتے رہتے تھے، ظاہر ہے اتنے بڑے جرم کو کوئی مملکت برداشت نہیں کرسکتی، مسلمان حکمران جب ان مجرموں کی واپسی کا مطالبہ کرتے تو پناہ دینے والوں کی طرف سے انہیں کوئی معقول جواب نہ ملتا اور بحالت مجبوری جب وہ ان کی سرکوبی کے لئے خود آگے بڑھتے تو ان باغیوں کی حمایت میں یہاں کے راجہ ان سے جنگ کرتے، اس طرح گویا حملہ کرنے کے لئے خود انہیں کی طرف سے مواقع فراہم کئے جاتے۔

(۲) مسلمان ممالک کی سرحدیں ہندوستان سے مل چکی تھیں، پڑوسی ممالک میں سرحدی تنازعات چلتے ہی رہتے ہیں، ان تنازعات کا تصفیہ کرنے کے لئے سمجھوتے ہوتے تھے، تاریخ شاہد ہے کہ ایسے بیش تر سمجھوتوں کی شرائط توڑنے اور چھیڑ چھاڑ کرنے میں پہل عموما ہندوستان کے راجاؤں کی طرف سے ہوتی تھی، چنانچہ اکثر حملے اس سبب سے بھی ہوئے۔

پہلا جہادی سفر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں مسلمان بحرین کے اس علاقہ پر قابض ہوچکے تھے جس سے ہندوستان وچین کا قدیم زمانہ سے تجارتی تعلق چلا آرہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ہی بہت سارے ہندوستانی عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل پر جمع ہوگئے تھے، غزوۃ الہند کی روایات بھی حضرات صحابۂ کرام کے پیش نظر تھیں، لہذا سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ہندوستان روانہ کیا، حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے تھانہ اور بھروچ پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوئے۔

دوسرا جہادی سفر: حضرت عباد بن زیاد اموی (تابعی) کی سرکردگی میں ہوا، حضرت عباد نے حدود سجستان اور حدود ہند کے کئی مقامات میں سلسلۂ جہاد جاری رکھا، ایک مرتبہ وہ دریائے سندھ عبور کرکے ہندوستان کے بعض علاقوں میں داخل ہوئے اور ''رن کچھ'' تک پہنچے، اس نواح میں کچھ عرصہ ان کا قیام رہا، وہاں سے کندھار کا عزم کیا۔

تیسرا جہادی سفر: محمد بن قاسم نے جب دیبل پر حملہ کرکے اس کو فتح کرلیا تو راجہ داہر وہاں سے بھاگ گیا تھا اور حدود سندھ سے نکل کر راجہ راسل کی راجدھانی ''کچھ'' کے مقام پر پہنچ گیا تھا، اس کے ساتھ کچھ کے ہی علاقہ میں فیصلہ کن جنگ ہوئی اور راجہ داہر مارا گیا، اس کے بعد محمد بن قاسم نے ہندوستان (گجرات) کے باقی علاقوں اور شہروں کو فتح کرنے کا عزم کرلیا تھا، لہٰذا بھیلمان پر فوج کشی کی، وہاں والوں نے مقابلہ نہیں کیا اور شرائط کے مطابق صلح کرلی، اس کے بعد محمد بن قاسم کی فوج سورٹھ (کاٹھیاواڑ) کی طرف بڑھی، سورٹھ والوں (یا اس کے کسی ٹھاکرے) نے بھی بغیر مزاحمت کے مسلمانوں کی اعانت گذاری کا اعلان کردیا۔

محمد بن قاسم نے پورے سندھ کو مسخر کیا، ملتان پر تسلط جمایا اور راجستھان اور گجرات کاٹھیاواڑ کے بہت سے شہروں کو زیر کیا، مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کرائیں، مدرسے قائم کئے اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر کئے۔

گجرات کے ایک شہر کھیڑا میں اس کا مجسمہ بناکر وسط شہر میں نصب کیا گیا، یہ اس کے بہت بڑے اور عادل امیر ہونے کی دلیل تھی، اس ضمن میں بلاذری کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں: **فبکی اھل الھند وصوروہ بالکیرج**. یعنی محمد بن قاسم کی موت پر ہندوستان کے لوگ روئے اور کیرج (کھیڑا) میں اس کی تصویری یادگار قائم کی گئی۔

محمد بن قاسم کے سندھ پر حملہ کے موقع سے آپ کے ساتھ آنے والے ایک ممتاز ومشہور قاری اور محدث ''جنید بن عمرو العدوانی المکی'' تھے، جو مکہ مکرمہ کے جید ومعروف قاری تھے۔

علم حدیث میں بھی ان کا مرتبہ بڑا اونچا تھا، ثقہ اور کثیر الحدیث راوی تھے، آل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے حمید بن قیس سے روایت کی اور خود ان سے محمد بن عبداللہ بن قاسم نے درس حدیث لیا، قراءت مجاہد سے سیکھی، منقول ہے کہ مکہ مکرمہ میں جنید بن عمرو اور عبداللہ بن کثیر سے بڑھ کر کوئی قاری نہ تھا، آپ ان تبع تابعین میں سے تھے جو فتح سندھ کے موقع پر محمد بن قاسم کے ساتھ برصغیر وارد ہوئے تھے، محمد بن قاسم نے ساوندری کے مقام پر پہنچ کر ہراور میں قیام کیا تھا، پھر ہراور سے انہوں نے جنید بن عمرو کو فوج کے ایک دستے کا کمانڈر بناکر مخالفین اسلام کے خلاف جہاد کے لئے بھروچ روانہ کیا تھا۔

محمد بن قاسم کے حالات میں مدارس قائم کرنے اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر کرنے کا اہتمام دلالت کرتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں وسطی گجرات اور کاٹھیاواڑ میں قرآن کریم کی تعلیم کا نظم ضرور ہوگا، نیز حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید جنید بن عمرو العدوانی جیسے مشہور قاری کو شہر بھروچ روانہ کرنا بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ نے جہاد کے

ساتھ ساتھ لشکر میں اپنے ذوق کے قراء حضرات بھی تیار کئے ہوں گے۔

چوتھا جہادی سفر: ۱۰۷ھ میں عراق کے حاکم خالد عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کی حکومت سے الگ کر کے جنید بن عبد الرحمن کو سندھ کا حاکم بنایا، (عمر بن مسلم نے سندھ کی ولایت کے درمیان کچھ کو فتح کر کے سندھ کے تابع کر دیا تھا) جنید نے رادھن پور کے پاس موجود پنچاسر کو (جو سولنکی راجہ کا پایہ تخت تھا اور سولنکیوں نے اسے چاوڑا خاندان سے چھین لیا تھا) فتح کر لیا، سولنکی فوج یہاں سے بھاگ کر امداد کے لئے جنوبی گجرات پہنچی اور بھروچ میں جنگی تیاری کرنے لگی جنید کو جب اس کی خبر ہوئی تو فوراً بھروچ پہنچا اور ایک ہی جنگ میں اس کا خاتمہ کر دیا، پھر جنید نے بھیلمان اور گجرات کو فتح کیا، یہاں اس کو اتنا مالِ غنیمت ملا کہ زائرین وسائلین کو دینے کے بعد بھی چار کڑور بچ گیا۔

ان فتوحات کی تائید ان کتبوں سے بھی ہوتی ہے، جو اثری تحقیقات کے ماتحت برآمد ہوئے ہیں، یہ چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے، چنانچہ پول کیشی جناشر کے عہد کا ایک کتبہ ہے، جس میں تحریر ہے:

''عرب لشکر نے سندھ، کچھ، سوراسٹھ، چاوڑا، موریا (ماڑواڑ یا مالوہ) اور بھیلمان کی سلطنت کو حیران کیا۔''

یہ کتبہ (بعہد پول کیشی) ۷۳۸ء کا ہے، گویا اصل واقعہ سے دس بارہ برس بعد کا ہے۔

پانچواں جہادی سفر: جنید کے حملے کے بعد عربوں نے تقریباً ۳۰ یا ۳۲ سال تک گجرات کی طرف رخ نہیں کیا، ۱۳۲ھ میں اموی کی جگہ عباسی حکومت پر فائز ہوئے اور دمشق کے بجائے بغداد کو اپنا دار الخلافت بنایا، اس انقلاب نے ہندوستان کو عرب سلطنت سے بہت قریب کر دیا، عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۱۴۰ھ میں ہشام بن عمرو تغلبی کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا، ہشام نے سندھ کے اندرونی حالات درست کر کے گجرات کی طرف توجہ مرکوز کی اور گجرات کے ایک مرکزی مقام بھاڑ بھوت (بھروچ سے قریب ۱۵ ر کلومیٹر پر واقع ہے) کی طرف عمرو بن جمل کی سرکردگی میں ایک بحری فوج روانہ کی، پھر خود ہی مزید تیاری کر کے گندھار (بھروچ) پر حملہ آور ہوا، اس کو فتح کر کے چندروز قیام کیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی، یہ سندھ کے علاوہ ہندوستان میں پہلی مسجد تھی۔

ہشام کے عہد حکومت میں ملک میں شادابی اور خوش حالی آگئی، لوگ اس کو برکت سمجھتے تھے، اس نے سرحدوں پر پورا قابو حاصل کر لیا تھا اور تمام معاملات کو مستحکم کر دیا۔

چھٹا جہادی سفر: ۱۴۰ھ سے ۱۵۸ھ تک عرب تاجروں کو گجرات سے کوئی شکایت نہیں ہوئی، البتہ عباسی خلیفہ مہدی (۱۵۸ھ) کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے دوسرے سال ۱۵۹ھ میں اس نے عبد الملک بن شہاب مسمعی کی سرکردگی میں سرکاری اور غیر سرکاری (رضا کار) فوجوں کی ایک بڑی تعداد بھاڑ بھوت کی طرف روانہ کی اور ۱۶۰ھ میں اس کو فتح کیا۔

ان فوجوں میں والنٹیر بھی بہت تھے اور غالباً ان کے افسر ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی بصری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کو تبع تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا، انہوں نے ایک دوسرے کو جہاد کے لئے بڑا جوش دلایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گجراتی

مسلمانوں کے پر جوش حملوں کو نہ روک سکے، گجراتی شہر میں چلے گئے اور پھاٹک بند کر دیا، عرب فوج نے اس سختی سے محاصرہ کیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے، آخر ایک دن عرب فوج بزور شہر میں گھس گئی اور شہر فتح ہو گیا۔

اسی طرح چھٹے حملہ میں آنے والے رضا کار مجاہدین میں محدث جلیل ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ قرآن وحدیث کے دیگر ماہرین بھی ضرور ہوں گے، لیکن چوں کہ ان حضرات کے حالات تاریخ بلاذری، طبقات ابن سعد اور فتوح البلدان وغیرہ میں نہایت ہی مختصر طور پر مذکور ہیں، لہذا حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔

ساتواں جہادی سفر: خلیفہ مامون اور معتصم کے زمانہ میں (۱۹۸ھ) جنوبی گجرات کے ایک مشہور سمندری مقام سندان (سنجان) پر بنوسامہ کے آزاد کردہ غلام فضل بن ماہان نے قبضہ جمایا اور اپنی خودمختار حکومت قائم کی، جو اس کے بعد اس کے لڑکے محمد بن فضل اور ماہان بن فضل کی باہمی خانہ جنگی میں ۳۰ر سال کے عرصہ میں تباہ ہوگئی۔

اس طرح ابتدائی دوصدیوں کی آمد و رفت کے نتیجہ میں گجرات کے کناروں پر واقع متعدد بندرگاہوں میں مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم ہوگئی، جس کی شہادت تیسری صدی اور چوتھی صدی ہجری میں آنے والے عرب سیاحوں نے دی ہے۔

۱۶۰ھ کے بعد سے سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک کے حالات بھی بظاہر بہت واضح نہیں ہیں، لیکن حسن اتفاق سے سندھ میں اسلامی حکومت کے قیام اور گجرات میں ۷۷۰ء مطابق: ۱۶۰ھ میں چالوکیہ خاندان کا خاتمہ ہونے کے بعد گجرات کا دکن کے راشٹ کوٹ راجاؤں کے ماتحت ہونے نے راشٹ کوٹ راجاؤں کو مسلمانوں سے قریب کر دیا، راشٹ کوٹ راجاؤں کا لقب ''ولبھ رائے'' تھا، اس خاندان کے بعض راجہ مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ اور دوست گذرے ہیں، انہیں کے عہد حکومت میں عرب تاجر اور مہاجر گجرات میں ہزاروں کی تعداد میں آئے اور مستقل اقامت اختیار کر لی، حسن اتفاق سے اس دور میں مسلمان تاجر اور مؤرخ گجرات میں آئے اور انہوں نے اپنے سفر ناموں میں مسلمانوں کے جو احوال پیش کئے ہیں، ان سے محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان اس دور میں گجرات میں نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے اور ان کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی مکمل آزادی تھی، ابن خرداذبہ (آمد: ۲۱۱ھ، مطابق ۸۲۶ء، وفات: ۳۰۰ھ، مطابق ۹۱۲ء) نے اپنی تاریخی کتاب ''المسالک والممالک'' میں ان راجاؤں کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح تیسری صدی ہجری کے دوسرے سیاح ''سلیمان تاجر'' نے اپنی کتاب ''سلسلة التواریخ'' (جس کی تکمیل بعد میں ابوزید سیرفی م: ۳۲۷ھ نے کی) میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے، ''بزرگ بن شہریار'' نے تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل میں گجرات کا سفر کیا تھا، انہوں نے ''عجائب الہند'' میں اور مسعودی (م: ۳۴۶ھ) نے ''مروج الذهب ومعادن الجوهر'' میں بھی کافی کچھ لکھا ہے، جس سے اس دور کی کچھ تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔

ان کے علاوہ علامہ بلاذری (م: ۲۷۹ھ، مطابق: ۸۹۲ء) نے فتوح البلدان میں، یعقوبی (م: ۲۸۴ھ مطابق: ۸۹۷ء) نے تاریخ یعقوبی میں، ہمدانی (۲۷۹ھ کے بعد) نے کتاب البلدان میں، ابن رستہ (م: ۲۹۰ھ) نے

''الاعلاق النفیسہ''میں، طاہر مقدسی (چوتھی صدی ہجری کا وسط) نے کتاب البدء والتاریخ میں، اصطخر ی (۳۴۰ھ، مطابق: ۹۵۱ء) نے المسالک والممالک میں اور بشار مقدسی (م:۳۷۵ھ مطابق:۹۸۵ء) نے احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں تفصیل سے گجرات کے احوال ذکر کئے ہیں۔(واضح ہو کہ اصطخر ی کو یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ وہ ابن حوقل کے ہم عصر ہیں، بلکہ دونوں کی ہندوستان میں ملاقات بھی ہوئی تھی۔)

لیکن افسوس ہے کہ ان تمام حضرات نے گجرات کے تاریخی، جغرافیائی اور سیاسی حالات پر زیادہ تبصرہ کیا ہے، مسلم آبادی کے دینی احوال اور تعلیم و تعلم کے ذرائع کے سلسلہ میں سوائے چند اشاروں کے وہ عمومی طور پر خاموش ہیں، اس لئے اس دور میں مسلم آبادی اچھی خاصی تعداد میں ہونے کے باوجود صحیح صورت حال واضح نہیں ہو رہی ہے۔

اصطخر ی اور مسعودی نے مساجد اور شرعی احکام وقوانین کی مناسب رہنمائی کے لئے باصلاحیت وذی استعداد افراد کے تقرر کی بات ذکر کی ہے، چنانچہ اصطخر ی اپنی کتاب ''المسالک والممالک''میں لکھتے ہیں:

> ''کھنبایت سے راجہ بلہرا کے شہر چیمور تک سب ہندوؤں کے شہر ہیں، مگران میں کچھ مسلمانوں کی بھی آبادی ہے اور راجہ بلہرا کی طرف سے کوئی مسلمان ہی ان کے معاملات کا نگران ہوتا ہے، ان شہروں میں مسجدیں اور جامع مسجدیں ہیں، جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، بلہرا کی راجدھانی کا نام مہانگر ہے جہاں وہ رہتا ہے، اس کی سلطنت بہت وسیع ہے۔''

چوں کہ ابتداء میں عرب تاجر کی حیثیت سے آئے تھے، اس لئے اس زمانہ میں ان کا تعلق ان ہی علاقوں سے ہوا، جہاں بندرگاہیں تھیں، اس زمانہ میں سب سے زیادہ بندرگاہیں جنوبی ہند میں، اس کے بعد سندھ، گجرات اور بلوچستان میں تھیں۔

چنانچہ جہاں جہاں ان کی آبادی زیادہ تھی، وہاں ان کا الگ نظام قضاء تھا اور ان کے معاملات ومقدمات کے فیصلہ کے لئے ہندوراجہ کی جانب سے مسلمان قاضی یا حاکم مقرر تھے، جو ہنرمند کہلاتے تھے، ہندوراجاؤں کے مسلمان وزیر ومشیر تھے، بعض راجاؤں نے جن کو حق کی تلاش تھی؛ اسلام کے متعلق تحقیقات کے لئے اپنے سفیر عرب بھیجے اور مسلمان بزرگوں کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے، پھر ان کے اثر سے ان کی رعایا میں بھی اسلام کی اشاعت ہوئی، یہ سارے حالات عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

ابن خرداذبہ نے جس راجہ بلہرا کا ذکر کیا ہے، اس کا نام مودگھورش ولبھ رائے ہے، اس کی حکومت کا زمانہ ۸۱۵ء سے ۸۷۷ء تک ہے، اس راجہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں بڑی فتوحات حاصل کیں، حسن انتظام کے لحاظ سے بھی یہ بہترین راجہ تھا، اسے عربوں سے بڑی محبت تھی، آخر عمر میں تخت سے دست بردار ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گیا تھا اور اس کا لڑکا اس کا جانشین ہوا۔(تاریخ گجرات)

محمود غزنوی سے لے کر خود مختار سلطنت کے قیام تک کا دور:

سلطان محمود غزنوی کا گجرات پر حملہ خود ایک بزرگ مانگرولی کی گجرات میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کی داستان سننے پر ہوا تھا، جو اس وقت گجرات میں مسلم آبادی کے وجود کا ثبوت بھی پیش کر رہا ہے، سلطان کے حملہ کے بعد بھی وقتی طور پر حالات کے تلخ ہونے کے باوجود مسلمان داعیوں کی مسلسل آمد و رفت جاری رہی، اسی دور میں بھروچ میں ''بابا ریحان'' اور ان کے رفقاء کی آمد ہوئی، البیرونی نے بھی قریب قریب اسی دور میں یہاں کا سفر کیا، الادریسی (۴۹۳ھ) نے ''نزهة المشتاق فی اختراق الآفاق'' میں اور قاضی رشید بن زبیر (۴۶۲ھ) نے ''الذخائر و التحائف'' نامی کتاب میں گجرات کے حالات ذکر کئے ہیں۔

اسی دور سے متعلق علامہ سید عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی حالات نقل فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود غزنوی کو گجرات کا خیال پیدا ہوا اور اسی ارادہ سے وہ ملتان سے نکل کر نہایت دشوار گذار راستہ طے کرتے ہوئے، ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے نہروالہ پہنچا، اسے فتح کر کے دیولواڑہ کو بھی تہہ تیغ کیا، پھر سومناتھ کا قصد کیا، جہاں تمام دشواریوں پر غالب آتے ہوئے فتح حاصل کر کے بے شمار مال و دولت لے کر بخیر و خوبی لوٹ گیا۔

پھر ۵۷۴ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے گجرات پر دھاوا کیا، اس وقت کے راجہ بھیم دیو سے سخت مقابلہ ہوا، جس میں شہاب الدین کو شکست اٹھانی پڑی۔ ۵۹۱ھ میں قطب الدین ایبک نے اپنے آقا شہاب الدین غوری کی اجازت سے گجرات پر حملہ کیا اور بھیم دیو کو شکست فاش دی، پھر اسی قطب الدین ایبک کو ۵۹۷ھ میں شہاب الدین نے دوبارہ حملہ کی غرض سے بھیجا، اس بار بھی قطب الدین فاتح رہا، اس کے بعد علاء الدین خلجی کا دور آیا، چنانچہ اس نے ۶۹۶ھ میں ''اُلغ خان'' کو تسخیر گجرات کے لئے روانہ کیا، اس وقت راجہ کرن حکومت کا ذمہ دار تھا، اس نے کسی طرح اپنی جان بچائی، لیکن اُلغ خان نہ صرف فتحیاب ہوا بلکہ مال کثیر اور شاہی افراد پر بھی قابض ہو گیا تھا، اسی الغ خان نے بیس برس تک گجرات میں نہایت خوش اسلوبی سے حکمرانی کی اور ملک کو فتنہ و فساد سے پاک کر دیا۔ (یاد ایام، ص: ۴۷،۴۸)

برعظیم ہند میں مختلف مسلمان حکومتوں کے عہد میں عربی علوم اور علماء کی مختلف کیفیات رہی، ان میں ایک سلطنت گجرات ہے، اس کا آٹھویں صدی کا دور زرین اور شاندار رہا، اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر زبید احمد رقم طراز ہیں: احمد شاہ اول نے شہر احمد آباد کی بنا ڈالی تھی جو دار السلطنت بنا اور ایک بڑے علمی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہوا، جہاں بادشاہوں کی فیاضی و سرپرستی کی بدولت علماء و فقہاء بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے، اس سلطنت کے قیام سے پہلے زائرین حج بالعموم برّی راستے کو بحری راستہ پر ترجیح دیتے تھے؛ مگر جب سلاطین گجرات کافی طاقتور ہو گئے اور ان کا اقتدار ساحلی علاقوں تک پھیل گیا تو انہوں نے بحری سفر کو منظم و محفوظ کر دیا، جس سے ایک تو حاجیوں کے لئے بڑی سہولت ہو گئی اور دوسرے بہت سے علماء عرب سے آ کر احمد آباد اور دکن کی ریاستوں میں سکونت اختیار کرنے لگے، ان علماء کی آمد سے احمد آباد رفتہ رفتہ اسلامی علوم کا اہم مرکز بن گیا۔

گجرات میں ایک دور انتہائی روشن اور قابل ذکر بھی گذرا ہے، جس طویل عرصہ میں مسلمان حکمرانوں کی علم دوستی اور علماء

ومحدثین کی تشریف آوری سے گجرات اور خاص کر اس کے ساحلی علاقوں میں علوم دینیہ کی اشاعت خوب تیزی سے ہوئی اور یہاں سے بھی حصول علوم دینیہ کی غرض سے علماء گجرات کی عرب تشریف بری ہوئی، یہ روشن ترین دور تقریبا ۳؍صدیوں پر مشتمل ہے، یعنی ۸، ۹اور ۱۰ویں صدی ہجری۔

اس قدر تیزی سے گجرات میں علوم دینیہ کی اشاعت اور ترقی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر محبوب حسین عباسی رقم طراز ہیں: گجرات میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہونے کے فورا بعد جس سرعت سے علوم دینیہ کی ترقی وترویج عمل میں آئی اس کے درج ذیل دو اہم اسباب معلوم ہوتے ہیں:

(۱) عرب ممالک اور گجرات کے درمیان قرب مکانی اور (۲) سلاطین اور امرائے گجرات کی علم دوستی۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے بعض علماء حج وزیارت کے لئے حجاز تشریف لے گئے اور وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا اور ان کے ذریعہ ہندوستان میں علم حدیث پہنچایا، مثلاً صاحب مجمع البحار شیخ محمد بن طاہر پٹنی، شیخ یعقوب بن حسن کشمیری اور شیخ عبدالنبی گنگوہی وغیرہ ہیں اور بعض علماء نے گجرات آکر درس وافادہ کی مسند بچھائی، مثلاً شیخ عبدالمعطی، شیخ عبداللہ اور رحمت اللہ وغیرہ۔ اس طرح حدیث کا علم گجرات کے اطراف میں رواج پذیر ہوا۔

(اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں: ص: ۳۶، ۴۱-۴۳)

علماء گجرات میں محدثین، مفسرین کے ساتھ ساتھ فقہاء وقضاۃ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہے؛ حالانکہ ان کی فہرست بھی طویل ہے، ان کی فقہی خدمات اور فتاوی سے مدت مدیدہ تک لوگ فیضیاب ہوتے رہے، ان کی تصانیف کے مخطوطات آج مکتبات کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ گجرات ایک خاصی اہمیت رکھنے والا خطہ ہے، وہ اپنی مختلف خصوصیات میں شاندار علمی تاریخ کا حامل رہا ہے، اسلامی خصوصیات کے دائرہ میں یہاں کے اہل علم نے ایک شاندار تاریخ بنائی ہے، بڑے جید اور ممتاز علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے علمی میدانوں میں درس وتدریس کے کاموں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے اہم علمی کارنامے انجام دیئے ہیں، ان کارناموں میں متعدد کام اپنے موضوع پر اعلی مقام رکھتے ہیں، اس طرح گجرات صدیوں تک علم وفن کا مرکز، ارباب ہنر کا گہوارہ، ارشاد وتلقین کا سرچشمہ اور اقتصادی ترقیات کے ساتھ ایک سرگرم تجارتی منڈی بھی رہا، روحانی اور مادی زندگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع کی گئی تھیں، بعض اعتبار سے ہندوستان کے قرون وسطی کی تاریخ میں اس کو پورے ملک میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور اسلام کے تعلق کے لحاظ سے ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا، جس کے سرسبز پہاڑوں پر سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہ پڑی تھی، ارض ہند سے عربوں کے تعلق کی ابتداء حقیقتاً اسی خطۂ زمین سے ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عربوں نے سواحل گجرات پر قدم رکھا۔

(صوبۂ گجرات فقہ، اصول فقہ اور فتاوی کا عہد بہ عہد ارتقاء: ۱-۱۸)

تاریخ حدیث سندھ و گجرات

سندھ پر عربوں کا پہلا حملہ صحابۂ کرام کے زمانے میں یعنی ۲۳ھ (۶۴۳ء) میں ہوا تھا لیکن اس پر مکمل فتح تابعین کے ابتدائی زمانے میں حاصل ہوئی، جب کہ علم حدیث ایک نئے ارتقائی دور میں داخل ہو چکا تھا۔ اس وقت تک اس بات کی کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی تھی کہ دنیا کے مختلف حصوں میں علماء کے پاس احادیث کا جو وسیع ذخیرہ منتشر حالت میں ہے، اس کو یکجا کر دیا جائے، اور اس ضمن میں حکومت نے بھی کوئی اقدام نہیں کیا تھا؛ لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیز (۹۹ تا ۱۰۱ھ) خلیفہ ہوئے تو حالات نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ عمر بن عبدالعزیز خود ایک ممتاز محدث تھے اور انہوں نے والیوں کے نام ایک حکم جاری کیا تھا جس میں علماء کو احادیث جمع اور مرتب کرنے پر توجہ دلائی گئی تھی جو وقت کی ایک اہم ترین ضرورت تھی۔ خلیفہ کی تفویض کردہ اس ذمہ داری نے علم حدیث میں ایک نئی روح پھونک دی اور علمائے دین و اساتذہ احادیث نبوی کو جو منتشر حالت میں تھیں یکجا اور مرتب کرنے میں منہمک ہو گئے۔

علم حدیث اپنی ترقی کے اسی دور میں سندھ میں داخل ہوا تھا؛ لیکن تیسری صدی ہجری کے اواخر میں منصورہ اور ملتان کی آزاد عرب ریاستوں کے قیام سے پہلے سندھ میں اس علم کو کوئی نمایاں ترقی نہیں ہو سکی۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری اور تیسری صدی میں جب کہ علم حدیث مدون کیا جا رہا تھا، سندھ دوسرے اسلامی ممالک کے ساتھ اس میدان میں گامزن نہ ہو سکا۔ تاہم علم حدیث کے اس ارتقائی دور میں سندھی قبائل سے تعلق رکھنے والے ذہین طالبان علم کی ایک جماعت نے جو عراق میں سکونت پذیر ہو گئی تھی اور ہندی اسیران جنگ نے جو اسلام قبول کر کے مسلمان ملکوں میں آباد ہو گئے تھے علم حدیث کی ترقی و اشاعت میں عملی حصہ لیا اور ان میں سے الاوزاعی (م ۱۵۷ھ) شام میں، نجیح السندی (م ۱۷۰ھ) مدینہ منورہ اور بغداد میں اور رجاء السندی (م ۲۲۳ھ) خراسان میں احادیث کے قدیم جامع اور مرتب کی حیثیت سے بہت ممتاز اور مشہور ہوئے۔

جب مذکورۂ بالا ہندی راویانِ حدیث بیرون ہند علم حدیث کی خدمت کر رہے تھے تو سندھ میں بھی منصورہ اور ملتان کے آزاد عرب حکمرانوں کی سرپرستی میں علم حدیث کے مراکز قائم ہو چکے تھے، جنہوں نے کئی اچھے محدث پیدا کیے اور علم حدیث میں مہارت و قابلیت حاصل کرنے کے لیے بہت سے طلباء کو بیرونی ممالک بھیجا۔ حقیقت یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں سندھی محدثین نے علم حدیث کی ترقی و اشاعت میں بڑی محنت و قابلیت کا ثبوت دیا۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی علمی سرگرمیاں مستقل طور پر اور زیادہ مدت تک جاری نہ رہ سکیں؛ کیوں کہ اس صدی کے آخر میں اسماعیلیوں نے ان ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ اس سیاسی انقلاب سے سندھ میں علم حدیث کو زبردست صدمہ پہنچا اور ہند میں حدیث کی تعلیم و اشاعت کا پہلا دور اچانک ختم ہو گیا۔

دوسرے دور کا آغاز سلطان محمود غزنوی (۳۸۸ تا ۴۲۱ھ) کی تخت نشینی سے ہوا جو شافعی تھے۔ سلطان محمود اور ان کے جانشینوں کے عہد میں لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا۔ لاہور کے محدثین میں امام صغانی (م ۶۵۰ھ) بھی تھے جو اپنے

زمانے کے ایک عظیم محدث اور ماہر لسانیات تھے۔ یہاں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ مشارق الانوار کے مصنف اور موجودہ شکل میں، اسلامی ممالک میں مقبول ومروج کتاب صحیح بخاری کے مرتب کی حیثیت سے صغانی کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

۶۰۲ / ۱۲۰۶ء میں سلطنت دہلی کے قیام سے علم حدیث ہند میں اپنی ترقی کے تیسرے دور میں داخل ہوا۔ ہند میں ترکوں کی حکومت کی ابتدائی صدیاں، بالخصوص ساتویں اور آٹھویں صدی فقہا کے عروج کا زمانہ تھیں جو قاضیوں کے فرائض منصبی ادا کرنے میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ انھوں نے ہند میں قائم شدہ نئی مسلم سلطنت میں علم حدیث کی تعلیم واشاعت پر کوئی توجہ نہ کی اور حدیث نبوی سے اپنی محبت کا کوئی ثبوت نہیں دیا؛ لیکن ہند میں علم حدیث کے اس مایوس کن دور میں شیخ زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ)، شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ)، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور سید علی ہمدانی (م ۷۸۶) جیسے نامور صوفی علماء نے خود علم حدیث کا مطالعہ کیا اور خانقاہوں میں اپنے مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دی۔ چنانچہ علم حدیث سے ان بزرگوں کی محبت و انہماک کی بدولت آٹھویں صدی ہجری میں شمالی ہند کی بعض خانقاہوں میں صحاح ستہ کی تعلیم مقبول ومروج ہوگئی۔

یہ امر واقعہ ہے کہ ہند کے ثقافتی روابط جب تک وسطی ایشیا کے ممالک تک محدود رہے، علم حدیث کو ہند میں کوئی نمایاں ترقی حاصل نہیں ہوسکی؛ کیوں کہ وسطی ایشیا کے ممالک بالخصوص ماوراء النہر، خراسان اور عراق فقہ اور معقولات کے مرکز تھے۔ اور چونکہ ہند کو وسطی ایشیا کی فوجوں نے فتح کیا تھا، اس لیے ہند پر ان ملکوں کے علماء ومفکرین کا گہرا اثر پڑا۔ مزید برآں شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے کرنے کے لیے ہند میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی سلطنت میں فقہا کی تو بہت مانگ تھی، مگر محدثین کے لیے ایسے مواقع نہ تھے، چنانچہ فقہا کے لیے تو ہند بڑی ترغیب وکشش رکھتا تھا لیکن محدثین کے لیے اس میں کوئی کشش نہ تھی۔ یہی سبب ہے کہ شروع ہی میں دہلی میں وسطی ایشیا کے فقہا کا ہجوم ہوگیا۔ لیکن عبد العزیز اردبیلی کے سوا کوئی قابل ذکر محدث ہند میں علم حدیث کی نشاۃِ ثانیہ سے قبل کے دور میں نقل وطن کر کے نہیں آیا۔

ہند میں علم حدیث کا چوتھا دور جسے ہم نے اس علم کے احیاء کا دور قرار دیا ہے، نویں صدی ہجری کی ابتداء میں شروع ہوا، جب دکن میں بہمنی اور گجرات میں مظفر شاہی دو آزاد مسلم سلطنتیں قائم ہوگئیں اور بحری راستے کھل جانے کی وجہ سے ہند اور عرب کے درمیان ثقافتی تعلقات کا آغاز ہوگیا۔ اس طرح چار صدیوں کے طویل وقفہ کے بعد عرب سے ہند کے علمی روابط کی تجدید ہوگئی جو سندھ پر اسماعیلیوں کا قبضہ ہوجانے کی وجہ سے معطل ہوگئے تھے۔ چنانچہ حجاز اور مصر سے محدثین کی آمد کے باعث دسویں صدی کے وسط تک ہند میں علم حدیث کی بہت وسیع اشاعت ہوئی اور اس سے غیر معمولی اور حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔ اب ہندی محدثین معلم، مترجم اور مرتب کی حیثیت سے ہند اور حجاز میں بیک وقت علم حدیث کی خدمت کرنے لگے اور یہ صورت حال تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں دیوبند میں دار العلوم اور سہارن پور میں مظاہر العلوم کے قیام تک برقرار رہی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دار العلوم اور مظاہر العلوم کے مدرسوں کے قیام سے ہند میں حدیث کی تعلیم واشاعت کے ترقی پذیر دور جدید کا آغاز ہوگیا۔ اب تک اسلامی ہند میں کوئی ایسا مرکزی ادارہ نہ تھا، جہاں

علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی اس لیے ہندی طلباء اس علم میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کے لیے حجاز جایا کرتے تھے؛ لیکن ان دو بڑے اداروں نے ہندی مسلمانوں کی ایک ایسی ضرورت پوری کر دی جو بہت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی اور تحصیل علم حدیث کے معاملے میں وہ خود مکتفی ہو گئے ہیں۔(علم حدیث میں براعظم پاک وہند کا حصہ از ڈاکٹر محمد اسحاق، ص: ۱۲-۱۵)

اسماعیلی قبضہ اور اس کے نتائج:

چوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف میں ملتان اور منصورہ کی ریاستوں پر اسماعیلیوں کا غاصبانہ قبضہ ہو گیا۔ یہ محض سیاسی تبدیلی نہ تھی بلکہ سندھ میں سنیوں کی زندگی اور ان کے مذہب پر اس کے بہت دُوررس اثرات پڑے۔ اسماعیلی یہ تہیہ کیے ہوئے تھے کہ وہ ان ریاستوں میں نہ صرف سنیوں کی حکومت کو بلکہ ان کے مذہب اور ثقافت کو بھی تباہ کر دیں گے۔ اس ایک واقعہ سے کہ اسماعیلیوں نے ملتان کی جامع مسجد بند کر دی تھی۔ یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ سنی جن چیزوں کو عزیز رکھتے تھے، ان کو تباہ کر دینے میں اسماعیلی کس حد تک جا سکتے تھے۔ چنانچہ سنیوں کے وہ مذہبی ادارے جو ان کے عالموں اور حکمرانوں کی محنت و کوشش اور سرپرستی کے باعث قائم ہوئے اور بڑھے تھے، بالکل تباہ ہو گئے۔ اسماعیلیوں کے قبضے کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنی عربوں نے صدیوں کی حکومت کے دوران میں جو کچھ تعمیری کام سندھ میں کیے تھے، وہ سب برباد ہو گئے۔

ان حالات میں علم حدیث کو جو سنیوں کی فقہ کا سرچشمہ ہے، بہت نقصان پہنچا۔ اسماعیلیوں کے عہد میں سنی علماء کے لیے سندھ کی فضا سازگار نہیں رہی تھی۔ اور یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یا تو محدثین کو ملک چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا گیا ہوگا، یا اُنہوں نے اپنی علمی سرگرمیوں کو جو انہیں بہت عزیز تھیں، ملتوی کر دیا ہوگا۔

نامور فاتح سلطان محمود غزنوی (۳۸۸ تا ۴۲۱ھ/ ۹۹۸ تا ۱۰۳۰ء) سنی تھے اور وہ اسماعیلیوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے انہیں اس علاقے سے نکال دینے میں کامیاب ہوئے۔ مگر سندھ کی گزشتہ تہذیبی عظمت کو بحال کرنے سے قبل ہی ان کی فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اور وہ بڑے پیمانے پر اس گروہ کو ختم نہ کر سکے جو مقامی باشندوں میں بڑی شدت سے پروپیگنڈا کر رہا تھا اور جسے آخر کار ہندیوں اور عربوں کی مخلوط نسل کے ایک طاقتور قبیلے کو اپنا ہم عقیدہ بنانے میں کامیابی ہوئی۔ یہ قبیلہ تاریخ میں سمرا کے نام سے مشہور ہوا۔ ۴۴۳ھ/ ۱۰۵۱ء میں سمراؤں نے سلطان محمود کے کمزور جانشینوں سے زیریں سندھ کا علاقہ چھین لیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کر دی۔ اس طرح اسماعیلیوں نے کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کر لیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس یہ اقتدار ۷۵۲ھ/ ۱۳۵۱ء تک رہا، اگرچہ اس دوران میں سلطان معزالدین محمد غوری (۵۷۰ھ تا ۶۰۲ / ۱۱۷۴ تا ۱۳۰۵ء) نے یہ علاقہ فتح کر لیا اور سلطان کا نائب ناصرالدین قباچہ اس پر حکومت کرنے لگا تاہم اس پر سلطنت دہلی کا موثر اقتدار قائم نہ ہو سکا اور حقیقی اقتدار اب بھی سمراؤں کے ہاتھ رہا۔ چوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں اس حصہ پر اسماعیلیوں کی حکومت کے قیام سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک زیریں سندھ میں اسماعیلیوں کا اثر کسی نہ کسی شکل میں مسلسل باقی رہا۔ سندھ پر سنی عربوں کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد جو حالات رونما

ہوئے ان میں عرب ممالک اور بالخصوص حجاز میں واقع علم حدیث کا احیاء کرنے میں بھی تاخیر ہوگئی اور نویں صدی ہجری میں دکن میں بہمنی سلطنت اور گجرات میں مظفر شاہی سلطنت کے قیام کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا۔ اس دوران میں علم حدیث کی مدھم سی روشنی شمالی ہند میں نظر آنے لگی جہاں مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ ہی وسط ایشیاء کے علماء کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ (علم حدیث میں براعظم پاک و ہند کا حصہ از ڈاکٹر محمد اسحاق، ص:۵۶-۵۸)

دکن و گجرات کے فرماں رواں کی حدیث دوستی:

آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں دکن میں بہمنی سلطنت اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں گجرات میں مظفر شاہی سلطنت کے قیام سے ان علاقوں میں علم حدیث کی ترویج و ترقی کے ہزار سالہ دور کا آغاز ہوا۔ اور پھر یہاں سے علم حدیث ترقی کر کے شمالی ہند میں بھی پھیلنے لگا۔ ان ہمسایہ مسلم سلطنتوں کے اقتدار کے ۱۸۰ سال در حقیقت علمی اور ثقافتی ترقی کا شاندار دور ثابت ہوئے۔ ان دونوں سلطنتوں کے روشن خیال اور شائستہ فرماں رواؤں نے اپنے ملک میں علوم و فنون کو فروغ دینے کے لیے حیرت انگیز جوش و انہماک کا مظاہرہ کیا۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے، انہوں نے دور و نزدیک تمام ملکوں کے علماء کو اپنے دارالسلطنت آنے کی دعوت دی اور نہایت فیاضی سے ان کی سرپرستی کی۔ ہند میں مسلمانوں کے جو خاندان حکمراں ہوئے، ان میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ/ ۱۳۹۷ تا ۱۴۲۲ء) اور مظفر شاہ ثانی فرمانروائے گجرات (۹۱۷ تا ۹۳۲ھ/ ۱۵۱۱ تا ۱۵۲۵ء) جیسے اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے حکمران چند ہی ہوئے ہیں۔ فیروز شاہ بہمنی کئی زبانوں کا ماہر تھا۔ اور وہ ہر سال گووا اور چول کی بندرگاہ سے مختلف بحری جہاز بھیجتا تھا، خاص اس مقصد کے لیے کہ مشہور و ممتاز علماء کو دعوت دے کر اس کے دربار میں لایا جائے۔ مظفر شاہ ثانی نے علمی ترقی کے لیے بڑے جوش و انہماک کا ثبوت دیا، اور ایران، عرب اور ترکی سے عالم و ادیب اس روشن خیال حکمران کے عہد میں گجرات آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ نہ صرف سلاطین بلکہ متعدد وزیر بھی تعلیم کے ماہر اور علوم کے سرپرست کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان میں دکن کے محمود گاوان اور گجرات کے آصف خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں محدث اور عالم تھے، اور اپنے دشوار سرکاری فرائض سے گراں بار ہونے کے باوجود انہوں نے علمی کاموں میں بڑے جوش و خلوص کے ساتھ حصہ لیا۔ اور اپنی آمدنی کا کثیر حصہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں غریب اور مفلوک الحال اہلِ علم کی پرورش پر صرف کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بہمنیوں کے عہد میں دکن اور مظفر شاہیوں کے عہد میں گجرات سرپرستی کے خواہاں عالموں، ادیبوں، شاعروں اور صاحب کمال لوگوں کا مرجع بن گئے تھے۔ چنانچہ حجاز اور مصر کے محدثین ان دونوں سلطنتوں میں جمع ہونے لگے۔ کثیر تعداد میں محدثین کی آمد کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان حکمرانوں نے حدیث اور سنت رسول سے گہری محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ اور دوسرا یہ کہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے اب تک جس طویل اور خطرناک برّی راستے سے سفر کیا جاتا تھا، اس کے بجائے حاجیوں کے لیے بحیرۂ عرب میں سفر کرنے کا ایک سہولت بخش راستہ کھول دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلطان کے حکم سے حج کے موسم

میں جنوبی ہند اور بالخصوص گجرات کی بندرگاہوں سے جنہیں بابِ مکہ کہا جانے لگا تھا، باقاعدہ طور پر جہاز چلانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جنوبی ہند کی بندرگاہوں سے عربوں کی تجارت طویل مدت سے جاری تھی۔ اب اس میں مزید اضافہ ہو گیا، اور عرب کے ساتھ جو قریبی روابط قائم ہوئے اور مذکورہ بالا خاندانوں کے سلاطین نے محدثین کی جو فیاضانہ سرپرستی کی، اس سے ہند میں علم حدیث کی اشاعت میں بہت مدد ملی۔ (علم حدیث میں براعظم پاک وہند کا حصہ از ڈاکٹر محمد اسحاق، ص: ۹۹، ۱۰۰)

مکاتب محدثین جن کے ذریعہ گجرات میں علم حدیث کی اشاعت ہوئی

نویں صدی ہجری کے اول ربع میں جب کہ ہند میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ہو رہا تھا، عالم اسلام کے ایک عظیم ترین محدث ابن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ) کی قیادت میں ایک نیا مکتب محدثین مصر میں قائم ہو گیا تھا۔ اس مکتب نے من جملہ اور لوگوں کے اپنے زمانے کے دو نہایت ممتاز محدث عبدالرحمن السخاوی (۸۳۱-۹۰۳ھ) اور زین الدین زکریا الانصاری (۸۲۶-۹۲۵ھ) پیدا کیے۔ ان میں سے سخاوی نے حرمین کو اور انصاری نے قاہرہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ زکریا انصاری کے شاگرد رشید ابن حجر الہیتمی (۹۰۹-۹۷۴ھ) نے علم حدیث کے ایک مرکز کی حیثیت سے مکہ معظّمہ کی شہرت میں بہت اضافہ کیا۔ اس طرح نویں صدی ہجری کے اول ربع سے لے کر دسویں صدی ہجری کے تیسرے ربع تک مصر اور حرمین میں محدثین کے چار مکاتب یکے بعد دیگرے برسرِ عمل رہے، اور یہ ہند میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنے۔

مصر: علم حدیث کا گہوارہ اور اشاعت حدیث کا مرکز:

ان مکاتب حدیث کے بانیوں کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں مصر علم حدیث کا مرکز اور بڑے بڑے محدثین کا گہوارہ تھا۔ اوپر جن ممتاز محدثین کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے علاوہ السیوطی (م ۹۱۱ھ) اور القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہند میں جن محدثین نے علم حدیث کی اشاعت کی اُن میں سے اکثر یا تو مصری تھے یا مصری محدثین کے شاگرد تھے۔ تاہم عرب علم حدیث کا ترسیلی مرکز بنا رہا، جہاں سے ہند میں اس کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عرب اور ہند کئی طریقوں سے باہم مربوط تھے اور عرب کے محدثین ہند کے محدثین سے بخوبی واقف ہو گئے۔ چنانچہ العسقلانی اور الانصاری کے مصری مکاتب حدیث ہند میں وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے جو سخاوی اور الہیتمی کے حجازی مکاتب حدیث کو حاصل ہوئی۔ ہند میں علم حدیث کی اشاعت میں عرب کا جو حصہ ہے، اس کی اہمیت کم کیے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہند میں علم حدیث کو جو فروغ ہوا، وہ مصری محدثین کی کوششوں کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔

گجرات میں محدثین کی آمد اور سکونت:

مذکورۂ بالا چار مکاتب حدیث سے تعلق رکھنے والے محدثین کے ہند آنے اور یہاں سکونت اختیار کرلینے کے بیان سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر بدرالدمامینی اور نورالدین شیرازی کا بھی ذکر کردیا جائے جو سب سے پہلے ترک وطن کر کے ہند آئے تھے۔

بدرالدین الدمامینی (۷۶۳ تا ۸۲۷ھ/ ۱۳۶۱ تا ۱۴۲۴ء):

بدرالدین محمد بن ابی بکر المخزومی الاسکندری المالکی الدمامینی ماہ شعبان ۸۲۰ھ/ستمبر ۱۴۱۷ء میں سلطان احمد بن مظفر شاہ (۸۱۴ تا ۸۴۳ / ۱۴۱۱ تا ۱۴۴۳ء) کے عہد حکومت میں گجرات آئے تھے۔ ہند آنے سے کچھ قبل وہ یمن کی جامع زبید میں اُستاد تھے۔ یہاں انہوں نے مصابیح الجامع کے نام سے صحیح بخاری کی ایک شرح لکھی تھی، یہ شرح اب شاندار طباعت کے ساتھ چھپ چکی ہے اور دارالعلوم ماٹلی والا کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ زبید میں سکونت ترک کرنے سے قبل ہی انہوں نے یہ کتاب احمد شاہ کے نام معنون کی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ الدمامینی سلطان کی علم دوستی وسرپرستی سے بہت متأثر ہوئے تھے۔ (مولانا عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، یادایام، ص:۳۶) گجرات میں الدمامینی نے تعلیق الفرائض، تحفۃ الغریب شرح المغنی اللبیب اور عین الحیات فی خلاصۃ حیات الحیوان از دمیری، قلم بند کیں اور ان سب کا انتساب اپنے سرپرست احمد شاہ کے نام کیا۔ اس زمانے میں دکن میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ ۱۳۹۷ / ۱۴۲۲ء) اور اس کا جانشین احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ تا ۸۳۸ھ/ ۱۴۳۲ تا ۱۴۳۴ء) علم کے دونامور سرپرست حکمران ہوئے تھے۔ احمد شاہ بہمنی علم وتقوی کا بڑا قدردان تھا اور اسی وجہ سے الدمامینی نے بہمنیوں کے دارالسلطنت گلبرگہ کا رخ کیا، اور زندگی کے آخری ایام وہیں بسر کیے۔ شعبان ۸۲۷ھ/ جولائی ۱۴۲۴ء میں الدمامینی نے وفات پائی۔

بدرالدین الدمامینی ۷۶۳ھ/ ۱۳۶۱ء میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے دادا البہاء الدمامینی، اپنے نامور عزیز ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) اور قاہرہ اور مکہ معظّمہ کے چند اور اساتذہ سے تحصیل علم کے بعد جامع الازہر میں کئی سال تک مدرس رہے۔ وہ عربی لغت اور صرف ونحو پر سند مانے جاتے تھے۔ (علامہ سخاوی، الضوء اللامع) اور السیوطی نے اپنی تصنیف بغیۃ الوعاۃ میں اسی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے علم حدیث پر بھی چند کتابیں لکھی تھیں۔ اُن کی مصابیح الجامع جس کا ایک قلمی نسخہ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے۔ زیادہ تر صحیح البخاری کے متن میں صرف ونحو کی دقتوں کے بارے میں ہے۔ اس موضوع پر ان کی دو اور کتابیں ہیں۔ الفتح الربانی اور تعلیق المصابیح، ان میں سے اول الذکر کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہے (کتاب کا پورا نام تعلیق المصابیح علی ابواب جامع الصحیح، صدیق حسن، اتحاف النبلاء، ص ۴۱۔) اور دوسری کتاب عرب میں صاحب بن محمد (م ۱۲۱۸ھ) کے زمانے تک موجود تھی۔ یہ مدینہ کے ایک محدث تھے اور فلانی کے نام سے معروف ہیں۔

(علم حدیث میں براعظم پاک وہند کا حصہ)

محمد بن أبی بکر الدمامینی الشیخ المحدث المعروف بابن الدمامینی. (م: ۸۲۷ھ)

ولد بها بالاسكندرية سنة ۷٦۳ھ وسمع بها من بهاء الدين بن الدمامينى وعبدالوهاب القروى بالإسكندرية، وكذا بالقاهرة من السراج ابن ملقن. (الإعلام: ۸٦/۳)

- محی الدین عبدالوهاب بن محمد المعروف بالقروی الإسکندري. (۷۰۲-۷۸۸، الدرر الكامنه: ۲۳۹/۳)

وسمع من عبدالرحمن بن مخلوف ابن جماعة بالإسكندرية والجلال الشريشى، ومن الركن عمر العتبى، وإبراهيم ابن الغراقى، وأجازله الرضى الطبرى، ثم حج فسمع منه الثانى من حديث سعدان ومسلسلات ابن شاذان... وحدث بالكثير ببلده، سمع منه جماعة من شيوخنا، منهم الشيخ سراج الدين ابن الملقن.

- ابراهيم بن محمد بن ابراهيم القدوة الإمام رضى الدين أبواسحاق الطبرى ثم المكى الشافعى. (٦۳٦-۷۲۲ھ)

وطلب الحديث وسمع ونسخ الأجزاء، وطال عمره وبَعُد صيته، وانفرد بأشياء عن ابن الجميزى، وابن أبى حرمى والمرسى، وروى الكثير، وحدث أزيد من خمسين سنة. (معجم الشيوخ، المعجم الكبير للذهبى: ۱۵۰/۱)

- عبدالرحمن بن فتوح بن بنين بن عبدالرحمن بن عبدالجبار بن محمد المكى... المعروف بابن أبى حرمى. (۵۴۰-٦۴۵) (العقد الثمين: ۵۱/۵)

سمع بمكة من أبى الحسن على بن حميد بن عمار أبو الحسن الطرابلسى: صحيح البخارى.... آخر أصحابه الرضى الطبرى.

سمع -وهو شاب- صحيح البخارى من طريق أبى ذر على المقرئ على بن عمار بسماعه من أبى مكتوم بن أبى ذر... وأجازله السلفى. (سير أعلام النبلاء: ۲٦۹/۲۳، القبقة: ۳۴)

- على بن حميد بن عمار الطرابلسى أبو الحسن المكى. (۵۷٦م) (العقد الثمين: ۲۵۰/۵، سير أعلام النبلاء: ۲۳۹/۱۵)

سمع صحيح البخارى من أبى مكتوم عيسىٰ بن أبى ذر الهروى، وتفردبه عنه، ورواه عنه جماعة، آخرهم "عبدالرحمن بن أبى حرمى".

- الشيخ العالم الصدوق أبو مكتوم عيسىٰ بن الحافظ الكبير أبى ذر عبد بن أحمد الأنصارى الهروى

ثم السروی.(۴۱۵-۴۹۷ھ)

سمع من أبیه شیئا کثیراً، ومن محمد بن الحسین الصغانی وغیرواحد. (والسلفی بالإجازة) (سیر أعلام النبلاء: ۱۸۵/۱۴)

أبو ذر عبد بن أحمد بن محمد بن عبد الله بن غفیر الأنصاری الهروی، یعرف بابن السماك الأنصاری (۳۵۵-۴۳۴ھ).

روی ابو ذر الهروی الصحیح عن ثلاثة:

(۱) أبو اسحاق ابراهیم بن أحمد المستملی (۳۷۶ھ ببلخ ۳۷۴ھ).

(۲) ابو محمد عبد الله السرخسی الحموی (۳۸۱ھ بهراة (۳۷۳).

(۳) ابو الهیثم الکشمیهنی (۳۸۹ھ) بکشمیهن.

وسمع أبا الفضل بن خمیرویة، وبشر بن محمد المزنی، وأبابکر هلال بن محمد بن محمد، وشیبان بن محمد الضبعی بالبصرة، وأبا الفضل وأبا الحسن الدارقطنی... وکثیرون۔ (روایات الجامع الصحیح ونسخة دراسة نظریة تطبیقیة - جمعة فتحی: ۳۶۸/۱، تذکرة الحفاظ الذهبی: ۲۰۱/۳)

- أبو اسحاق المستملی، أبو محمد السرخسی الحمویی، ابو الهیثم الکشمیهنی. (المرجع السابق)

- أبو عبد الله محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری.

- محمد بن اسمعیل البخاری. (الأربعون علی الطبقات لعلی بن المفضل المقدسی ص: ۴۷۸، النکت علی صحیح البخاری لابن حجر عسقلانی: ۲۱/۱)

ابن الدمامینی کی سند

(۱) محمد بن ابوبکر الدمامینی (ابن الدمامینی) (۷۶۳-۸۲۷)

محی الدین عبد الوهاب بن محمد المعروف بالقروی الإسکندری (۷۰۲-۷۸۸)

ابراهیم بن محمد بن ابراهیم رضی الدین أبو اسحاق الطبری. (۶۳۶-۷۲۲)

عبد الرحمن بن فتوح المعروف بابن ابی حرمی (۵۴۰-۶۴۵)

علی بن حمید بن عمار الطرابلسی أبو الحسن المکی (۵۷۵م)

ابو مکتوم عیسیٰ بن أبی ذر الهروی (۴۱۵-۴۹۷)

والده ابو ذر عبد بن أحمد بن محمد بن عبد الله الأنصاری الهروی المعروف بابن السماك (۳۵۵، ۵۶-۴۳۴)

أبو اسحاق ابراهيم بن أحمد المستملی (۳۷۴) وابومحمد عبدالله السرخسی الحمويي (۳۸۳) وأبو الهيثم الكشميهنی (۳۸۹)

أبو عبدالله محمد بن يوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری (۲۳۱-۳۲۰)

محمد بن إسماعيل البخاری. (۱۹۴-۲۵۶)

(۲) ابوذر ہروی کا دوسرا طریق:

رواه أبو ذر الهروی، حدثنا أبو اسحاق المستملی، ثنا الفربری، ثنا علی بن خشرم عن سفيان عن عمرو بن دينار، قال: أخبرنی سعيد بن جبير، قال: قلت لإبن عباس: إن نوفا البكالی يزعم أن موسیٰ صاحب خضر ليس هو موسی بنی اسرائيل، إنما موسی هو آخر... [التوضيح لشرح الجامع الصحيح-ابن ملقن: ۱۹/ ۲۶۶]

(۳) ابوذر ہروی کا تیسرا طریق:

حدثنا أبو ذر عبد بن أحمد الهروی قال حدثنا ابو الفضل محمد بن عبدالله بن خميرويه غير مرة، وأخبرنا البرقانی، قال: أخبرنا ابن خميرويه، قال: أخبرنا أبو الحسن علی بن محمد بن عيسیٰ الخزاعی، قال: حدثنا ابو اليمان، قال: أخبرنی شعيب عن الزهری، قال: حدثنی أبو سلمة أن أبا هريرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: لكل نبی دعوة... (تاريخ بغداد، بتحقيق بشار عواد-الخطيب البغدادی: ۱۲/ ۲۹۶)

- ابن ابی حرمی کے دوسرے شیخ: أبو طاهر السِلفی "كتاب الجامع الصحيح" من طريق أبی مكتوم عن أبيه عن أبی محمد الحموی، وأبی إسحاق المستملی، وأبی الهيثم الكشميهنی عن الفربری عن البخاری روایت کرتے ہیں۔ [الأربعون علی الطبقات: ۴۷۸]

ابوالفتوح نورالدین احمد بن عبداللہ شیرازی الطاووسی
(۷۹۰ھ-۸۷۱ھ)

ابوالفتوح نورالدین فارس میں بمقام ابرقوہ پیدا ہوئے تھے۔اوروہاں کی درگاہ طاؤس الحرمین سے نسبت کی بناء پر طاووسی کہے جاتے تھے۔وہ غالباً احمد شاہ (۸۱۴ تا ۸۴۴/ ۱۴۱۱ تا ۱۴۳۳ء) کے عہد حکومت میں گجرات آئے تھے۔نورالدین، مجدالدین فیروزآبادی (م ۸۱۷) شمس الدین الجزری (م ۸۲۲ھ) اور بابا یوسف الہروی کے شاگرد تھے۔مؤخرالذکر سے انہوں نے صحیح بخاری کا درس لیا تھا اور اُن سے سند عالی حاصل کی تھی۔اسے سند عالی اس لیے کہا جاتا تھا کہ ہروی اور بخاری کے درمیان راویوں کی تعداد ہروی کے کسی اور ہم عصر اور امام بخاری کے درمیان راویوں کی تعداد سے کم تھی۔ (عبدالحی حسنی، نزهة الخواطر، ج ۳، تذکرہ احمد بن عبداللہ شیرازی، علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ: ص: ۱۰۵) ابوالفتوح نورالدین نے مشکوۃ المصابیح کا درس شرف الدین عبدالرحیم سے اور اُنہوں نے امام الدین سے لیا تھا جو مشہور مصنف الخطیب التبریزی (م ۷۴۳ھ) کے شاگرد تھے۔

سند عالی یہ ہے: شیخ قطب الدین نہروالی کی سند محدثین کے درمیان بہت عالی سمجھی جاتی تھی، وہ نورالدین شیرازی

کی یہ سند ہے۔

الشيخ المحدث مفتي مكة المكرمة قطب الدين محمد بن أحمد النهروالي عن والده الشيخ المحدث علاء الدين أحمد بن محمد النهروالي عن الشيخ نور الدين أحمد بن عبد الله بن أبي الفتوح الطاووسي عن الشيخ المعمر بابا يوسف الهروي المعروف بسيصد سالة (معناه المعمر ۳۰۰سنة) عن المعمر محمد بن شادبخت الفرغاني الفارسي عن المعمر أبي لقمان يحي بن عمار بن مقبل بن شاهان الختلاني عن الشيخ محمد بن يوسف الفربري عن الامام البخاري.

وفي هذا السند عللٌ كثيرة.

۱ - التفرد: هذا السند تفرد به المسند الطاووسي، ولم يشاركه فيه أحد.

۲ - الجهالة لمن هم فوق الطاووسي، وهم: بابا يوسف الهروي، ومحمد.

۳ - السند أكثره بالإجازة العامة لأهل العصر. (أرشيف ملتقى أهل الحديث: ۲۸۶/۴۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)
کے مکتب حدیث سے تعلق رکھنے والے محدثین

۱۔ یحییٰ بن عبدالرحمن بن ابی الخیر الہاشمی الشافعی (۷۸۹ تا ۸۴۳ھ/ ۱۲۸۸ تا ۱۳۳۹ء)

ان کا تعلق محدثین مکہ کے ایک خاندان سے تھا، جو اپنی قبیلوی نسبت سے ابن فہد کہے جاتے تھے۔ یحییٰ ابن عبدالرحمن ۸۳۰ھ/ ۲۷-۱۴۲۲ء میں کھمبایت آئے تھے اور وہاں قیام کرنے کے بعد گلبرگہ چلے گئے تاکہ احمد شاہ بہمنی اول کی سرپرستی سے فیض یاب ہوں۔ انہوں نے جمادی الثانی یا رجب ۸۴۳ھ/ نومبر یا دسمبر ۱۴۳۹ء میں جنوبی برار میں بمقام مہر وفات پائی۔

ابن فہد نے علم حدیث ابن حجر العسقلانی اور مصر، مکہ اور مدینہ کے دوسرے ہم عصر شیوخ سے حاصل کیا۔ زین العابدین العراقی (م ۸۰۶ھ) اور نورالدین الہیثمی (م ۸۰۷ھ) نے ان کو حدیث کا درس دینے کا اجازت نامہ دیا تھا۔

علامہ عبدالرحمن السخاوی (م ۹۰۲ھ)
کے مکتب حدیث سے تعلق رکھنے والے محدثین

عمر بن محمد دمشقی نزیل الکنبایت (۸۲۹ تا ۹۰۰ھ/ ۱۴۲۵ تا ۱۴۹۴ء): عمر بن محمد دمشق میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ السخاوی کے ہم مکتب بھی تھے اور شاگرد بھی۔ شوال ۸۵۳ھ/ نومبر ۱۹۴۹ء میں انہوں نے قاہرہ میں ایک خاتون محدث سارہ بنت جماعہ (م ۸۵۵ھ) سے طبرانی کی معجم الکبیر کا درس لیا۔ ۸۵۷ھ/ ۱۴۵۳ء میں تاجر کی حیثیت سے کھمبایت آئے۔ اور کچھ عرصہ بعد وہاں کی حکومت نے ان کو شافعیوں کا قاضی مقرر کر دیا۔ صوبہ دار کھمبایت کے نمائندہ کی حیثیت سے قاہرہ جاتے ہوئے، انہوں نے ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء کے موسم سرما میں اپنا سفر منقطع کر دیا، اور مکہ معظّمہ میں قیام کر کے ایک سال تک

السخاوی سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد قاہرہ گئے اور وہ کام انجام دیا جس کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا۔ ہند واپس جانے سے قبل انہوں نے پھر احادیث سماعت کیں اور السخاوی سے جو ان دنوں اتفاقاً وہاں موجود تھے، اجازہ حاصل کیا۔ عمر بن محمد نے کھمبایت میں مستقل سکونت اختیار کر لی، اور اسی وجہ سے نزیل کنبایت (علامہ سخاوی، الضوء اللامع، ج ۱۰، ص: ۱۴۵) کہے جانے لگے۔ ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہے۔

وجیہہ الدین محمد المالکی
(۸۵۶ تا ۹۱۹ھ/ ۱۴۵۲ تا ۱۵۱۳ء)

وجیہہ الدین کا تعلق مصر کے مالکی فقہا کے ایک خاندان سے تھا۔ وہ ۶ شعبان ۸۵۶ھ (اگست ۱۴۵۲ء) کو پیدا ہوئے، اور اپنے والد محمد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ محمد فقیہ تھے اور انہیں ابن حجر کے ساتھ مطالعۂ حدیث کرنے کا شرف حاصل تھا۔ ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں وہ مکہ معظّمہ میں السخاوی کے مکتب میں شریک ہوئے اور علم حدیث کے مطالعہ میں کافی عرصہ تک مصروف رہے۔ پھر وہ یمن میں مدرسۂ زبیلع میں حدیث کا درس دینے لگے، اس کے بعد یمن سے احمد آباد جانے کے لیے کھمبایت کے سفر پر روانہ ہوئے۔ گجرات سے انہوں نے اپنے دوستوں کے نام جو خطوط لکھے، اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء سے قبل گجرات پہنچ گئے تھے۔

صوبہ دار کھمبایت کے ایماء پر وجیہہ الدین نے حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ منجملہ دوسری کتابوں کے وہ قاضی عیاض کی شفا بھی پڑھاتے تھے۔ بہت جلد ان کا نام دور ونزدیک مشہور ہو گیا۔ اور ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان محمود اول (۸۶۳ تا ۹۱۷ھ/ ۱۴۵۷ تا ۱۵۱۱ء) نے ان کو ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا۔ اس کے علاوہ سلطان نے ان کو محاصلِ سلطنت کا افسرِ اعلیٰ مقرر کر دیا، اور بڑی فیاضی سے ان پر انعام واکرام کی بارش کی۔

اپنے سرکاری فرائض میں بہت مصروف رہنے کے باوجود وجیہہ الدین علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ اس موضوع پر کتابیں مرتب کرنے کے لیے انہوں نے معقول معاوضہ دے کر ماہرین کا تقرر کیا تھا۔ چنانچہ مکہ کے ایک محدث جار اللہ بن فہد نے وجیہہ الدین کے لیے فتح المبین کے نام سے ایک اربعین مرتب کی تھی جس کی ہم عصر علماء نے بہت تعریف کی۔ ان کو علم حدیث سے اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ وہ ہمیشہ اس موضوع پر نئی کتابوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ چنانچہ ابن حجر کی فتح الباری، جو صحیح بخاری کی ایک مشہور شرح ہے، جوں ہی اشاعت کے لیے تیار ہوئی وجیہہ الدین نے اس کا ایک نسخہ اپنے لیے حاصل کر لیا، اور پھر اسے اپنے دوست مخاطب علی خاں کو جو گجرات کا ایک امیر تھا، پیش کر دیا۔ مخاطب علی نے یہ نسخہ سلطان مظفر شاہ (۹۱۷ تا ۹۳۲ھ/ ۱۵۱۱ تا ۱۵۲۵ء) کے کتب خانہ کے لیے بھیج دیا۔ اس تحفہ سے سلطان اس قدر خوش ہوا کہ اس نے مخاطب علی کو بھروچ بطور جاگیر عطا کر دیا۔ وجیہ الدین نے ۹۱۰ھ/ ۱۵۱۳ء کو احمد آباد میں وفات پائی۔

جمال الدین محمد بن عمر حضرمی
(۸۶۹ تا ۹۳۰ھ/ ۱۴۶۴ تا ۱۵۲۴ء)

جمال الدین جو بحرق کے نام سے معروف تھے، ۹۲۸ھ/ ۱۸۲۲ء میں گجرات آئے۔ وہ محدث بھی تھے اور شافعی فقیہ بھی۔ جمال الدین گجرات کے حکمران سلطان مظفر ثانی کے استاد کی حیثیت سے مشہور ہوئے جس نے ان سے حدیث کا درس لیا تھا۔ مظفر شاہ کے دربار میں ان کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے امراء ان سے حسد کرنے لگے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۰ شعبان ۹۳۰ھ (جون ۱۵۲۴ء) کی شب کو انہیں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

جمال الدین ۸۶۹ھ/ ۱۴۶۴ء میں حضر موت میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک جید عالم تھے۔ ۸۹۴ھ/ ۱۴۸۹ء کے موسم حج میں ان کی ملاقات السخاوی سے ہوئی جن سے انہوں نے علم حدیث کی تکمیل کی جس کا درس وہ زبید میں محمد الصائغ اور محمد بن عبد اللطیف المشرجی سے کر چکے تھے۔ جمال الدین نے المنذری کی الترغیب والترھیب کا خلاصہ التقریب والتھذیب کے نام سے لکھا تھا، جس کا ایک مخطوطہ رام پور کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے۔

علی بن عبد اللہ کھمبایتی

یہ علامہ سخاوی کے شاگرد ہیں، ان کا زمانہ آٹھویں اور نوویں صدی کے درمیان کا ہے، ان کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

قال السخاوي: عَليّ بن عبد الله بن يُوسُف الكمبايتي الفيلي خَادِم الشلح. مِمَّن سمع مني بِمَكَّة.

(الضوء اللامع لأهل القرن التاسع: ۵/ ۲۵۴)

عمر بن بہاؤ الدین کھمبایتی

ان کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے، البتہ علامہ سخاوی نے اپنے شاگردوں میں ان کا شمار کیا ہے، انہوں نے مکہ مکرمہ میں ان سے درس حدیث لیا تھا۔

قال السخاوي: عمر بن بهاء الدّين سُلَيْمَان الكنبايتي، مِمَّن سمع مني بِمَكَّة.

(الضوء اللامع لأهل القرن التاسع: ۶/ ۱۴۵)

مسعود بن احمد کھمبایتی

یہ علامہ سخاوی کے شاگرد ہیں، مدینہ منورہ میں ان سے درس حدیث لیا تھا، یہ آٹھویں اور نوویں صدی کے دور کے محدثین میں سے ہیں، ان کے مفصل حالات بسیار تلاش کے باوجود نہیں مل سکے۔

قال السخاوي: مَسْعُود بن عَليّ بن أَحْمد بن جمال الْهِنْدِيّ الكنبايتي، مِمَّن سمع مني بِالْمَدِينَةِ.

(الضوء اللامع لأهل القرن التاسع: ۱۰/ ۱۵۶)

زکریا الانصاری (م ۹۲۵ھ)
کے مکتب حدیث سے تعلق رکھنے والے محدثین

۱-عبدالمعطی الحضرمی (م ۹۸۹ھ/ ۱۵۸۱ء):

عبدالمعطی رجب ۹۰۵ھ/ فروری ۱۵۰۰ء میں مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنے والد الحسن کے ساتھ قاہرہ میں شیخ الاسلام زکریا الانصاری کے مکتب حدیث میں شریک ہوئے۔ اور دونوں نے زکریا سے صحیح بخاری کا درس لیا۔ باپ قاری کا فرض انجام دیتے تھے اور بیٹا سامع کا۔ ۹۱۳ھ/ ۱۵۵۵ء سے قبل عبدالمعطی ہجرت کر کے احمد آباد آ گئے۔ ایک روشن خیال خاندان عیدروسی سے جو احمد آباد میں گیا تھا، ان کے گہرے تعلقات تھے۔ گجرات میں ان کا خاص شغل علم حدیث اور بالخصوص صحیح بخاری کا درس دینا تھا۔ انہوں نے ایک کتاب اسماء رجال البخاری لکھی تھی۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے، عبدالقادر نے اپنی کتاب النور السافر میں لکھا ہے کہ یہ کتاب اگرچہ نامکمل تھی لیکن بہت ضخیم تھی۔ عبدالمعطی نے ذی الحجہ ۹۸۹ھ/ جنوری ۱۵۸۱ء میں احمد آباد میں وفات پائی۔

۲-شہاب الدین عباسی (م ۹۹۲ھ/ ۱۵۸۴ء):

زکریا انصاری کے ایک شاگرد جن کو گجرات میں علم حدیث کی اشاعت سے گہرا دلی تعلق تھا، شہاب الدین عباسی تھے۔ وہ ۹۰۳ھ/ ۱۴۹۷ء میں مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے المقدسی کی عمدہ فی الحدیث اور نووی کی اربعین حفظ کر لی تھیں۔ شہاب الدین زندگی کے روزمرہ مشاغل میں بھی سنت کی پیروی سختی سے کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں محمد بن عبدالرحمن بھی شامل تھے۔ صفر ۹۹۲ھ/ ۱۸۸۴ء میں شہاب الدین نے وفات پائی۔

ابن حجر الہیتمی (م ۹۷۴ھ)
کے مکتب حدیث سے تعلق رکھنے والے محدثین

۱-شیخ عبداللہ العیدروسی (م ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء):

شیخ عبداللہ النور السافر کے مصنف شیخ عبدالقادر العیدروسی کے والد تھے۔ وہ حضر موت میں بمقام تریم ۹۱۹ھ/ ۱۵۱۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ مکہ معظّمہ میں ابن حجر الہیتمی کے مکتب حدیث میں شریک ہوئے اور ان سے اجازہ حاصل کیا۔ انہوں نے عبدالرحمن الدیبغ سے بھی حدیث کا درس لیا تھا جو السخاوی کے شاگرد تھے اور مشکوٰۃ المصابیح کی ایک شرح لکھی تھی۔ ۹۵۸-۱۵۵۱ء میں عبداللہ ہجرت کر کے احمد آباد آ گئے تھے۔ ان کا خاندان علم وفضل کے لیے مشہور تھا۔ ان کا مسکن تصوف اور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا جہاں تمام مدارج کے علماء آتے تھے۔ عالم کی حیثیت سے شیخ عبداللہ اس قدر ہر دلعزیز تھے اور ان کا اتنا احترام کیا جاتا تھا کہ انہوں نے ۹۸۱ھ/ ۱۵۷۵ء میں غزالی کی احیاء العلوم اور ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۷ء میں صحیح بخاری کا درس ختم کیا تو عبدالمعطی جیسے بلند پایہ عالم نے ان کی مدح میں قصیدے پڑھے۔ شیخ عبداللہ نے

رمضان ۹۹۰ھ/ستمبر ۱۵۸۲ء میں احمد آباد میں وفات پائی۔

۲-ابوالسعادت محمد الفاکہی الحنبلی (م ۹۹۲ھ/ ۱۵۸۴ء):

ابوالسعادت اگرچہ الہیتمی کے شاگرد تھے لیکن انہوں نے مکہ، حضرموت اور زبید کے نوے اساتذہ سے بھی حدیث کا درس لیا تھا، جس میں ابوالحسن البکری (۹۵۲ھ) بھی شامل ہیں۔ ۹۵۷ھ/ ۱۵۵۰ء سے قبل وہ ہجرت کر کے احمد آباد آ گئے تھے۔ ۹۶۳ھ/ ۱۵۵۵ء میں سوات منتقل ہو گئے۔ جہاں جمادی الاول ۹۹۲ھ/مئی ۱۵۸۴ء میں وفات پائی۔

گجرات میں مراکز حدیث کا ارتقاء اور فروغ:

ہند میں اشاعت حدیث کا آغاز اگرچہ ۸۲۰ھ/ ۱۴۱۷ء میں ہو گیا تھا، لیکن اس نے زیادہ ترقی نہیں کی اور نویں صدی ہجری میں محدثین کی بہت قلیل تعداد ترک وطن کر کے ہند آئی تھی۔ یہ کیفیت ۸۸۶ھ/ ۱۴۱۸ء میں حرمین میں السخاوی کے مکتب حدیث کے قیام تک جاری رہی۔ اس کے بعد محدثین کی متواتر آمد کا دور شروع ہوا، اور یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری کے آخر تک رہا۔ اشاعت علم حدیث کا یہ زمانہ جس کو ہند میں مراکز حدیث کے ارتقاء اور فروغ میں بہت اہمیت حاصل ہے، تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی سخاوی سے قبل کا دور (۸۲۰ تا ۸۸۶ / ۱۴۱۷ تا ۱۴۸۱) سخاوی کا دور (۸۸۶ تا ۹۵۴ھ/ ۱۴۸۱ تا ۱۵۴۷ء) اور سخاوی کے بعد کا دور (۹۵۴ تا ۹۹۲ھ/ ۱۵۴۷ تا ۱۵۸۴ء)

سلطان محمود کا جانشین مظفر شاہ دوم (۹۱۷ تا ۹۳۲ھ/ ۱۵۱۱ تا ۱۵۲۵ء) خود بھی محدث تھا اور اس نے فتح الباری کا ایک نسخہ پیش کرنے کے صلے میں مخاطب علی خاں کو بھروچ کی جاگیر عطا کر دی تھی، جس سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان کے دل میں احادیث رسول کی کتنی زیادہ قدر و منزلت تھی۔

گجرات میں علم حدیث کی اشاعت میں رکاوٹیں بھی ہوتی رہیں۔ سلطان بہادر شاہ (۹۳۲ تا ۹۴۳ھ/ ۱۵۲۶ تا ۱۵۳۷ء) کے عہد حکومت میں مغل شہنشاہ ہمایوں نے ۴۲-۹۴۱ھ ۳۵-۱۵۳۴ء) میں گجرات پر فوج کشی کی جو تیرہ ماہ تک جاری رہی اور اسی حملے کی وجہ سے علی متقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) اور عبداللہ سندھی (م ۹۹۳ھ) جیسے کئی ممتاز محدث ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ تاہم عبدالاول حسینی (م ۹۶۸ھ) نے گجرات کو نہیں چھوڑا، اور احمد آباد میں علم حدیث پر اپنا تحقیقی کام جاری رکھا۔ سلطان محمود سوم (۹۴۴ تا ۹۶۱ھ/ ۱۵۳۷ تا ۱۵۵۳ء) کی فیاضی اور سرپرستی کی وجہ سے حجاز سے آنے والے کئی محدثین گجرات میں آباد ہو گئے۔ سلطان محمود کی دعوت پر ہی علی متقی نے دو مرتبہ احمد آباد میں مختصر قیام کر کے حدیث کا درس دیا۔ اس کے علاوہ سلطان محمود نے حرمین کے علماء کو وظائف دے کر ان کی مدد کی، اور مکہ معظّمہ میں حدیث کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ بھی تعمیر کروایا۔ ۹۶۱ھ/ ۱۵۵۳ء میں اس فیاض بادشاہ اور اس کے دانشمند وزیر آصف خاں کے قتل کے بعد مظفر شاہی سلطنت بتدریج زوال پذیر ہوتی گئی اور آخر کار ۹۸۰ھ/ ۱۵۷۲ء میں شہنشاہ اکبر نے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ جہاں تک علم حدیث کی ترقی کا تعلق ہے، مظفر شاہی خاندان کے خاتمے سے اس کو شدید نقصان پہنچا اور گجرات

میں اشاعت حدیث کے لیے محدثین کی سرگرمیاں اتنی سرد پڑ گئیں کہ دسویں صدی ہجری کے بعد گجرات میں ممتاز محدثین کے نام بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔ (علم حدیث میں براعظم پاک وہند کا حصہ از ڈاکٹر محمد اسحاق، ص: ۱۰۳-۱۲۰ ملخصاً)

حرمین شریفین اور گجرات کے تعلقات

سلطان محمود بیگڑہ نے مکہ میں ایک رباط تعمیر کی تھی، جس کا نام الکنبایتیہ رکھا گیا تھا اور جس میں طلباء کو دینی تعلیم دی جاتی تھی، نیز ان کے اخراجات کے لئے وظیفوں کا بھی انتظام کیا گیا تھا، سلطان محمود کے بیٹے اور تخت کے وارث سلطان مظفر شاہ دوم نے مکہ میں ایک ایسی رباط تعمیر کروائی تھی؛ جس میں ایک مدرسہ، پانی کی سبیل اور دیگر عمارتیں شامل تھیں اور جن کے مصارف کے لئے یہاں گجرات میں زمین اور جاگیر کی صورت میں اوقاف قائم کئے تھے، جن کی آمدنی کی رقومات حج کے دنوں میں حجاز بھیجی جاتی تھیں، ان رقومات کو مدرسوں، طالب علموں، خدمت گاروں وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا تھا، ان کے علاوہ حرمین شریفین کے باشندوں پر بھی خرچ کیا جاتا تھا، سلطان مظفر شاہ دوم اچھے کاتب بھی تھے، انہوں نے اپنے ہاتھ سے خط ثلث میں، آب زر سے کتابت کئے ہوئے کلام پاک کے دو نسخے حجاز اس لئے بھیجے تھے کہ وہاں ان کا دور کیا جائے، سلطان نے حرمین کے قاریوں کے وظائف کی ادائیگی کے لئے بھی الگ اوقاف قائم کئے تھے، جن کی آمدنی کی رقومات قاریوں کے علاوہ، ختم قرآن کریم کے موقع پر سلطان کے لئے دعائیں کرنے والوں، ان کے خادموں؛ نیز دیگر عملے کو بھی دی جاتی تھیں، حرمین شریفین کے باشندوں کے لئے رقومات بھیجنے کے علاوہ سلطان کی طرف سے ہر سال قیمتی ہندوستانی کپڑوں اور اشیاء سے لدے ہوئے جہاز بھی جدہ بندرگاہ بھیجے جاتے تھے۔

سلطان محمود سوم جو گجرات کے آخری قابل ذکر سلطان ہیں، انہوں نے بھی اپنے اجداد کی روایتوں کو قائم رکھتے ہوئے مکہ مکرمہ میں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سوق اللیل میں ایک ایسی رباط قائم کی تھی، جس میں ایک قدیم پانی کا چشمہ بھی تھا، اس میں مدرسہ، پانی کی سبیل، یتیم خانہ اور اقامتی کمرے بنے ہوئے تھے، انہوں نے ایک اور رباط باب العمرہ کے قریب اور ایک سبیل شاہراہ جدہ پر بھی تعمیر کی تھی، علم اور علماء کی سرپرستی کے سلسلہ کا ان کا بہترین کارنامہ تو وہ ہے کہ حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ جو گجرات کے اعلی پایہ کے بزرگ اور عالم حدیث وتفسیر تھے، ان کی اقامت گاہ اور اس کے ساتھ تعلیمی درجات اور طلباء کے لئے رہائشی کمرے بھی بنائے تھے، یہ سب عمارتیں سوق اللیل میں تعمیر کی گئی تھیں، سلطان محمود نے حرمین شریفین کے ہر طرح کے جملہ اخراجات کے لئے گجرات میں کھمبایت اور بھروچ کے قریب گندھار بندرگاہوں کے آس پاس کے گاؤں وقف کئے تھے، جن کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ اشرفیوں (سونے کے سکوں) کے برابر تھی، ان رقومات سے مال تجارت مثلا نیل، کپڑا وغیرہ مقامی طور پر خرید کر شاہی جہازوں میں لاد کر گھوگھا بندرگاہ سے جدہ کے لئے سرکاری خرچ پر روانہ کیا جاتا اور وہاں بازار میں فروخت کرکے جو رقم حاصل ہوتی وہ اتنی ہوتی کہ سال بھر کے اخراجات کے لئے کافی ہوجایا کرتی تھی، اسی سلطان مظفر شاہ سوم نے اپنی

شہادت سے پیشتر ایک ہزار سنڈا (ٹوکرے) نیل حجاز بھیجی تھی؛ تاکہ اس کی آمدنی سے وہاں شاہراہ مدینہ پر کنویں کھودے جاسکے۔

سلاطین کے علاوہ گجرات کے امیروں نے بھی علماء دین کی سرپرستی اور خاص طور سے عرب ممالک سے آنے والوں کی ہمت افزائی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، گجرات کے علم پرور امراء میں ریحان بجلی خان (متوفی ۹۷۹ھ/ ۱۵۷۱ء) رجب خداوند خان (متوفی ۹۶۸ھ/ ۱۵۶۰ء) شیخ سعدی سلطانی (جو سیدی سعید کے نام سے اور احمد آباد کی تاریخی مسجد یعنی جالی والی مسجد کے بانی کی حیثیت سے مشہور زمانہ ہیں) اور محمد الغ خان کا شمار ہوتا ہے، گجرات کا ایک وزیر آصف خان تو خاص طور سے قابل ذکر ہے، سلطان بہادر شاہ نے گجرات پر ہمایوں کے حملہ کے پیش نظر، اپنے وزیر آصف خان کو بیگمات اور کنبے کے تمام افراد کو لے کر حجاز بھیج دیا تھا، آصف خان نے مکہ میں دس سالہ طویل قیام کے دوران وہاں کے علماء کی حتی المقدور اعانت اور نصرت کی تھی، آصف خان نے مکہ مکرمہ میں باب العمرہ کے قریب مدرسہ قائم کیا، جس میں حنفی اور شافعی مسلکوں کی تعلیم کا انتظام تھا، اس مدرسہ کے ناظم کے طور پر مکہ مکرمہ کے اس وقت کے مفتی اور شافعی عالم شیخ عبدالعزیز زمزمی اور محدث، مؤرخ ومصنف ابن حجر ہیثمی کو مقرر کیا گیا تھا، شہاب الدین احمد بن حجر نے آصف خان کے حالات ''حیات ریاض الرضوان'' نامی کتاب میں لکھے ہیں، آصف خان کے ۹۵۵ھ/ ۱۵۴۸ء میں گجرات واپس لوٹنے کے بعد بھی شیخ عبدالعزیز زمزمی جب کبھی اپنا کلام حجاز سے آصف خان کو ارسال کرتے تو یہ مخلص اور قدردان امیر ان کو برابر ۱۵۰۰/اشرفیوں کا ہدیہ روانہ کرتے تھے، آصف خان کی وفات (۹۶۱ھ/ ۱۵۵۳ء) کی خبر جب مکہ پہنچی تو وہاں حزن وملال کا ایک بادل سا چھا گیا اور شیخ زمزمی نے ۸۷/اشعار کا ایک مرثیہ بھی لکھا۔

حرمین شریفین اور خادم الحرمین سلاطین عثمانی کے سفیروں کے استقبال کے لئے گجرات سے تحائف

مدت سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ سلطنت تیموری ہر سال ہندوستان کی طرف سے ایک امیر حاج مقرر کرکے اس کے ساتھ چار لاکھ روپیہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی خدمت گذاری کے لئے بھیجا کرتی تھی، اکبر نے بھی اس رسم کو جاری رکھا، یہ روپیہ عموماً گجرات کے خزانہ سے بھیجا جایا کرتا تھا، اسی لئے گجرات کی تاریخوں میں اس کا بکثرت ذکر ہے، شوال المکرم ۹۸۶ھ میں جب اکبر اجمیر میں تھا، خواجہ احرار کی اولاد میں سے خواجہ محمد یحیی کو امیر حاج بنا کر اور چار لاکھ روپیہ ساتھ دے کر مکہ معظّمہ روانہ کیا، ۹۸۷ھ میں میر ابوتراب امیر حاج بنائے گئے اور لاکھوں روپئے مع نقد وسامان ان کو دیئے گئے تاکہ شریف مکہ کے مشورہ سے وہاں علماء، مشائخ اور فقہاء میں تقسیم کردیئے جائیں۔

''مرآۃ احمدی'' نامی گجرات کی ایک تاریخ ہے، اس کا مصنف صوبہ گجرات کا دیوان تھا، اس لئے تمام سرکاری کاغذات تک اس کی رسائی تھی، ذیل میں شاہ جہاں کی فیاضیوں کے اور سلطان روم اور حرم محترم کی بجا آوری خدمات کے

واقعات اس کے مختلف صفحات سے لے کر یکجا کر دیئے جاتے ہیں۔

۱: شاہ جہاں نے ۱۰۴۱ھ میں دیوان خواجہ جہاں کو حرمین کی اجازت دی، پانچ لاکھ روپئے تاجپوشی کی نذر مانی تھی، ازاں جملہ فی الحال ۲؍لاکھ ۴۰؍ہزار روپیہ کا مال حسب مذاق اہل عرب احمد آباد اور سورت سے خرید کر خواجہ صاحب کے ساتھ بھیجنے کا حکم متصدیانِ صوبۂ گجرات کے نام صادر ہوا، حکیم مسیح الزمان بھی رخصت حج لے چکے تھے، حکم میں لکھا تھا کہ سارا مال انہی کی رائے سے تقسیم ہوگا۔

۲: ۱۰۴۷ھ میں حکیم ابوالقاسم حکیم الملک کو اجازت حج و زیارت ملی اور متصدیان گجرات کے نام حکم صادر ہوا کہ ۶۰؍ہزار کا اسباب من جملہ رقم نذر دی جائے۔

۳: ۱۰۵۷ھ میں احمد آباد کے کاریگروں سے خوشبودار عنبر کی ایک قندیل نہایت خوب صورت سات سو تولہ کے وزن کی بنوائی گئی، صناعوں نے مرصع کاری سے جواہر بے بہا قندیل میں جوڑ دیئے تھے، سارے جواہرات میں الماس کا ایک دانہ نہایت پاکیزہ تھا، ایک لاکھ قیمت تھی اور قندیل کا سارا خرچ ملا کر ڈھائی لاکھ صرف ہوئے تھے، یہ قندیل بحکم حضور روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنائی گئی تھی، ۱۰۵۷ھ میں تیار ہوگئی، ناظم صوبہ نے سید احمد سعید کے ہمراہ حضور میں بھجوادی، بادشاہ نے ملاحظہ فرما کر بہت پسند کی اور حکم فرمایا کہ سید مذکور کے ہمراہ قندیل مدینہ طیبہ بھیجی جائے، متصدیان احمد آباد کے نام حکم ہوا کہ ایک لاکھ ۶۰؍ہزار روپئے کا اسباب حسب مذاق عرب خرید کر سید صاحب کے سپرد کیا جائے، تا عتبات کے مستحقین میں صرف ہو اور یہ رقم اسی مد میں لکھی جائے، مگر تقدیر کہ ہوا کچھ ایسی چلی کہ جہاز پھر پھرا کر سورت واپس آ گیا۔

۴: ۱۰۶۰ھ میں فرات خان نواب ناظر محل شاہی کو حرمین کی اجازت ہوئی، چلتے وقت ۵۰۰؍اشرفی زادراہ دیا گیا اور ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کا مال و اسباب احمد آباد سے دلایا گیا کہ ان میں سے ۵۰؍ہزار کا مال شریف مکہ زید بن محسن کو اور ۵۰؍ہزار کا سادات وعلماء وفضلاء وگوشہ نشینان مکہ معظّمہ کو اور ۵۰؍ہزار کا مدینہ طیبہ کے فقراء ومساکین کو تقسیم کیا جائے۔

۵: اسی سال سلطان محمد خان والی روم کے ایلچی سید محی الدین (از اولاد شیخ عبدالقادر جیلانی) کے سورت میں وارد ہونے کی خبر متصدی بندر کی تحریر سے حضور میں گذری، ایک خلعت اور فرمان گرز بردار کے ساتھ ایلچی کے پاس بھیجا گیا اور دس ہزار روپئے خزانۂ سورت میں ایلچی مذکور کو سفر خرچ کے دیئے گئے۔

۶: ۱۰۶۱ھ میں ایلچی رخصت ہوا، حاجی سعید احمد کے ہمراہ سورت آیا، حاجی صاحب بار دیگر قندیل مذکور پہنچانے کو مامور کئے گئے تھے، متصدیان بندر سورت کو تاکید کی گئی کہ ایک لاکھ روپئے کا اسباب حسب مذاق اہل عرب حاجی مذکور کو بغرض تقسیم مستحقین مکہ معظّمہ سپرد کیا جائے۔

۷: متصدی بندر سورت کی عرض داشت سے حضور میں دریافت ہوا کہ فرمان روائے روم سلطان محمد خان کا ایلچی ذوالقدر آقا برادر وزیر اعظم صالح پاشا مع نامہ وپیام ۲۹؍صفر المظفر ۱۰۶۳ھ کو وارد سورت ہوا کہ حکم ہوا بارہ ہزار روپئے

ایلچی مذکور کو خزانہ سورت سے دیئے جائیں۔

۸: اسی زمانہ میں قلت غلہ سے بے نوایان مکہ معظّمہ کی محتاجی اور تکالیف حضور میں گذری، سن کر بادشاہ نہایت متاسف ہوا، ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۰۶۴ھ میں خواجہ ضابطہ کا انتخاب ہوا، خلعت سے سرفرازی دے کر حرمین شریفین کی اجازت ان کو دی گئی، چلتے وقت ایک لاکھ روپے کا مال واسباب حسب مذاق عرب سورت سے ان کو حوالہ کیا گیا کہ ازاں جملہ ایک حصہ شریف مکہ کو، دوسرا حصہ صلحاء وفضلاء کو اور تیسرا مدینہ طیبہ کے زاویہ نشینوں کو دیا جائے۔

کارخانۂ ملتان میں ایک جانماز مطابق نمونۂ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بنوائی گئی تھی، اگر چہ حضور کے پسند خاطر نہ تھی، تاہم خواجہ صاحب کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجی گئی۔

یہ ایک سرکاری افسر کے روزنامچہ کے سادہ واقعات ہیں، خانی خان کے حوالہ سے اس سفارت کے واقعہ کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔

۱۰۶۶ھ میں بندر سورت کے متصدی نے عرضی گذاری کہ سلطان محمد خان قیصر روم کی طرف سے ذوالفقار آقا خط اور تحائف لے کر وارد ہوا ہے، حکم ہوا کہ گرز برداروں کے ساتھ بندر سورت کے خزانے سے ۱۲/ ہزار روپے سفر خرچ دے کر روانہ کیا جائے اور پانچ ہزار سلطان پور اور ندر بار کے فوجدار اور ۱۲/ ہزار برہان پور کی دیوانی سے اور ۵/ ہزار اُجین کی دیوانی سے اور ۱۲/ ہزار اکبر آباد کے خزانہ سے ادا کئے جائیں اور یہ بھی حکم ہوا کہ اس کے علاوہ صوبہ دار اپنی طرف سے بھی اس کی خدمت کریں، اس طرح منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے سفیر جب دار الحکومت کے قریب پہنچا، تو حکم ہوا کہ لشکر خان بخشی اور طاہر خان اس کے استقبال کے لئے جائیں اور اپنے ساتھ لا کر حضور میں پیش کریں، سفیر نے قیصر کا خط اور دو گھوڑے جن کے ساز طلائی تھی اور زین میں موتی ٹنکے تھے اور گرز مرصع کار جو اس ملک کے سلاطین کا خاص ہتھیار ہے؛ پیش کیا، بادشاہ نے خط کو باعزاز تمام لیا اور سفیر کو ۳۰/ ہزار روپے نقد اور راگچہ (عطر) کے تین پیالے اور ایک طلائی پاندان عطا کیا اور ایک سرکاری مکان میں جہاں جملہ سامان مہیا تھے؛ اتارنے کا حکم دیا، اسی درمیان میں شہزادہ سلیمان شکوہ کی شادی رچی، اس جشن کی تقریب سے ۳۰/ ہزار روپے سرکار سے، ۲۵/ ہزار شہزادہ کی طرف سے اور ۱۵/ ہزار ملکۂ دوران نواب قدسیہ کی جانب سے مع دوسرے جڑاو سامانوں کے کل تقریباً ایک لاکھ روپیہ نقد وجنس سفیر کو مرحمت ہوا، قائم بیگ ایک ملازم جو ترکی وعربی بولتا تھا؛ نگراں مقرر ہوا، ایک مرصع خنجر جس کے قبضہ میں بیش بہا موتی اور ایک گراں قیمت لعل جڑا ہوا تھا؛ جس کی قیمت ایک لاکھ تھی اور ایک مرصع کمر بند جس کی قیمت چالیس ہزار تھی اور دو ہزار تھان سادہ اور زری کے کپڑے بنگالہ، احمد آباد اور برہان پور کی ساخت کے جن کی لاکھ روپیہ قیمت تھی اور ۵۰/ تولے عطر جہاں گیری جس کی قیمت اس زمانہ میں ۴/ ہزار سے زیادہ تھی اور دوسرے تحائف سلطان کے لئے اس کے حوالے کئے گئے اور علامہ سعد اللہ خان وزیر کا لکھا ہوا سلطان کے نام عربی خط دیا گیا۔

سفیر موصوف سے یہ سن کر کہ قسطنطنیہ میں آج کل طاعون ہے، بادشاہ نے سودانے موتیوں کی تسبیح جس کا امام زہر مہرہ

کا تھا اور جو ہمیشہ بادشاہ کے بازو پر بندھی رہتی تھی، تحائف میں داخل کردی، سفیروں کے ساتھ خان جہاں ایک امیر کو احمد آباد اور سورت سے ایک لاکھ روپئے کا مال دے کر مکہ معظّمہ روانہ کیا کہ ان میں سے ایک تہائی شریف مکہ کو دیا جائے اور باقی حرم کے علماء اور مستحقین میں تقسیم کیا جائے، ملتان کے شاہی کارخانہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عرض وطول کے برابر ایک نہایت عمدہ قالین تیار کیا گیا تھا، وہ بھی ساتھ کردیا گیا۔

ناظرین حضرات! تم نے تاریخوں میں والئ توران اور دارائے ایران کے درباروں سے بھی بارگاہ تیموری میں قاصد اور سفراء آتے ہوئے دیکھے ہیں، کیا اس اعزاز، اس مسرت، اس فیاضی اور اس عقیدت کا سماں بھی وہاں تم کو نظر آیا، اس فرق مراتب کی تم کوئی صحیح توجیہ اس کے سوا کیا کرسکتے ہو کہ یہ خادم الحرمین الشریفین کی بارگاہ کا قاصد تھا اور جو کچھ اس کے ساتھ کیا گیا اور سلطان کے حضور میں جو کچھ بھیجا گیا اور حرمین کے لئے جو تحائف قاصد کے ساتھ ارسال کئے گئے وہ شاہ جہاں کا ولولۂ دین پرستی اور جوش مذہبی تھا۔ (مقالات سلیمانی:۱/ ۱۶۴-۱۷۰)

اس وقت سلطان دہلی کی حکومت اگرچہ گجرات، کرناٹک اور دکّن تک پہنچ چکی تھی، تاہم ابھی ساحلی علاقوں میں اثر بہت کم تھا اور جنوبی صوبوں میں ہندو امراء بدستور فرماں روا تھے، کبھی کبھی وہ جب مجبور ہوتے تھے؛ تو سالانہ خراج ادا کرتے تھے، مگر عرب تاجر اور عجمی صوفیہ برابر کاروبار میں لگے رہتے تھے۔

الحمدللہ! آج بھی سورت وبھروچ ضلع کے کئی اصحاب خیر حضرات نے حرمین شریفین کے سامنے والے بلڈینگز اینڈ ٹاورس (Buildings&Towers) میں اپنے فلیٹ خریدے ہیں، جن کی آمدنی کا بڑا حصہ حرمین شریفین کے لئے وقف ہے، ان خوش نصیبوں میں دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ (گجرات) کے رکن شوری جناب حاجی ابراہیم ماٹلی والا بھی شامل ہیں۔ (عرب ممالک وصوبۂ گجرات کے تعلقات:۲۰۹-۲۱۱)

علم اسناد کا تعارف اور محدثین کی اسناد عالیہ

دین اسلام کا امتیاز ہے کہ اس کے تمام شرعی علوم اپنے کہنے والے کے ساتھ سند کے ذریعے قائم اور مربوط ہیں، اسی امتیازی خصوصیت کی بنیاد پر علومِ اسلامیہ کی استنادی حیثیت نہایت مضبوط ہے، اس کے برعکس دوسرے ادیان اور مذاہب کے بنیادی عقائد سے لے کر عام علوم تک کی حیثیت نہ صرف مشکوک بلکہ ناقابلِ اعتماد ہے۔

اسناد کی تعریف:

لغت میں اسناد سے مراد ہے: اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا، نیچے سے اوپر جانا۔[1] عام اصطلاح میں ''رفع القول إلی قائله''، یعنی قول کی نسبت اپنے کہنے والے کی طرف کرنے کا نام اسناد ہے۔

حدیث کی اصطلاح میں حافظ ابن جماعۃؒ (۷۳۳ھ) اور علامہ طیبیؒ (۷۴۳ھ) نے اس کی تعریف ''ھو رفع

الحديث إلى قائله.''(٢) اور حافظ ابن حجرؒ (٨٥٢ھ) اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ (٩٠٢ھ) نے ''حكاية طريق المتن'' (٣) سے کی ہے، جن کا حاصل معنی تقریباً ایک نکلتا ہے، یعنی متن تک پہنچنا، کسی حدیث کی سند بیان کرنا، جبکہ سند سے مراد ہے راویوں کا وہ سلسلہ جو حدیث کے ابتدائی راوی سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔ اس کی مثال امام بخاری رحمہ اللہ (٢٥٦ھ) کی اپنی صحیح میں بیان فرمودہ حدیث ہے:

''حدثنا مسدد، قال: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حتّٰى يُحبَّ لأَخيهِ ما يحبُّ لِنَفْسِه.''(٤)

مذکورہ مثال میں متن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: ''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُم'' حدیث ہے۔ طریق متن میں مذکور راوی یعنی مسدد، یحییٰ، شعبۃ، قتادہ، اور انس ہیں۔ اسناد امام بخاریؒ کا یہ قول: ''حدثنا مسدد، قال: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن قتادة، عن أنس رضی اللہ عنہ، عن النبي صلى الله عليه وسلم.'' ہے۔(٥)

حدیثی اصطلاح میں سند کو طریق(٦) اور وجہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔(٧)

اسناد کی اہمیت:

اسناد دراصل کسی بھی علم کے قابلِ اعتماد ہونے یا نہ ہونے کا اہم ذریعہ ہے، خصوصاً علم حدیث میں کہ اس کے پورے ذخیرے کا دارومدار سند میں مذکور راویوں پر ہوتا ہے۔ راوی قابل اطمینان ہیں تو حدیث قابل قبول ہے، ورنہ نہیں، اس لیے مشہور حافظ علامہ ابوسعد السمعانی رحمہ اللہ (٥٦٢ھ) ''أدب الإملاء والاستملاء'' میں لکھتے ہیں:

''وألفاظ رسول الله صلى الله عليه وسلم لا بد لها من النقل، ولا تعرف صحتُها إلا بالإسناد الصحيح، والصحة في الإسناد لا تعرف إلا برواية الثقة عن الثقة والعدل عن العدل.''(٨)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات روایت کرنا ضروری ہے، اور ان کی صحت کی معرفت صحیح سند سے ہوسکتی ہے، اور سند کا صحیح ہونا اس طرح معلوم ہوگا کہ اس کے تمام راوی ثقہ اور عادل ہوں۔''

اسناد کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ جن افراد کے ناموں کا مجموعہ ہے، ان کے واسطے سے ہمیں احادیث، تفسیر، اور شریعت کے دیگر مآخذ پہنچے ہیں، تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور علمائے امت کے تفسیری اقوال کی صحت وعدمِ صحت کا مدار سند پر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دین سند پر موقوف ہے، اسی لیے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْن.''(٩) یعنی سند بیان کرنے کا عمل دین کا حصہ ہے، اس لیے حاکم ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (١٨١ھ) کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''قال أبو عبد الله: فلولا الإسناد و طلب هٰذه الطائفة له و كثرة مواظبتهم علٰى حفظه لدرس منار الإسلام، ولتمكن أهل الإلحاد والبدع فيه بوضع الأحاديث، وقلب الأسانيد، فإن الأخبار إذا تعرت عن

وجود الأسانید فیها کانت بترا.''(۱۰)

''اگر سند نہ ہوتی، اور سند کے سلسلے میں محدثین کا مذکورہ سخت طرزِ عمل نہ ہوتا تو اسلام کی علامت مٹ چکی ہوتی، جس کے نتیجے میں ملحدین اور اہلِ بدعت جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اور اُلٹی سندیں پیش کر کے دین میں گھس جاتے، کیونکہ احادیث کو اسناد سے بے نیاز کر دیا جائے تو ان کی بنیاد ختم ہو کر ناقص رہ جائیں گی۔''

اسناد کی مذکورہ بالا اہمیت کے پیش نظر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جاننا فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔(۱۱)

اس لیے کہ سند کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تصدیق و تحقیق مشکل تھی، اور فقہ اسلامی کا اصول ہے: ''ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب'' کہ کوئی چیز فی نفسہ واجب نہ ہو، لیکن کسی اور واجب پر اس کے بغیر عمل درآمد ممکن نہ ہو تو وہ چیز بھی واجب ہو جائے گی، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل درآمد فرض ہے، اس لیے ان ارشادات کو جاننا بھی فرض ہے، اور ان ارشادات کو جانا نہیں جا سکتا، جب تک سند کا معاملہ صاف نہ ہو۔(۱۲)

علامہ ابن العربی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) تو سند کے بغیر روایت کرنے کا نتیجہ سلبِ نعمت کا ذریعہ بتلاتے ہیں، علامہ عبدالحی کتانیؒ (۱۳۸۳ھ) اپنی کتاب ''فهرس الفهارس والأثبات'' میں ان کی سراج المریدین سے نقل کرتے ہیں:

''والله أکرم هٰذه الأمة بالإسناد، لم یعطه أحد غیرها، فاحذروا أن تسلکوا مسلک الیهود والنصاری فتحدثوا بغیر إسناد، فتکونوا سالبین نعمة الله عن أنفسکم.'' (۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے اسناد کی خصوصیت سے صرف اس امت کو نوازا ہے، لہٰذا دین کی باتیں نقل کرنے میں یہود اور نصاریٰ کی روش پر نہ چلو کہ بغیر سند کے دینی باتیں سنانے لگو، ورنہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی یہ نعمت خود اپنے ہاتھوں گنوا بیٹھو گے۔''

اسناد کی روایت، آغاز اور ارتقاء:

سند کی ابتداء صغار صحابہؓ کے زمانے میں اس وقت ہوئی، جب اسلامی ریاست داخلی فتنوں کی آماجگاہ بن گئی، مسلمانوں میں مختلف عقائد اور آراء رکھنے والی جماعتیں وجود میں آ گئیں، جس کا اثر براہِ راست حدیثی روایات پر پڑا، تو ائمہ حدیث نے سند کا مطالبہ شروع کیا۔ مشہور تابعی امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''لم یکونوا یسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سموا لنا رجالکم، فینظر إلی أهل السنة فیؤخذ حدیثهم وینظر إلی أهل البدع فلا یؤخذ حدیثهم.'' (۱۴)

''فتنوں کے نمودار ہونے سے پہلے سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا۔ جب فتنہ واقع ہو گیا تو ائمہ حدیث راویوں سے کہنے لگے: اپنے اساتذہ کا نام بتاؤ، چھان بین کے بعد اہلِ سنت رواۃ کی روایت قبول کرتے اور بدعتیوں کی رد کرتے تھے۔''

سند کے ابتدائی مطالبے کے سلسلے میں ایک واقعہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بھی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''بشیر بن کعب عدوی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیث سنانے لگا۔ آپ نے نہ اس کی حدیث

سنی اور نہ اس کی جانب کوئی التفات کیا، بشیر بن کعب آپ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر کہنے لگا: کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میری حدیث نہیں سن رہے، حالانکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی روایت بیان کر رہا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرمانے لگے: ایک دور تھا کہ جب ہم کسی کی زبان سے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' سنتے، تو ہماری نگاہیں اس کی جانب دوڑ پڑتی تھیں، اور ہم ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ اب جبکہ حالت بدل گئی، لوگوں میں اچھے برے کی تمیز نہیں رہی، تو ہم صرف انہیں باتوں کو قبول کریں گے، جو ہم پہلے جانتے تھے۔''(۱۵)

اسی سلسلے میں ایک روایت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) اپنی سند سے امام نخعیؒ (۹۶ھ) سے روایت کرتے ہیں:

''**إنما سئل عن الإسناد أيام المختار، و سبب هذا: أنه كثر الكذب على علي رضي الله عنه في تلك الأيام.**''(۱۶)

فرماتے ہیں: اسناد کا مطالبہ سب سے پہلے مختار کے زمانے میں ہوا۔ سبب اس کا یہ ہوا کہ اس نے حضرت علیؓ پر جھوٹ بولنے میں حد کر دی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دورِ صحابہؓ میں سند اپنے مفہوم ''**رفع القول إلى قائله**'' کی شکل میں بھی نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور سیرت کی نسبت آپ کی جانب کرتے تھے اور بعض تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے بجائے ایسا وصف ذکر کرتے تھے جو روایت کے متعلق عموماً ذہن میں آنے والے شبہات کو دور کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسناد کا مذکورہ طرزِ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اپنی باتوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف یا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے، احادیثِ قدسیہ اس کی واضح مثال ہیں۔

اسی طرح اس کا یہ مقصد بھی نہیں کہ اسی وقت ہی تمام احادیث سند کے ساتھ بیان ہونے لگیں، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب کوئی روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نہیں سنی ہوتی، بلکہ کسی صحابیؓ سے سنی ہوتی تو اس کو بیان کرتے وقت سند ذکر نہیں کرتے تھے، چنانچہ صحابی رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''**عن البراء رضي الله عنه قال: ما كل ما نحدثكم عن رسول الله صلى الله عليه و سلم سمعناه منه، منه ما سمعناه، و منه ما حدثنا أصحابنا، و نحن لا نكذب.**''(۱۷)

''ہم جتنی احادیث بیان کرتے ہیں وہ ساری ہم نے آپ سے نہیں سنی ہوتی، بلکہ کچھ تو وہ ہیں جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور دیگر وہ ہیں جو ہمیں ہمارے ساتھیوں نے سنائی ہیں اور ہم ان کی تکذیب نہیں کرتے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرنے میں ہمیشہ سند ذکر کرنے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ ویسے بھی سند کا مطالبہ صحابہؓ سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ صحابہؓ دوسروں سے سند کا مطالبہ کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو حدیث رسول کے متعلق اپنی دیانت اور سچائی کا اس قدر اعتماد تھا کہ جب ان سے سند کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ ناراضگی کا اظہار فرماتے، چنانچہ ابن الصلاح مقدمہ میں ذکر کرتے ہیں:

''وكان أنس رضي الله عنه يغضب إذا سئل عن حديث: أسمعه من النبي صلى الله عليه وسلم؟ ويقول: ما كان بعضنا يكذب على بعض.''(۱۸)

اسی طرح کی ایک روایت ابن عدیؒ (۳۶۵ھ) نے کامل میں بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

''وذكر أنس حديثا، فقال له رجل: أنت سمعت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم، أو حدثني من لا يكذب، والله ما كنا نكذب ولا ندري ما الكذب.''(۱۹)

''ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث ذکر فرمائی، کسی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! مجھے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، پھر قسم کھا کر فرمایا: خدا کی قسم ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے اور نہ جھوٹ کا ہمیں کچھ پتہ تھا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد جب تابعینؒ کا زمانہ آیا تو سند کا مطالبہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ سید التابعین حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مراسیل کی سند کا مطالبہ کیا جانے لگا، ابن عدیؒ نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے:

''قال رجل للحسن علیہ الرحمۃ: إنك تحدثنا فتقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولو كنت تسند إلى من حدثك؟ فقال له: إنا والله ما كذبنا ولا كذبنا، ولقد غزوت غزوة إلى خراسان، ومعنا ثلث مائة من أصحاب محمد.''(۲۰)

''کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا: کہ آپ بلا واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں، اگر آپ اپنے استاذ کا حوالہ دیا کریں؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: خدا کی قسم! نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے، اور نہ ہمیں جھوٹی بات کہی گئی ہے۔ میں خراسان کے ایک غزوہ میں تین سو صحابہؓ کے ساتھ رہا ہوں (یعنی میں تمہیں کس کس کا نام بتاؤں کہ فلاں روایت میں نے کن کن سے سنی ہے)۔''

یحییٰ بن سعید قطانؒ (۱۹۸ھ) کی رائے میں زمانہ تابعین میں سب سے پہلے اسناد کا مطالبہ مشہور تابعی عامر بن شراحیل شعبیؒ (۱۰۳ھ) نے کیا، محدث رامہرمزیؒ (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:

''قرأ الربيع بن خيثم عليه حديثا، قال الشعبي رضي الله عنه: فقلت: من حدثك؟ قال عمرو بن ميمون، وقلت له: من حدثك؟ فقال: أبو أيوب صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال يحيى بن سعيد: وهذا أول ما فتش عن الإسناد.''(۲۱)

''ربیع بن خیثمؒ (۶۵ھ) نے ان کے سامنے حدیث بیان کی، شعبیؒ کہتے ہیں: میں نے کہا: کس نے آپ سے بیان کیا ہے؟ کہا: عمرو بن میمون نے، اور میں نے ان سے (روایت لیتے وقت) پوچھا تھا کہ آپ سے کس نے بیان کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو ایوب انصاریؓ نے۔ اس کے بعد رامہرمزیؒ لکھتے ہیں: یحییٰ بن سعید

نے کہا: یہ سند کے مطالبے کی ابتداتھی۔''

بہر حال سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے کی روایت دورِ صحابہؓ وتابعینؒ میں بھی تھی، مگر نسبتاً کم تھی، ان کا زمانہ گزرنے کے بعد جب وضعِ حدیث کا فتنہ عام ہوگیا اور زمانے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو سند کے ساتھ روایت ذکر کرنا ایک امر ناگزیر قرار پایا، یہاں تک کہ مشہور محدث امام زہری رحمہ اللہ (١١٢ھ) نے -جن کا تعلق صغارِ تابعینؒ کے طبقے سے ہے- بلا سند روایت بیان کرنے کو جرأت علی اللہ قرار دیا، حاکم نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

''**حدث عتبة بن أبي حكيم أنه كان عند إسحاق بن أبي فروة وعنده الزهري، قال: فجعل ابن أبي فروة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال له الزهري رحمه الله تعالىٰ: قاتلك الله يا ابن أبي فروة! ما جرأک علی اللہ لا تسند حديثک؟ تحدثنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة.**''(٢٢)

''زہریؒ اور ابن ابی فروۃ (٧٠ھ) دونوں کسی مجلس میں تھے، ابن ابی فروۃ (حدیث بیان کرتے ہوئے) کہنے لگا: ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''۔ زہریؒ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا: تیرا ناس ہو ابن ابی فروۃ! تعجب ہے تمہاری جرأت پر، حدیث کی سند نہیں ذکر کرتے؟ بے لگام احادیث بیان کررہے ہو۔''

حاصل یہ کہ اسناد کی ابتدا دورِ صحابہؓ میں ہوئی، پھر کبارِ تابعین کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ رہا، یہاں تک کہ صغار تابعینؒ کے زمانے میں لازمی قرار پائی، چنانچہ سند کے ساتھ روایت اس عہد کا نمایاں طرزِ عمل رہا، جس کی اہمیت کا اندازہ زہریؒ کے مذکورہ بالا قول: ''**تحدثنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة**'' اور عبداللہ بن المبارکؒ کے قول: ''**الإسناد من الدين، لولا الإسناد لقال من شاء ماشاء**''(٢٣) سے معلوم ہوتا ہے۔

انہی حضرات کے معاصر، معروف محدث، امام محمد بن سیرینؒ کا قول بھی اس سلسلے میں مشہور ہے، فرماتے ہیں: ''**إن هٰذا العلمَ دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم.**''(٢٤) ''یہ علمِ دین ہے، پس تم دیکھو کہ کس سے یہ دین حاصل کررہے ہو۔''

اس دور کے ائمہ حدیث: امام زہریؒ، ابن سیرینؒ اور ان کے معاصرین نہ صرف روایت کرنے میں سند کا التزام کرتے تھے، بلکہ بعض اوقات ادائیگی میں ایسا انداز اختیار فرماتے تھے، جس سے سامعین کے ذہنوں میں سند کی اہمیت بیٹھ جاتی تھی، چنانچہ اس عہد کے مشہور امام حدیث، امام اعمشؒ (١٤٨ھ) کا طرزِ عمل ابن حبانؒ (٣٥٤ھ) نے ذکر کیا ہے: کہ وہ روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے: ''**بقي رأس المال، حدثنا فلان عن فلان عن فلان.**''(٢٥) گویا وہ اپنے طرزِ ادا سے اس بات کا تصور کراتے کہ روایت میں سند اتنی ضروری ہے کہ اس کے بغیر حدیث تام اور قابلِ قبول نہیں ہوتی، جس طرح بیع (خرید وفروخت) بغیر راس المال کے پوری نہیں ہوتی۔

ائمہ حدیث کے ہاں سند کا مذکورہ التزام اسی طرح پانچویں صدی کے اول نصف تک رہا، جس کے مشہور محدثین میں امام بیہقیؒ (٤٥٨ھ)، ابونعیمؒ (٤٣٠ھ) اور ابن مندہؒ (٤٧٠ھ) کے نام نمایاں ہیں۔ شام کے مشہور محدث علامہ

عبدالفتاح ابوغدۃؒ، علامہ لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) کی ''الأجوبة الفاضلة'' پر اپنی تعلیقات میں سند کے ساتھ روایت کرنے والے آخری محدث امام بیہقیؒ کو قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ طرزِ عمل صرف بیہقی کے ہاں ملتا ہے، ان کے بعد نسبتاً کم اس کی جھلک ضیاء مقدسی کے ہاں مختارۃ اور ابن عساکرؒ کے ہاں تاریخِ دمشق میں نظر آتی ہے۔(۲٦)

سند زمانے کے ساتھ ساتھ لمبی ہوتی گئی، جو زمانہ دورِ رسالت کے قریب ہے، اس کی سندیں مختصر ہیں، اور جو زمانہ بعید ہے، وہاں سلسلۂ سند نسبتاً لمبا ہے، چنانچہ حدیثی کتابوں میں سب سے مختصر سند ''کتاب الآثار''، ''مسند امام اعظم'' اور ''مؤطا امام مالک'' کی ہیں، جبکہ سب سے لمبی سند بیہقیؒ (۴۵۸ھ) کی ہے، جس میں سات سے نو تک نام ہوتے ہیں۔

جب سند کا سلسلہ آگے بڑھا، اس میں مذکور راویوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، جس کی وجہ سے کسی راوی کا اپنے استاذ سے سماع کا یقینی طور پر معلوم ہونا مشکل ہوگیا، تو راویانِ حدیث کے طبقات مقرر کیے گئے، اور انہیں مختلف طبقات اور درجات میں تقسیم کر کے سند کے حوالے سے کوئی رائے قائم کرنے کے لیے بنیاد فراہم کردی گئی، اس سلسلے میں کبار صحابہؓ سے صغار تبع تابعین کے زمانے تک کے راویوں کو بارہ طبقات پر تقسیم کردیا گیا۔(۲۷)

طبقات متعین کرنے کی افادیت یہ ہے کہ جب کسی راوی کے طبقہ کا تعین ہوگا تو اس کے زمانے کا تعین آسان ہوجائے گا۔ زمانہ معلوم ہونے سے اس بات کے طے کرنے میں آسانی ہوجائے گی کہ اس راوی نے جس طبقے کے راوی سے روایت کی، وہ روایت ممکن بھی ہے کہ نہیں؟

اس کے بعد سند کے علم کو مزید ترقی دینے کے لیے علمِ رجال کا فن وجود میں آیا، محدثین نے ہزاروں راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی، حصولِ علم اور طلبِ علم کی ہمہ معلومات مرتب کردیں، ثقہ اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے ان کا فرق بتادیا، ان کے درجات بنا کر سند کی چھان بین آسان کردی، سند کی بنیاد پر حدیث کو پرکھنے اور قبول کرنے کے لیے اصول اور ضوابط مقرر کیے، جو اُصولِ حدیث کے نام سے معروف ہیں۔

علمِ رجال کی تدوین کی وجہ یہ تھی کہ علمِ اسناد اور علمِ رجال کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ علمِ اسناد اس وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب کہ رجال کی تفصیلات سامنے ہوں، اس لیے کہ حدیث کے خارجی نقد کی بنیاد علمِ روایت پر ہے، علمِ روایت کی اساس سند پر ہے اور سند کی اساس رجال پر ہے، رجال کی بنیاد پر حدیث کی سند کا تعین ہوگا اور سند کی بنیاد پر حدیث کے خارجی نقد پر بات ہوگی، جس کے نتیجے میں حدیث کا درجہ معلوم ہوگا۔(۲۸)

علمِ رجال میں پھر علمِ جرح وتعدیل- جو علمِ رجال کا ایک اہم شعبہ ہے، اس- کا علمِ اسناد کے ساتھ نہایت مضبوط تعلق ہے، اس لیے کہ سند کے رجال سے متعلق عموماً دو پہلو زیر بحث آتے ہیں:

۱: ایک پہلو خود رجال کے بارے میں معلومات، ان کی شخصیت، کردار اور ان کی ذات سے متعلق امور، جیسے: ان کے نام، کنیت، نسبت اور پیدائش ووفات کی تفصیلات، اور ان کے اساتذہ، تلامذہ اور طبقہ ودرجہ کا تعین ہے، یہ علم رجال کا

عام پہلو ہے۔

۲: دوسرا پہلو سند کے کسی راویِ حدیث کے قابلِ قبول یا نا قابلِ قبول ہونے کا فیصلہ، اس کے اصول وقواعد، اوران اصول وقواعد کی روشنی میں بالآخر کسی راوی کے قابلِ قبول ہونے یا نہ ہونے کا حتمی فیصلہ جس فن کی روشنی میں کیا جا تا ہے،اس کوعلمِ جرح وتعدیل کہا جا تا ہے۔

اسناد کی روایت اور مسلمانوں کی خصوصیت:

احادیثِ رسول کے متعلق محدثین کی احتیاط اوراہتمام کا مذکورہ بالا طرزِ عمل جواسناد کے مطالبے کی شکل اختیار کر گیا، اس نے مسلمانوں میں احتیاط کا وہ ذوق پیدا کیا جو وقت کے ساتھ ساتھ ان کے علمی مزاج کا حصہ بن گیا، اور یہ اُن کی فطرتِ ثانیہ بن گئی کہ جوعلمی بات کسی کے سامنے کہی جائے پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔

مسلمانوں کے ہاں نہ صرف علمِ حدیث، بلکہ تمام علوم وفنون میں سند کی روایت رواج پذیر ہوگئی، چنانچہ تمام تفسیری روایات،سیرت ومغازی کا ہر ہر واقعہ،قراءات کا ایک ایک طریق،اورفقہ کا ایک ایک جزئیہ سند کے ساتھ محفوظ ہے۔اور یہ طرزِ عمل علوم دینیہ کے ساتھ ہی خاص نہ رہا، بلکہ ادب،شعر، بلاغت،صرف،نحواورلغت سب کی سندیں محفوظ ہیں۔سند کی مذکورہ روایت صرف مسلمانوں کی خصوصیت ہے،جس سے اللہ تعالی نے اس اُمت کونوازا ہے،کسی اورقوم کے ہاں اس کا تصور بھی نہیں۔

خطیب بغدادیؒ (۴٦۳ھ) امام محمد بن حاتمؒ کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اللہ تعالی نے اس اُمت کواسناد کے اعزاز سے نوازا ہے، پہلے کی قدیم یا جدید،کسی امت کے ہاں یہ خصوصیت نہیں، ان کے ہاں وہ صحیفے ہیں جن میں انہوں نے اپنی باتیں ملائی ہیں،اوراپنی باتوں کوتورات وانجیل کے کلام سے جدا کرنے کا ان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں۔''(۲۹)

علامہ ابن حزمؒ (۴۵٦ھ) نے بھی ''الفصل في الملل والأهواء والنحل'' میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''کسی قابلِ اعتماد راوی کا اپنے ہی جیسے راوی سے بات نقل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا،جس میں مذکورہ راوی اپنے استاذ کا نام اورنسب بھی بتائے، دونوں کی ذات، صفات، زمانہ اور مکان بھی متعین ہوں، راویوں کی راست بازی اورسچائی بھی نمایاں ہو، یہ تنہا مسلمانوں کی خصوصیت ہے۔''(۳۰)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) ''منہاج السنۃ'' میں رقم طراز ہیں:

''علم اسناداورعلمِ روایت -جس کی حیثیت علم درایت کے لیے زینے کی ہے- اللہ تعالی نے اس اُمت کی خصوصیت بنائی ہے،اس کے برعکس اہلِ کتاب اوراس اُمت کے راہ سے بھٹکے ہوئے بدعتی فرقوں کے ہاں نقل کرنے کے لیے اسناد کا کوئی پیمانہ نہیں۔''(۳۱)

اسناد صرف اہلِ اسلام اور اہلِ سنت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، جس سے وہ صحیح، غلط اور سیدھے ٹیڑھے کا فرق کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیل اور صراحت کے ساتھ اس کی وضاحت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ (۱۳۰۸ھ) کی اظہار الحق میں ہے، انہوں نے اس سلسلے میں ایک پوری فصل قائم فرمائی (۳۲) کہ اہلِ کتاب کے ساتھ عہدِ جدید اور عہدِ قدیم کی کتابوں کی کوئی سند نہیں۔ موصوف توریت سے لے کر اناجیلِ مشہورہ تک کی ساری کتابوں پر انتہائی تفصیل کے ساتھ (۵۹) صفحات پر مشتمل کلام کرنے کے بعد اس پوری بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

''مذکورہ تفصیل سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ اہلِ کتاب کے پاس نہ عہدِ قدیم کی کتابوں کی کوئی سند ہے اور نہ عہدِ جدید کی۔''(۳۳)

سند کے فوائد:

۱: سند کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ راوی کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ پیوستہ رہتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آدمی کی نسبت قائم ہوجاتی ہے۔

۲: مطابع کی ایجاد سے پہلے سند کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ راوی کو گزشتہ تمام شیوخ کی یافت و دریافت اور تحقیقات کی نشر واشاعت کا حق حاصل ہوجاتا تھا۔

۳: سند کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ سند جعل سازی سے حفاظت کی ضامن ہے۔ سند سے جعل سازی کی قلعی کھل جاتی ہے، اور سند اس بات کا شاہد ہے کہ اس کے تمام راوی قابلِ اعتماد ہیں۔ (۳۴)

حواشی وحوالہ جات

۱: القاموس المحیط: ۳۷، ولسان العرب: ۳/ ۱۲۱

۲: المنهل الروی: ۱/ ۸۱، الخلاصة فی أصول الحدیث للطیبی: ۳۳

۳: نزهة النظر للحافظ ابن حجر: ۳۴، وفتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۱۴

۴: صحیح بخاری، کتاب الایمان: ۱/ ۱۲

۵: توجیه النظر لطاهر الجزائری: ۲۵، والإسناد من الدین لأبی غدة: ۱۴

۶: جیسے کہتے ہیں: ''هذا الطريق مروي من طريق الثوري: أي من سنده'' المیسر فی علم الرجال، ماجد الغوری: ۱۶۰

۷: ''والوجہ'' جیسا محدثین کا قول: ''هذا الحدیث حسن غریب من هذا الوجه'' اسی آخری تعبیر کا استعمال امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی ''جامع ترمذی'' میں زیادہ کیا ہے۔ المیسر فی علم الرجال، ماجد الغوری: ۱۶۰

۸: ادب الاملاء والاستملاء: ۷

۹: مقدمۂ صحیح مسلم: ۱/ ۱۲

١٠: معرفۃ علوم الحدیث، حاکم، ص:٦

١١: مرقاۃ المفاتیح:١/ ٢١٨، الاسناد من الدین: ٣٠

١٢: محاضراتِ حدیث: ٢١٧، ڈاکٹر محمود احمد غازی

١٣: فہرس الفہارس و الأثبات للکَتانی: ١/ ٨٠

١٤: مقدمۂ صحیح مسلم: ١/ ١٥، وابن عدی: الکامل ١/ ٣٩، وابن حبان: المجروحین من المحدثین: ٢/ ٢٧

١٥: مقدمۂ صحیح مسلم: ١/ ١٣

١٦: شرح علل الترمذی لابن رجب: ١/ ٢٥٥

١٧: ابن عدی: ١/ ١٥٧

١٨: مقدمۃ ابن الصلاح: ١/ ٣٨

١٩: ابن عدی: الکامل: ١/ ٥١

٢٠: مصدرِ سابق: ١/ ٥١

٢١: المحدث الفاصل: ١/ ١٢، بحوث فی تارخ السنۃ المشرفۃ: ٥٠

٢٢: حاکم: معرفۃ علوم الحدیث: ٦

٢٣: مقدمۂ صحیح مسلم: ١/ ١٥

٢٤: مقدمۂ صحیح مسلم: ١/ ١٣

٢٥: ابن حبان: المجروحین من المحدثین: ١/ ٩

٢٦: الاجوبۃ الفاضلۃ: ١٥٠

٢٧: محاضراتِ حدیث: ٢٢٣

٢٨: محاضراتِ حدیث: ١٨٣-١٨٥

٢٩: شرف أصحاب الحدیث: ٤٠ خطیب بغدادی، وفتح المغیث للسخاوی: ١/ ٣٣١

٣٠: الفصل فی الملل و الأھواء و النِّحل لأبی محمد بن حزم: ٢/ ٨٢-٨٣

٣١: مجموعہ فتاوی شیخ الإسلام ابن تیمیۃ: ١/ ٩، و أیضاً: منھاج السنۃ النبویۃ لہ: ٧/ ٣٧

٣٢: اظہار الحق: ١/ ١٦٧-١٠٩

٣٣: اظہار الحق: ١/ ٦٢٥-٤٢٥

٣٤: مقدمۃ فوائد جامعۃ شرح عجالۃ نافعۃ: ٥٦-٥٥، مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتیؒ

(بینات، جامعہ علوم اسلامیہ)

تذکرہ
قاضی القضاۃ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی
المعروف بالحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

نام ونسب:

آپ کا نام احمد، کنیت ابوالفضل، لقب شہاب الدین، عرف ابن حجر ہے۔

سلسلہ نسب:

قاضی القضاۃ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد الکنانی العسقلانی المصری الشافعی۔

آپ کے شاگرد، شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی تحریر فرماتے ہیں کہ: حجر آپ کے آباء واجداد میں سے کسی کا لقب ہے، اسی کی طرف منسوب ہوکر آپ ابن حجر کہلاتے ہیں، نسلاً آپ بنو کنانہ میں سے ہیں جو عرب کا مشہور قبیلہ ہے۔ آپ کے بزرگ اصل میں عسقلان کے رہنے والے تھے، جو فلسطین کے اطراف میں ساحل سمندر پر شام کا مشہور شہر ہے۔ اس نسبت سے آپ عسقلانی سے مشہور ہیں، ورنہ آپ کی ولادت ونشونما مصر میں ہوئی ہے اور یہیں سپرد خاک ہوئے ہیں۔

ولادت:

آپ کی پیدائش ۱۲/شعبان ۷۷۳ھ قاہرہ (مصر) میں ہوئی ہے، پیدائش کے بعد کچھ ہی عرصہ میں پہلے والدہ کا انتقال ہوا، پھر چار سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والد صاحب نے انتقال سے قبل آپ کی تربیت کیلئے دو وصی مقرر فرمائے تھے، ایک شیخ زکی الدین خروبی جو مصر کے بڑے تاجر تھے، دوسرے شیخ شمس الدین محمد بن قطان جو متبحر علماء میں سے تھے۔

تعلیم وتربیت:

زکی الدین خروبی نے اسی یتیمی کی حالت میں آپ کو اپنے زیر تربیت لے لیا اور بڑے ہونے تک انہی کی کفالت میں نشونما پائی، جب آپ کی عمر پورے پانچ سال کی ہوئی تو مکتب میں داخل کئے گئے، اور نو برس کی عمر میں صدرالدین سفطی کے پاس قرآن کریم حفظ کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے عمدۃ الاحکام، الحاوی الصغیر، مختصر ابن حاجب، الفیۃ العراقی اور ملحۃ الاعراب وغیرہ کتابیں زبانی یاد کرلیں تھیں۔

پھر ۷۸۴ھ میں جب آپ کی عمر گیارہ سال تھی اپنے وصی ذکی الدین خروبی کی معیت میں حج بیت اللہ کے لئے گئے، اور ایک سال تک جوارِ حرم میں مقیم رہے، وہاں کے زمانہ قیام میں، عفیف الدین عبداللہ بن محمد النشاوری سے صحیح بخاری کا سماع کیا، فن حدیث میں یہ آپ کے پہلے استاذ ہیں، اسی سال ۷۸۵ھ میں مسجد حرام میں نماز تراویح میں قرآن

پاک سنا یا ۸۶ ۷ ھ میں مصر واپس آ گئے، اور یہاں کے مشائخ سے استفادہ شروع کیا۔

پھر ۷۹۶ ھ میں جب آپ کی عمر تقریباً اکیس سال تھی، حافظ العصر شیخ زین الدین عراقی کی صحبت اختیار کی، اور دس سال تک ان کی خدمت میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا اور علم حدیث سے ایسا شغف ہو گیا کہ تا حیات قائم رہا۔

مسند قاہرہ شیخ ابو اسحاق تنوخی سے استفادہ کیا، پھر اسکندریہ کا سفر کیا، وہاں سے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، زبید، عدن وغیرہ مختلف مقامات وممالک میں مشائخ سے حدیثوں کا سماع کیا، یمن میں امام لغت صاحب قاموس علامہ مجد الدین فیروز آبادی سے استفادہ کیا۔

آپ کے اساتذہ کے متعلق حافظ سخاوی تحریر فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے علم میں تبحر تھا، اور جس فن میں جس کی شہرت تھی اس پایہ کا تھا کہ دوسرا اس کو نہیں پا سکتا تھا۔

درس وافتاء:

حافظ ابن حجر کی زندگی کا اکثر حصہ علوم دینیہ کی نشر واشاعت میں صرف ہوا، خصوصاً حدیث شریف کی مبارک خدمات میں اپنے آپ کو کھپا دیا، چنانچہ آپ نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے مدارس میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دی ہیں، جیسے جامعہ حسینیہ منصوریہ میں تفسیر پڑھائی اور پھر بیبرسیہ، جمالیہ شیخونیہ وغیرہ میں حدیث کا درس دیا، خروبیہ، بدریہ، شریفیہ، صالحیہ، صلاحیہ، مؤیدیہ وغیرہ میں فقہ کی تعلیم دی، دار العدل میں افتاء کا کام آپ کے سپرد رہا، اور جامعہ ازہر مصر میں اور اس کے بعد جامعہ عمرو بن العاص میں خطیب رہے، ان تمام مصروفیتوں کے باوجود ایک ہزار سے زیادہ مجالس میں اپنے حفظ سے املاء بھی لکھوائے۔

عہدۂ قضاء:

شروع میں الملک المؤید نے مملکت شام کا عہدۂ قضا آپ کو پیش کیا، اور بااصرار اس کے قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر ان سب کو آپ نے رد کر دیا، مگر محرم ۸۲۷ھ میں الملک الاشراف نے جب قاہرہ اور اس کے مضافات کا عہدۂ قضاء آپ کو تفویض کیا تو آپ نے پوری دیانت وذمہ داری کے ساتھ اس منصب کو نبھایا، اس عہدۂ قضاء کی کل مدت حسب تصریح سخاوی اکیس سال ہے، اگرچہ اس درمیان میں آپ کا عزل ونصب ہوتا رہا، بعد میں آپ کو اس عہدہ کے قبول کرنے پر سخت ندامت ہوئی۔

وفات:

ذی قعدہ ۸۵۲ھ کو اسہال لاحق ہوا، خون بھی تھوکتے جاتے تھے، بیماری کا سلسلہ ایک ماہ سے زیادہ رہا، آخر ذی الحجہ کی اٹھائیسویں تاریخ سنیچر کی رات میں نماز عشاء کے بعد اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے، ہفتہ کے دن نماز ظہر کے ذرا پہلے قاہرہ کے باہر رمیلہ کے مصلی المؤمنین میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں بڑا ہجوم تھا، امراء وسلاطین تک جمع تھے، پھر جنازہ اٹھا کر قرافہ صغریٰ میں لایا گیا اور جامع دیلمی کے بالمقابل بنو الخروبی کے قبرستان میں اس علم کے شہاب ثاقب کو سپرد خاک کیا گیا۔ (تذکرۂ محدثین اور ان کی سندیں: ۲۴۰-۲۴۵)

أسانيد الحافظ ابن حجر العسقلانی
إلی صحيح الإمام البخاری
البخاری
الفربری
المستملی
عبدالرحمن بن عبدالله الهمدانی
ابن حزم
شريح بن محمد
أبو القاسم أحمد بن بقی
أبو علی ابن أبی الأحوص
أبو حيان الغرناطی
أبو حيان محمد بن حيان
ابن حجر عسقلانی
أبو ذر الهروی
أبو مكتوم ابن أبی ذر الهروی
أبو الحسن علی بن حميد الطرابلسی
أبو القاسم ابن أبی حرمی الكاتب
أبو أحمد إبراهيم الطبری
أبو محمد عبدالله بن محمد النيسابوری
ابن حجر عسقلانی
البخاری
الفربری
أبو زيد محمد المروزی
الأصيلی
أبو شاكر عبدالواحد
أبو علی الجيانی
عبدالله بن محمد الباهلی
أبو محمد عبدالله الديباجی
جعفر بن علی المقرئ
يحيی بن محمد بن سعد
أبو علی محمد المهدوی
ابن حجر العسقلانی
أبو نعيم الأصبهانی
الحسن بن أحمد المقرئ
أبو جعفر محمد
علی بن أحمد بن عبدالواحد
عمر بن حسن المراغی
ابن حجر العسقلانی
أبو الحسن القابسي
أبو القاسم حاتم التميمی
أبو علی الجيانی
عبدالله بن محمد الباهلی
أبو محمد عبدالله الديباجی
جعفر بن علی المقرئ
يحيی بن محمد بن سعد
أبو علی محمد المهدوی
ابن حجر العسقلانی

ابن حجر العسقلانی
أبو علی محمد المهادوی
یحیی بن محمد بن سعد
جعفر بن علی المقرئ
أبو محمد عبد اللہ الدیباجی
عبد اللہ بن محمد الباهلی
أبو علی الجیانی
أبو عمرو أحمد بن الحذاء
أبو عمر یوسف بن عبد البر
أبو محمد عبد اللہ بن محمد الجهنی
أبو علی ابن المسکن
الفربری
البخاری
ابن حجر العسقلانی
أبو حیان محمد بن حیان
أبو حیان الغرناطی
أبو علی ابن أبی الأحوص
أبو القاسم أحمد بن بقی
شریح بن محمد
ابن حزم
عبد الرحمن بن عبد اللہ الهمدانی
أبو العباس الولید العمری
أبو علی الشبوی
الفربری
البخاری

ابن حجر العسقلانی
أبو محمد عبد اللہ بن محمد النیسابوری
أبو أحمد إبراہیم الطبری
أبو القاسم ابن أبی حرمی الکاتب
أبو الحسن علی بن حمید الطرابلسی
ابو مکتوم ابن أبی ذر الهروی
أبو ذر الهروی
أبو محمد ابن حمویة السرخسی
الفربری
البخاری
ابن حجر العسقلانی
أبو محمد الحموی
أبو علی الجیزی
ست الوزراء التنوخیة
الحسین بن أبی بکر الزبیدی
أبو الحسن القطیعی
ابن حجر العسقلانی
أبو اسحاق التنوخی
ابن الشحنة
أبو الحسن القلانسی
أبو الوقت عبد الاول الهروی
أبو الحسن الداوردی
الفربری
البخاری

- ابن حجر العسقلانی ← أبو الحسن علی بن محمد بن محمد أبی المجد الدمشقی
  - ← ست الوزراء التنوخیة ← الحسین بن أبی بکر الزبیدی
  - ← عیسی بن عبدالرحمن المطعم
  - ← أبو بکر بن أحمد ابن عبدالدایم
  - ← تقی الدین أبو محمد سلیمان المقدسی
  - ← ثابت بن محمد الخجندی / القلانسی / القطیعی / محمد بن زهیر شعرانة
- ← أبو الوقت عبد الاول الهروی ← أبو الحسن الداوردی ← الفربری ← البخاری

- ابن حجر العسقلانی ← زین الدین العراقی ← أبو علی عبدالرحیم الانصاری ← المعین أحمد الدمشقی ← أبو القاسم هبة اللّٰہ البوصیری ← أبو عبد اللّٰہ محمد بن برکات النحوی ← کریمة بنت أحمد المروزیة
- ابن حجر العسقلانی ← أبو محمد عبداللّٰہ بن محمد النیسابوری ← أبو أحمد ابراهیم الطبری ← أبو القاسم ابن أبی حرمی الکاتب ← أبو الحسن علی بن حمید الطرابلسی ← أبو مکتوم ابن أبی ذو الهروی ← أبو ذر الهروی
- ابن حجر العسقلانی ← أبو اسحاق التنوخی
  - ← أبو نصر محمد بن محمد بن هبة اللّٰہ الشیرازی ← محمد بن هبة اللّٰہ الشیرازی ← أبو القاسم ابن عساکر ← أبو عبد اللّٰہ محمد الصاعدی
  - ← علی بن محمد بن مودود ← عبدالخالق بن أنجب بن المعمر المازدینی ← وجیہ بن طاهر الشحامی
  - ← أبو سهل محمد الحفصی
- ← الکشمیهنی ← الفربری ← البخاری

ابن حجر العسقلانی
أبو علی محمد المهدوی
یحیی بن محمد بن سعد
جعفر بن علی المقرئ
أبو محمد عبد اللہ الدیباجی
عبد اللہ بن محمد الباهلی
أبو علی الجیانی
أبو القاسم حاتم التمیمی
أبو الحسن القابسی
ابن حجر العسقلانی
عمر بن حسن المراغی
علی بن أحمد بن عبد الواحد
أبو جعفر محمد الأصبهانی
الحسن بن أحمد المقرئ
أبو نعیم الأصبهانی
أبو أحمد الجرجانی
الفربری
البخاری
ابن حجر العسقلانی
أبو عبد الملک ابن ضرغام
صالح بن مختار
محمد بن عبد الهادی المقدسی
محمد بن أبی بکر عمر بن أحمد أبو موسی المدینی
أبو بکر عمر بن أحمد المدینی
الحسن بن أحمد السمرقندی
أبو العباس المستغفری
أبو عبد اللہ الحسن الخلال
ابن حجر العسقلانی
أبو علی المهدوی
یونس بن أبی اسحاق
الحسن بن المقیر
أبو الفضل بن ناصر
أبو القاسم بن منده
أبو القاسم علی بن أحمد المدنی
أبو علی الکشانی
الفربری
البخاری

ابن حجر العسقلانی ← أبو علی محمد المهدوی ← یحیی بن محمد بن سعد ← جعفر بن علی المقرئ ← أبو محمد عبد الله الدیباجی ← عبد الله بن محمد الباهلی ← أبو علی الجیانی ← أبو العاص الحکم بن محمد الجذامی ← أبو الفضل أحمد الهروی ← أبو صالح خلف بن محمد ← إبراهیم بن معقل النسفی ← البخاری

ابن حجر العسقلانی ← أبو الفتح عبد الرحیم المقرئ ← یونس بن أبی إسحاق ← علی بن الحسین بن علی بن منصور ← أبو الفضل محمد بن ناصر ← أبو بکر أحمد بن علی الشیرازی ← الحاکم أبو عبد الله الحافظ ← أحمد بن محمد النسوی ← حماد بن شاکر النسوی ← البخاری

تذکرہ
شیخ الاسلام زکریا الانصاری

نام ونسب:

نام زکریا، کنیت ابویحییٰ، لقب زین الدین ہے، نسب نامہ یہ ہے:

شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابویحییٰ زین الدین الحافظ زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا الانصاری الخزرجی السُنَیکی القاهری، الازهری الشافعی.

آپ کی چھ نسبتیں ہیں:

(۱) انصاری: برادری کے اعتبار سے آپ انصار تھے۔ (۲) الخزرجی: آپ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے جو انصار کا ایک قبیلہ تھا۔ (۳) سنیکی (بضم السین المهملة وفتح النون واسكان الياء التحتانية): مصر میں ایک شہر ہے جو آپ کا مولد ہے۔ (۴) قاہری: قاہرہ کی طرف منسوب ہے، جہاں آپ نے تعلیم پائی تھی۔ (۵) الازہری: جامعہ ازہر مصر میں آپ نے تعلیم پائی ہے۔ (۶) الشافعی: آپ حضرت امام شافعی کے مسلک کی تقلید کرنے والے تھے۔

ولادت:

مصر کے مشرقی علاقہ میں واقع سنیکہ شہر میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت میں تین اقوال ہیں: سنہ ۸۲۳ھ، سنہ ۸۲۴ھ، سنہ ۸۲۶ھ۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے اپنے شہر سنیکہ ہی میں ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن مکمل فرمایا، اسی طرح عمدۃ الاحکام اور علامہ تبریزیؒ کی مختصر کا بعض حصہ پڑھا۔

پھر سنہ ۸۴۱ھ میں قاہرہ تشریف لے گئے اور جامع ازہر میں تھوڑا عرصہ قیام رہا اور پھر وطن لوٹ گئے، پھر اپنے علاقہ کے مشائخ سے اکتساب فیض فرمایا اور پھر تھوڑی مدت کے لیے دوبارہ قاہرہ تشریف لے گئے اور وہاں کے بڑے بڑے علماء تقریباً ۱۵۰ مشائخ سے علم حاصل کیا۔

کبار اساتذہ:

آپ کے چند مشہور اساتذہ یہ ہیں: (۱) حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی (۲) شیخ محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہمام الحنفی (۳) علامہ کافیجی (۴) ابراہیم بن صدقہ حنبلی سے صحیح بخاری پڑھی (۵) شمس قایتبائی سے سماع حدیث فرمایا۔

زمانہ طالب علمی کی عسرت:

آپ کا بچپن اور تعلیمی زمانہ بڑی گھٹن اور عسرت کے ساتھ گزرا ہے، جس زمانے میں آپ جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرتے تھے تو دن بھر بھوکے رہا کرتے تھے اور رات میں خربوزے، ککڑی وغیرہ کے چھلکے چن کر لاتے تھے اور دھوکر کھالیتے تھے، اس تنگی کے ساتھ سالہا سال گزر گئے، مگر حصول علم میں آپ کی محنت وتوجہ میں کمی نہیں آئی؛ بالآخر اللہ کو رحم آہی گیا؛ چونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: ﴿الذین جاهدو فینا لنهدینهم سبلنا﴾ (جو ہمارے لئے محنتیں کرتا ہے ہم اس کے لیے راستہ کھول دیتے ہیں)، چنانچہ کسی نے آپ کے لئے کھانے، کپڑے، کتابیں وغیرہ ساری چیزوں کا انتظام کردیا اور تحصیل علوم میں ہمہ تن مصروف رہے، یہاں تک کہ تمام علوم متداولہ میں آپ کو کمال حاصل ہو گیا۔

آپ کے مشہور تلامذہ:

بہت سارے لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے، چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:

(۱) عبدالوھاب شعراوی (۲) بدرالدین علائیؒ (۳) شمس املیؒ (۴) ابن حجر تیمیؒ۔

آپ اپنے اساتذہ کے زمانہ ہی میں درس وتدریس اور افتاء کے مقام پر فائز ہو چکے تھے، آپ کی صلاحیت ولیاقت کے حکومت وقت بھی قائل تھی، خاص کر سلطان قایتبائی آپ کے بڑے معتقد اور مداح تھے، انہوں نے با اصرار آپ کو عہدۂ قضاء پر فائز کیا؛ مگر چند دنوں کے بعد جب سلطان کی بعض چیزوں پر بے اعتدالی اور خلاف شرع کام اور ناانصافی دیکھی، تو خط کے ذریعہ تنبیہ کی، جس پر سلطان نے برہم ہو کر آپ کو معزول کردیا؛ لیکن اس کے بعد آپ تاحیات درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور دیگر علمی کاموں میں مشغول رہے۔

آپ کی مشہور تصانیف:

آپ نے بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، چند مشہور یہ ہیں: (۱) فتح الرحمان (تفسیر میں) (۲) تحفۃ الباری شرح بخاری (۳) فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی (۴) شرح شذور الذہب وغیرہ۔

آپ کی وفات:

جمعہ کے دن ۴ ذی الحجہ ۹۲۵ھ میں قاہرہ میں وفات ہوئی، اور آپ کو حضرت امام شافعیؒ کے قریب قرافہ میں دفن کیا۔ (عجالۂ نافعہ: ص: ۶۸، ۶۹، الکلام المفید: ۲۸۶، ۲۸۷)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اسانید
شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ
(۱) صحيح البخاري

أَخْبَرَنِي به إمام الأئمة أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر، ومحقق الوقت أبو عَبْد الله محمد بن علي القايَاتِي، وأبو إسحاق إبراهيم بن صَدَقَة الحَنْبَلِي بقراءتي عليه لجميعه، وسماعاً على الآخرين فعلى ثانيهما لجميعه، وعلى الأول للكثير منه، وإجازة لسائره.

قال الأول: أَخْبَرَنَا به العفيف أبو محمّد عَبْد الله بن محمد بن محمد بن سُلَيْمَان النَّيْسَابُورِي المَكِّي سماعاً عليه بها لمعظمه، وإجازة لسائره، قال: أَخْبَرَنَا به الرضي أبو أحمد إبراهيم بن محمد الطَّبَرِي، أَخْبَرَنَا به أبو القاسم عبد الرحمن ابن أَبِي حَرْمِي سماعاً سوى من قوله: (باب) (وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً) إلى قوله: (باب: مبعث النبي ﷺ، فإجازة، قال: أَخْبَرَنَا به أبو الحَسَن علي بن حميد بن عمار الطَّرابُلْسِي، أَخْبَرَنَا به أبو مَكْتُوم عِيسَى ابن الحَافِظ أَبِي ذَر عَبْد بن أحمد الهَرَوِي، قال: أَخْبَرَنَا به أَبِي. ح.

وقال الثاني: أَخْبَرَنَا به الإمام السِّرَاج أبو حَفْص عُمر بن رسلان البُلْقيني سماعاً لبعضه، وإجازة لسائره، أَخْبَرَنَا به الجمال أبو علي عبد الرحيم بن عَبْد الله بن يُوسُف الأنصاري، عرف بـ ((ابن شاهِد الجَيْش))، سماعاً، وإجازة لما فات منه، المشايخ الثلاثة: المُعِين أبو العباس أحمد بن علي بن يوسف الدِّمَشْقِي، وأبو الطاهر إسماعيل بن عَبْد القوي بن عَزُّون، وأبو عمرو عثمان بن عَبْد الرحمن بن رشيق، سماعاً لجميعه، خلا من باب المسافر إذا جَدَّ به السَّيْرُ تعجل الرجوع إلى أهله) في أواخر كتاب الحج، إلى كتاب الصيام، ومن باب (ما يجوز من الشروط في المُكاتب) إلى (باب الشروط في الكتابة)، ومن (باب غَزْوِ المرأة في البحر) إلى (باب دعاء النبي ﷺ إلى الإسلام) [في كتاب الجهاد]، فإجازةً.

قال الثلاثة: أَخْبَرَنَا به أبو القاسم هِبَةُ الله بن علي بن سعود البوصيري، وأبو عبد الله محمد بن حمد بن حامد الأرتاحي، سماعاً، قال البُوصِيرِيّ: أَخْبَرَنَا به أبو عَبْد الله محمد بن بَرَكَات بن هلال النَّحْوِي، سماعاً، وقال الأَرتاحي: أَخْبَرَنَا به أبو الحَسَن علي بن الحسين بن عُمر الفراء، إذناً، قالا: أَخْبَرَتنا به أم الكِرام كَرِيمَة ابنة أحمد بن محمد المَرْوَزِيّة، قالت هي وأبو ذر: أَخْبَرَنَا به أبو الهَيْثَم محمد بن مَكِّي الكُشْمَيْهَنِي. ح.

وقال شيخنا الأول أيضاً، وكذا الثالث: أَخْبَرَنَا به النجم أبو محمد عبد الرحيم بن عَبْد الوهاب بن عَبْد الكريم بن الحُسَيْن بن رزين الحَمَوِيّ الأصل المِصْرِي، سماعاً لجميعه، إلَّا الأول فقال: لمعظمه، وإجازة لما فات منه، زاد فقال: وأَخْبَرَنَا به الصَّلاح أبو علي محمد بن محمد بن علي الزِّفْتَاوِي ثمّ الجيزي، والعلاء أبو

الحسن علي بن محمد بن محمد بن أَبِي المجد الدِّمَشْقِي، والبرهان أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد بن عبد الواحد التنوخي، سماعاً عليهم مفترقين لجميعه،قالوا كلهم: أَخْبَرَنَا به أبو العباس أحمد بن أَبِي طَالِب بن أبي النعم نعمة بن حسن بن علي بن بيان الصالحي الحَجَّار، عرف بـ ((ابن الشِحْنَة))، سماعاً لجميعه، إلّا الزِّفْتَاوِي فلما عدا من (باب كفران العشير) في كتاب النكاح إلى (باب غيرة النساء ووجدهن فيه) أيضاً، وهو عشرون حديثاً، وإلا ابن أبي المجد، فقال: سماعاً عليه للثلاثيات منه فقط، ومن كتاب الإكراه إلى آخر الصحيح، وإجازةً منه لهما لسائره،وقالوا: سوى التنوخي، وأخبرتنا به أيضاً أم محمد ست الوزراء وَزِيرَة ابنة عُمر بن أَسْعَد بن المُنَجّا التَّنُوخِية، سماعاً لجميعه، إلا ما فات الزِّفْتَاوِي على الحَجَّار، ففاته عليها أيضاً وإجازة منها، قالا أَخْبَرَنَا به أبو عَبْد الله الحسين بن أبي بكر المُبَارَك بن محمد بن يحيى الزَّبيدي، سماعاً، وقال الحجار وحده: أَخْبَرَنَا به أبو الحسن علي بن أبي بكر بن رُوزْبَة القَلانِسِي، وأبو الحَسَن محمد بن أحمد بن عُمَر القَطِيعِي، وأبو المُنَجَّا عَبْد الله بن عُمَر بن علي بن زيد البَغْدَادِي، عُرف بـ ((ابن اللَّتِّي))،إجازة منهم، قال الأربعة: أَخْبَرَنَا به أبو الوَقْت عبد الأول بن عِيسَى بن شُعَيب السِّجْزِي الهَرَوِي، سماعاً عليه لجميعه، إلّا ابن اللَّتِّي، فقال: (من باب غيرة النساء ووجدهن) إلى آخر الصحيح، وإجازة لسائره، قال: أَخْبَرَنَا به أبو الحسن عبد الرحمن بن محمد بن المُظَفَّر بن داود الدّاوُدِي، قال هو وأبو ذر أيضاً: أَخْبَرَنَا به أبو محمد عبد الله بن أحمد بن حَمُّويَه الحَمَوِي السَّرْخَسِي، زاد أبو ذَر، فقال: وأَخْبَرَنَا به أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد المُسْتَمْلِي، قالا وكذا الكُشْمَيْهَنِي: أَخْبَرَنَا به أبو عَبْد الله محمد بن يوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفِرَبْرِي، قال: أَخْبَرَنَا به مؤلفه الحافظ الحجة الناقد الجهبذ أبو عَبْد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة بن الأحنف بن بَرْدِزْبَة الجُعْفِي مولاهم البُخَارِي رحمه الله ورضي عنه سماعاً عليه مرتين، مرة بِبُخارى، ومرة بِفِرَبْر، فذكره.

٢ - صَحِيحُ مُسلِم

أَخْبَرَنِي به المشايخ الأئمة: الحَافِظ الرُّحلة المفيد الزَّيْن أبو النَّعِيم رضوان بن محمد بن يُوسُف العُقْبِي ثمَّ القاهري بقراءتي، وإمام المحققين الشمس أبو عَبْد الله محمد بن علي بن محمد بن يَعْقُوب القايَاتي القاضي، سماعاً، وحافظ العصر الشِّهَاب أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن محمد بن علي بن أحمد العَسْقَلانِي الأَصْل المصري، ومسند الوقت الزَّيْن أبو ذَر عَبْد الرحمن بن محمد بن عبد الله ابن محمد القاهري الحَنْبَلِي، عرف بـ ((الزَّرْكَشِي))، سماعاً عليهما، فعلى أولهما للكثير منه، وعلى ثانيهما لبعضه بقراءة الشَّمس الدُنجيهي، وإجازة منهما لسائره، قال الأول والثالث: أخبرنا به خاتمة المسندين الشرف أبو الطاهر محمد بن عبد اللطيف بن أحمد بن محمود الرَّبَعِي التَّكْرِيتي الأصل القاهري، سماعاً

لجميعه بقراءة ثانيهما، وشيخ الإسلام السراج أبو حَفْص عُمَر بن رسلان بن نُصير البلقيني، قال أولهما: سماعاً للمجلس الأخير منه، وقال الآخر: شفاهاً زاد، فقال: وأَخْبَرَنَا به النجم أبو الحسن محمد بن علي بن محمد بن عقيل البَالِسِي المِصْرِي ، وأَبُو العباس أحمد بن الحسن بن محمد المقدسي، عرف بـ ((السُوَيدَاوِي))، وسعد الدين محمد بن محمد بن محمد القِمَنِي سماعاً على الأول لجميعه، وعلى الآخرين لبعضه وإجازةً منهما لسائره، وزاد أولهما فقال: وأَخْبَرَنَا به التقيان أبو الفَتْح محمد بن أحمد بن محمد بن حاتم الخطيب ، وأبو عَبْد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الدُّجْوِي، والصدر أبو محمَّد سُلَيْمَان بن عَبْد النَّاصِر الإِبْشِيطِي، سماعاً على الثاني لجميعه، وعلى الثالث لما عدا فوتاً منه، وعلى الأول لما عدا فواتات عدة، وإجازة منهما لسائره، وقال القَايَاتِي: أَخْبَرَنَا به إمام المصنفين السِّراج أبو حَفْص عُمر بن علي الأنصاري، عرف بـ((ابن المُلَقِّن))، أخبرنا قالوا وهم تسعة إِلَّا المَقْدِسِي والقِمَنِي: أَخْبَرَنَا به الزَّيْن أبو الفَرَج عَبْد الرحمن بن محمد بن عبد الحميد بن عبد الهادي المَقْدِسِي الحَنْبَلِي ، سماعاً لجميعه، إِلَّا البُلْقِينِي فلبعضه، وإجازة لسائره، زاد فقال هو والمَقْدِسِي والقِمَنِي: أَخْبَرَنَا به الشَّمْس أبو عَبْد الله محمد بن أحمد بن إبراهيم بن القمّاح سماعاً لجميعه، إِلَّا البُلْقِينِي، من أوله إلى حديث أَبِي مَسْعُود الأنصاري رضي الله عنه: أتانا رسولُ الله ﷺ ونحن في مجلس سَعْدِ بن عبادة... فذكر حديث التشهد، سِوَى من حديث زيد بن خالد رضي الله عنه: صلى بنا رسول الله ﷺ بالحديبية إثر سَمَاء كانت من الليل... الحديث، إلى الحديث الذي فيه ذِكْرُ خروج المُوَحّدين من النار، وإجازة منه لسائره، وزاد ابن حاتم، فقال: وأَخْبَرَنَا به أبو الحسن علي بن عُمر بن أبي بكر الوَانِي، والنجم أبو بكر عَبْد الله بن عُمَر بن شِبْل بن شبل الصنهاجي، وناصر الدين أبو عبد الله محمد بن أبي القاسم بن إسماعيل الفارقي وزاد الأول، فقال: وأَخْبَرَنَا به أبو الحَرَم محمد بن محمد بن محمد بن القَلَانِسِي سماعاً، والحَافِظان أبو الحَجَّاج يوسف ابن الزكي عبد الرحمن بن يُوسُف المِزّي ، والعلم أبو محمد القاسم بن محمد بن يوسف البِرْزالي ، وأبو الفَرَج عَبْد الرحمن بن عبد الحليم بن عبد السلام بن تيمية الحَرّاني، وأبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الأنصاري ابن الخَبّاز ، وأبو سُلَيْمَان داود بن إبراهيم بن داود العطار، والزَّيْن أبو الفَرَج عَبْد الرحمن بن علي بن حسين التَّكْرِيتي، وأبو محمَّد عَبْد الرحمن وأبو عبد الله محمد ابنا أحمد بن محمد بن محمود المَرْدَاوي، وأحمد ابن السيف محمد بن أحمد بن عُمَر ابن أَبِي عُمَر، والعِزّ أبو عَبْد الله محمد ابن العِزّ إبراهيم بن عبد الله بن أَبِي عُمَر، والشَّمْس أبو عَبْد الله محمد بن عُمر بن أَبِي القاسم السَّلاوي، والشَّمْس أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن أحمد بن عبد الدائم، وأبو الحسن علي بن عبد المؤمن بن عبد

المنعم بن الخضر بن شِبْل الحَارِثي، والبهاء أبو الحسن علي ابن العز عُمر بن أحمد بن عُمر بن أحمد بن عُمر بن أَبي بكر المَقْدِسِي الشُّرُوطِيّ، إجازة، قال الوَانِي: أَخْبَرَنَا به الشيخان الحافظ الصدر أبو علي الحسن بن محمد بن محمد بن محمَّد بن عَمْرُوك البَكْرِي، والشرف أبو عَبْد الله محمد بن عبد الله بن أَبِي الفَضْل المُرْسي، سماعاً، وقال الفَارِقي والقَلَانِسِي: أخبرتنا به سيدة ابنة موسى بن عثمان بن عِيسَى بن دِرْباس المَارَانِيَّة، سماعاً، زاد القلانسي، فقال: وأَخْبَرَنَا به أبو محمد عبد العزيز بن علي بن نَصْر بن الحُصْرِي، سماعاً، وقال المِزّي والأربعة بعده: أَخْبَرَنَا به القاسم بن أبي بكر بن غنيمة الإربلي، سماعاً، وقال ابن عبد الهادي وابن القماح: أَخْبَرَنَا به أبو إسحاق إبراهيم بن عُمر بن مُضَر بن فارس الوَاسِطِي التَّاجِر، قال ابن القَمَّاح: سماعاً عليه لجميعه، سوى من أوله إلى قوله في المقدمة: (وسنذكرُ في مروياتهم على الصفة التي ذكرناها) وسوى من [قوله]: ([كتاب] الزهد) إلى آخر ((الصحيح))، فإجازة، وقال الآخر: إجازة، زاد فقال هو والصِنْهاجي والتَّكْرِيتي والثمانية بعده: أَخْبَرَنَا به أَبُو العَبَّاس أحمد بن عبد الدائم بن أحمد بن نعمة المَقْدِسِي الحَنْبلِي، سماعاً لجميعه، إلَّا العز ابن أَبِي عُمَر، فقال: حضوراً في الثالثة وإجازة، وإلَّا المَرْدَاويين، فقالا: سماعاً من اللعان، قال أبو عبد الله: إلى آخر الكتاب وقال الآخر: إلى الفتن فقط، وإجازة منه لهم إن لم يكن سماعاً، وقال الزَّرْكَشي: وهو أعلى مما تقدم أَخْبَرَنَا به أبو عبد الله محمد بن إبراهيم بن محمد الخَزْرَجِي البَيَاني، سماعاً، قال: أَخْبَرَنَا به الشرف أبو الفضل أحمد بن هبة الله ابن تاج الأمناء أبي الفضل أحمد بن محمد بن عساكر الدِمَشْقِي، سماعاً، قال هو وابن عبد الدائم وابن مُضَر والإربلي وابن الحُصْري والمَارَانِيَّة والمُرْسي والبَكْرِي: أَنْبَأَنَا به الرضي أبو الحسن المؤيد بن محمد بن علي الطوسي، قال الإربلي والمُرسي والبَكْرِي: سماعاً، وقال الباقون: إذناً، زاد ابن عبد الدائم فقال: وأَخْبَرَنَا به أبو عبد الله محمد بن علي بن محمد بن الحسن بن صَدَقة الحراني، سماعاً خلا من أوله إلى قوله في الإيمان: ((ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الإيمان)) والصيام بكماله، فإجازة إن لم يكن سماعاً، وكان يحلف أنه أعيد له، وزاد ابن مُضَر، فقال: وأَخْبَرَنَا به ذو الكنى مَنْصُور بن عَبْد المُنْعِم بن عَبْد الله بن محمد الصاعدي الفُرَاوِي، بسماع المُؤَيَّد والحَرَّاني والفُرَاوِي من جده فقيه الحرم أَبِي عَبْد الله محمد بن الفَضْل بن أحمد، قال: أَخْبَرَنَا به الإمام أبو الحُسَيْن عَبْد الغافر بن محمَّد بن عَبْد الغافر الفارِسِي النَّيْسابوري، سماعاً، أَخْبَرَنَا به أبو أحمد محمد بن عيسى بن محمد بن عمرويه الجُلُودِي النَّيْسَابُورِي، سماعاً، أَخْبَرَنَا به أبو إسحاق إبراهيم بن محمَّد بن سُفْيَان الفقيه الزَّاهِد، سماعاً.

ح، وقال أبو الطاهر الرَّبَعِي: أخبرتنا أم عبد الله زينب ابنة الكَمَال، عن ضوء الصبّاح ابنة أبي بكر

البَاقِدَاري، عن مَسْعُود بن الحَسَن الثَّقَفِي. ح.

وقال رضوان: وأنبأني أبو الحسن ابن أبي المجد، مشافهة، عن أَبي الفَضْل المَقْدِسِي هو سُلَيمَان بن حمزة، عن أبي الحسن علي بن الحسين ابن المُقَيَّر، عن أَبِي الفَضْل محمد بن ناصر السَّلّامي الحَافِظ، كلاهما عن عبد الرحمن بن محمد بن اسحاق العبدي، عن أبي بكر محمَّد بن عَبْد الله الشَّيْبَاني، عن مكي بن عبدان، وأبي حامد ابن الشَّرْقي الحافظين، كلاهما وكذا ابن سُفْيَان، عن مؤلفه الحافظ الحجة أَبِي الحُسَيْن مُسْلم بن الحجاج القُشَيْرِي النَّيسَابُورِي، قالا: إجازة، وقال ابن سُفْيَان: سماعاً لجميعه سوى ثلاثة أفوات، كان إبراهيم يقول فيها: عن مسلم، ولا يقول: أَخْبَرَنا مُسْلم.

قال ابن الصَّلاح: فلا ندري حَمَلَها عنه إجازة أو وَجادَةً، فذكره.

٣- السنن لأبي داود السجستاني

قرأته على الشيخ أبي إسحاق إبراهيم بن صَدَقَة الحَنْبَلِي، وأَخْبَرَنِي به الشيخان شيخ الإسلام أبو عبد الله محمد بن علي القايَاتِي، والقاضي العز أبو محمد عبد الرحيم بن محمد بن الفرات الحنفي، سماعاً عليهما مفترقين لبعضه، وإجازة منهما لسائره، قال الأول: أَخْبَرَنا به الشيخان الصدر أبو حَفْص عُمر بن عَبْد المحسن بن عبد اللطيف بن رزين، وأبو علي محمد بن أحمد بن علي بن عبد العزيز المَهْدَوِي المُطَرِّز، سماعاً عليهما، فعلى أولهما لما عدا من قوله في الجزء العاشر (باب الصدقة على بني هاشم) إلى آخره، ولما عدا الجزء التاسع عشر بكماله، وعلى الآخر لبعضه، وإجازة منهما لسائره، قالا: أَخْبَرَنا به أبو المَحَاسِن يُوسُف بن عُمر بن حسين الخُتَنِي الحنفي، سماعاً، أَخْبَرَنَا به الحافظان الزكي أبو محمد عبد العظيم بن عَبْد القوي المُنْذِري، وأبو الفضل محمد بن محمد بن محمد البَكْرِي، سماعاً عليهما لجميعه، إلَّا الجزئين الأولين، والثاني عشر والتاسع عشر، ففاتته على المُنْذِرِي فقط، وقال القَايَاتِي: أَخْبَرَنَا به الأئمة السَّرَاجان أبوا حَفْص العُمَران ابن رسلان البُلْقِينِي، وابن علي الأنصاري ابن المُلَقِّن، والزَّيْن أبو الفضل عبد الرحيم بن الحسين العِرَاقِي، إجازة، قال أولهم: أَخْبَرَنَا به أبو عَبْد الله محمد بن غالي بن نجم الدمياطي، سماعاً عليه لأجزاء منه، وإذناً لسائره إن لم يكن سماعاً، وقال ثانيهم: أَخْبَرَنَا به الزَّيْن أحمد ابن النفيس هبة الله بن الحافِظ الرشيد أبي الحسين يحيى بن علي القُرَشِي ابن العَطَّار، سماعاً لبعضه، وإجازة لباقيه إن لم يكن سماعاً، وقال ثالثهم: أَخْبَرَنَا به الصدر أبو الفتح محمد بن محمد بن إبراهيم المَيْدُومي، وأبو الحسن علي بن أحمد العُرْضِي، قال أولهما: وكذا ابن العَطَّار، أَخْبَرَنَا به أبو الفضل عبد الرحيم بن يُوسُف بن يحيى الدِّمَشْقِي ابن خطيب المزة، سماعاً، زاد ابن العَطَّار، فقال هو وابن غالي: أَخْبَرَنَا به

النجيب أبو الفَرَج عَبْد اللطيف بن عَبْد المنعم الحَرَّاني، قال ابن غالي: سماعاً لما عدا الجزئين التاسع والعشرين والثلاثين، فإجازة، وقال الآخر: حضوراً وإجازة، وقال ابن الفُرات -وهو أعلى مما تقدم-: أَخْبَرَنَا به الشيخان أَبو العباس أحمد بن محمد بن الجُوخِي، وأبو حَفْص عُمَر بن الحسن بن مَزْيَد بن أُمَيْلَة المَرَاغِي، إذناً، قالا وكذا العُرْضِي: أَخْبَرَنَا به الفَخر أبو الحسن علي بن أحمد بن عبد الواحد ابن البُخَارِي، سماعاً، قال هو النجيب وابن خطيب المزة والبَكْرِي والمُنْذِرِي: أَخْبَرَنَا به أبو حَفْص عُمَر بن محمد بن معمر ابن طَبَرْزَد البَغْدَادِي، سماعاً، قال: أَخْبَرَنَا به الشيخان أبو البدر إبراهيم بن محمد بن منصور الكَرْخِي، وأبو الفَتْح مُفْلِح بن أحمد بن محمد الدُّومي سماعاً عليهما مُلَفَّقاً فعلى الأول للجزئين الأوَّلين، والخامس والسادس والثامن والثاني عشر، والرابع عشر، والسابع عشر، وما بعده إلى آخر الثاني والعشرين، والرابع والعشرين وما بعده إلى آخر الثلاثين والثاني والثلاثين وهو الأخير، وعلى الثاني لباقي الكتاب، مع الثاني، والثاني عشر أيضاً، قالا: أَخْبَرَنَا به الحَافِظ الكبير أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت البَغْدَادِي الخطيب، والتجزئة المشار إليها هي تجزئة نسخته، قال: أَخْبَرَنَا به أبو عُمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الهَاشِمِي، أَخْبَرَنَا به أبو علي محمد بن أحمد بن عمرو اللُّؤْلُؤِي، أَخْبَرَنَا به أبو داود سُلَيْمَان بن الأشعث الأَزْدِي السجستاني البَصْرِي الحَافِظ رحمه الله فذكره.

۴-الجامع لأبي عِيسَى التِّرْمِذِي

أَخْبَرَنِي به الشيخان العلامة الشَّمْس أبو عبد الله محمد بن علي القاياتي، سماعاً، والعز أبو محمد عبد الرحيم بن محمد الحنفي القاضي مشافهة، قال الأول: أَخْبَرَنَا به الحافظ الحجة الولي أبو زُرْعَة أحمد ابن حافظ الوقت الزَّيْن أَبِي الفَضْل عَبْد الرحيم بن الحُسَيْن العِرَاقِي، سماعاً لجميعه خلا من أول الميعاد الثاني إلى قوله فيه (ما جاء في تعجيل الفطر)، ومن أول العاشر إلى قوله فيه (ما جاء في تحذير فتنة النساء)، والحادي عشر بكماله، فإجازة، قال هو وشيخنا الثاني: أَخْبَرَنَا به أبو حَفْص عُمَر بن حسن بن أُمَيْلَة المَرَاغي، قال الولي: قراءة عليه، وأنا في الثالثة سَامِعُ فَهِمٌ، وقال العز: إجازة، قال: أَخْبَرَنَا به الفخر أبو الحَسَن علي بن أحمد بن عبد الواحد المَقْدِسِي الحَنْبَلِي، عرف بـ((ابن البُخَارِي))، أَخْبَرَنَا بِه أَبو حَفْصٍ عمر بن محمد بن معمر البَغْدَادِي عرف بـ((ابن طَبَرْزَد))، أَخْبَرَنَا به أبو الفَتْح عَبْد الملك بن أَبِي سَهْل بن أَبِي القاسم الكَرُوخِي، أَخْبَرَنَا بجميعه القاضي أبو عامر محمود بن القاسم بن محمد الأزدي، وأبو بَكْر أحمد بن عَبْد الصَّمَد الغُوْرَجِي، ومن اوله إلى مناقب ابن عباس أبو نَصْر عبد العزيز بن محمد بن علي بن إبراهيم التِّرْيَاقِي، ومن مناقب ابن عباس إلى آخر الكتاب أبو المُظَفَّر عبيد الله بن علي بن ياسين الدَّهّان، قال

الأربعة: أَخْبَرَنَا به أبو محمد عبد الجبار بن محمد بن عبد الله بن الجراح الجَرَّاحِي المَرْوَزِي، قال: أَخْبَرَنَا بِه أَبُو العَبَّاس محمد بن أحمد بن مَحْبُوب بن فضل المَحْبُوبِي المَرْوَزِي، أَخْبَرَنَا به الحَافِظ الحجة أبو عِيسَى محمد بن عيسى بن سَوْرَة التِّرْمِذِي رحمه الله، فذكره.

٥- السنن الصُّغْرَى للنِّسَائِي

قرأته على الحافظ المفيد الزَّيْن رضوان بن محمد المُسْتَمْلِي رحمه الله، قال: قرأته على أبي الحَسَن علي بن أحمد بن سلامة السُّلَمِي المَكِّي بها، وشافهني الحَافِظ الزَّيْن أبو الفضل عبد الرحيم بن الحُسَيْن العِرَاقِي، والبرهان أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد بن عبد الواحد التَّنُوخِي، قال الأول: أَخْبَرَنَا به أبو الفرج عبد الرحمن بن أبي الحسن علي بن محمد الثَّعْلَبِي، عرف بـ ((ابن القارئ))، قال: أَخْبَرَنَا به أبو الحسن علي بن نَصْر الله بن عُمر بن الصَّوَّاف، سماعاً من أوله إلى مباشرة الحائض، ومن (باب فرث ما يؤكل لحمه يصيب الثوب)، إلى العيدين، ومن الجنائز إلى (باب إحلال المطلقة ثلاثاً والنكاح الذي يحلها)، ومن قوله: ذكر الاختلاف على سُفْيَان في فضل الصدقة، إلى (بيع البُر بالبُر) ومن (أخذ الذهب من الوَرِق) إلى آخر الجزء الخامس والعشرين من تجزئة ثلاثين، وإجازة لسائره، وقال الثاني: أَخْبَرَنَا به ناصر الدين أبو عبد الله محمد ابن الشَّمْس أَبِي عَبْد الله محمّد بن أَبِي الفَضْل بن أبي القاسم الرَبَعي ابن التُوْنُسِي بقراءتي، قال: أَخْبَرَنَا بجميعه الشيخان أبو محمد عبد الله شاكر الله بن غلام الله ابن إسماعيل ابن الشَّمْعَة، وأبو عبد الله محمد بن عَبْد القوي ابن أَبي العز ابن عَزُون، وآخرون بأفوات، قالوا: كلهم أَخْبَرَنَا به أبو بكر عَبْد العزيز بن أحمد بن عُمر بن بَاقَا البَغْدَادِي، سماعاً، قال ابن الصَّوَّاف: لما قرئ عليه، وقال الثالث -أعني التَّنُوخِي-: أَخْبَرَنَا به أبو الصبر أيوب بن نِعْمَة النَّابُلُسِيَ الكَحَّال، سماعاً عليه من قوله (باب من أتى امرأته في حال حيضها) من كتاب الحيض إلى كتاب الوصايا، وهو قدر ثلثي الكتاب، وأبو العباس أحمد بن أبي طالب الصالحي الحَجَّار، سماعاً عليه، من قوله (ما يستحب من لبس الثياب) إلى آخر الكتاب، وإجازة منهما لسائره، قال الحَجَّار: أَخْبَرَنَا به أبو طالب عبد اللطيف بن محمد بن علي ابن القُبَّيْطِي، إجازة، قال هو وابن بَاقَا: أَخْبَرَنَا به أبو زُرْعَة طاهر بن محمّد بن طاهر المَقْدِسِي، سماعاً لجميعه إلّا ابن باقا، فلما عدا من أول الجزء الثالث إلى قوله في الخامس: (البداءة بفاتحة الكتاب) وسوى الجزء العشرين والذي يليه، فإجازة، وقال الكحال: أَخْبَرَنَا بالمقروء على: أبو عمرو عثمان بن علي، المعروف بـ: (([ابن] خَطِيب القَرَافة))، وأبو الفداء إسماعيل بن أحمد العراقي، سماعاً، كلاهما عن الحافظ أبي طاهر أحمد بن محمد بن أحمد السلفي، زاد الثاني وعن أبي الفتح عبد الله بن أحمد الخِرَقي، وأبي العباس أحمد بن أبي منصور، وأَبِي المَحَاسِن محمد بن عبد الخالق الجَوْهَرِيّ، وعبد

الرزاق بن إسماعيل القُومَساني، وابن عمه أبي سعيد المطهر بن عبد الكريم، قالوا كلهم وهم ستة، وكذا أبو زرعة: أَخْبَرَنَا به أبو محمد عبد الرحمن بن حمد الدُّوني، سماعاً، قال الخِرَقِي: لما عدا الأشربة والصيد والمحاربة والقضاء والبيعة والاستعاذة، فإجازة، قال: أَخْبَرَنَا به القاضي أبو نَصر أحمد بن الحسين ابن الكسَّار، قال: أَخْبَرَنَا به أبو بكر أحمد ابن محمد بن إسحاق الدينوري ابن السُّنّي الحَافِظ، قال: أَخْبَرَنَا به مؤلفه الحَافِظ أبو عبد الرحمن أحمد بن شُعَيب بن علي بن سنان بن بحر بن دينار النَّسَائِي، فذكره.

٦-السنن الكبرى له

[رواية ابن الأحمر]

أَخْبَرَنِي به الشيخان البدر أبو محمد الحسن بن محمد الحَسَنِي، وأبو عَبْد الله محمَّد بن عَبْد الله الخطيب، سماعاً على أولهما لليسير منه، وإجازةً منه لباقيه، ومن الثاني لجميعه، قالا: أَخْبَرَنَا به التاج أبو الفَضْل عَبْد الرحيم بن أحمد بن علي الكُوفِي الأَصْل الدِّمَشْقِي الحنفي، ابن الفصيح، سماعاً لجميعه إلا ما فات أولهما، فإجازة إن لم يكن سماعاً، قال أَخْبَرَنَا به أبو عمرو محمّد بن أَبِي عَمْرو عثمان بن يحيى بن أحمد الغَرْنَاطِي، عرف بـ((ابن المُرابط)). ح.

وأَخْبَرَنِي به عالياً العز أبو محمد ابن الفرات مشافهة، عن قاضي المُسلمين العز أَبِي عُمر ابن جماعة، كلاهما عن الأستاذ الحافظ أبي جعفر أحمد بن إبراهيم بن الزبير الثَّقَفِي العَاصِمي، قال ابن المرابط: سماعاً، قال أَخْبَرَنَا به الحافظ أبو الحسن علي بن محمد بن يحيى الغَافِقِي السبتي، عرف بـ((الشَّارِّي))، أَخْبَرَنَا به الإمام أبو محمد عَبْد الله بن محمَّد بن علي بن عَبْد الله الحَجْرِي، أَخْبَرَنَا به الإمام أبو جعفر أحمد بن عَبْد الرحمن البِطْرُوْجِي، أَخْبَرَنَا به الحَافِظ أبو عَبْد الله محمد بن فَرَج، مَوْلى ابن الطَّلاع، أَخْبَرَنَا به القاضي أبو الوليد يُونُس بن عَبْد الله بن مُغِيثَ الصَّفار. ح.

وقال شيخنا الأول: وأَخْبَرَنَا به أيضاً أبو طاهر الرَّبَعِي، سماعاً لبعضه، وإجازة لسائره، عن أم عبد الله ابنة الكمال، قالت: أنبأنا أبو القاسم الطَّرابلسي، عن الحافِظ أَبِي القاسم ابن بَشْكُوال، أَخْبَرَنَا به أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن عَتَّاب، أَخْبَرَنَا بِه أَبِي، أَخْبَرَنَا به القاضي أبو محمد عبد الله بن ربيع، قال هو والصَّفَّارِ: أَخْبَرَنَا به الحافظ أبو بكر محمد بن معاوية القُرَشِي، عرف بـ((ابن الأَحْمَر))، قال: أَخْبَرَنَا به مؤلفه الحَافِظ أبو عَبْد الرحمن النَّسَائِي رحمه الله، فذكره.

٧-السنن لابن ماجه

أَخْبَرَنِي به أمين الله في أرضه على سنة نبيه الشِّهَاب أبو الفَضْل أحمد بن علي ابن حجر رحمه الله

بقراءتي عليه، لما عدا من قوله: في آخر الدعوات: (ما يدعو به الرجل إذا خرج من بيته)، إلى آخر الكتاب، فتوفي قبل إكماله فأروي ذلك عنه إجازة مشافهة.

قال: قرأته على أَبِي العَبَّاس أحمد بن عُمر بن علي بن عَبْد الصَّمد بن أَبِي البَدْرِ البَغْدَادِيّ اللُّؤْلُوِي، نزيل القاهرة، وأبي الحسن علي بن محمَّد بن أَبِي المجد الدِّمَشْقِي، مفترقين، وكتب إلي أبو الخير أحمد ابن الحَافِظ الصَّلاح أبي سعيد خليل بن كَيْكَلْدِي العلائي، قال الأوّل: أَخْبَرَنَا به الحَافِظ أبو الحَجاج يُوسُف ابن الزكي عبد الرحمن المِزّي، والجمال داود بن إبراهيم بن داود بن العَطَّار، وأبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم ابن الخَبّاز، سماعاً لجميعه، والحَافِظ أبو عَبْد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذَّهَبِي، والصدر محمَّد بن علي بن أَسْعَد بن المُنَجَّا التَّنُوخِي، والشَّمْس أبو عبد الله محمد بن بن أحمد بن علي بن عبد الغني الرَّقِّي الحنفي، والشَّمس أبو عبد الله محمد بن محمد بن حسن بن نُبَاتَة الفارقي، سماعاً للجزء الأخير منه، وأوله (باب الأمل والأجل)، قال الثلاثة الأولون : أَخْبَرَنَا به العماد إسماعيل بن إسماعيل بن جُوسلين البَعْلِي الحَنْبلِي، سماعاً، زاد الأول، فقال هو والذَّهَبِي واللذان بعده: أَخْبَرَنَا به التاج عَبْد الخالق بن عَبْد السَّلام بن علوان البعلي، سماعاً، وزاد الأول وحده، فقال : وأَخْبَرَنَا به شيخ الإسلام الشَّمْس أبو الفرج عبد الرحمن ابن أَبِي عُمر محمد بن أحمد بن محمد بن قدامة المَقْدِسِي، سماعاً، وزاد الرابع والخامس، فقالا : وأَخْبَرَنَا به العز أبو الفداء إسماعيل بن عَبْد الرحمن بن عمرو، سماعاً، قال التَّنُوخِي: لجميعه، وقال الذَّهَبِي: للجزء الأخير منه فقط، قال الأربعة: أَخْبَرَنَا به الإمام الموفق أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة، سماعاً، وقال المزي والرَّقِّي أيضاً: أَخْبَرَنَا به أبو حَفْص عُمَر بن محمَّد بن عَبْد الرحمن بن علوان الأسدي، عرف بـ((ابن الأستاذ))، سماعاً عليه للجزء الأول فقط، وينتهي إلى الطهارة، وإجازة لسائره، قال الذَّهَبِي أيضاً: أَخْبَرَنَا به العلاء أبو السعيد سُنْقُر بن عَبْد الله القَضَائي الزَّيْني، قالا : أَخْبَرَنَا به الموفق أبو محمد عبد اللطيف بن يوسُف بن محمد البَغْدَادِي، وقال ابن نباتة أيضاً: أَخْبَرَنَا به أبو صادق محمد ابن الحافظ الرشيد أَبِي الحُسَيْن يحيى بن علي القُرَشِي، عرف بـ((ابن العطار))، قال: أَخْبَرَنَا به الصَّفِّي أبو بكر عبد العزيز بن أحمد بن عُمر بن باقا البَغْدَادِي، سماعاً، وقال ابن أَبِي المجد وابن العلائي -وهو أعلى مما تقدم- : أَخْبَرَنَا أَبُو العَبَّاس أحمد بن أَبِي طَالِب الحَجَّار، قال ابن العلائي سماعاً لمعظمه وإجازة لسائره، وقال الآخر: إجازة منه، ومن أبي محمد القاسم بن أبي غالب ابن عساكر، إن لم يكن سماعاً منهما، أو من أحدهما، ولو لبعضه، وإجازةً من أَبِي الرَّبيع سُلَيْمَان بن حمزة بن قدامة المَقْدِسِي، قال الأولان: أَخْبَرَنَا به أبو محمَّد عَبْد اللطيف بن محمد بن علي ابن القُبَيْطِي، وأَنْجَب بن أَبِي السعادات

الحمامي،في كتابهما، وقال الثالث: أَخْبَرَنَا به الإمام الشِّهَاب أبو حَفْص عُمَر بن محمد بن عَبْد الله السُّهْرُوَرْدِي، في كتابه، قال الستة - أعني هؤلاء الثلاثة - وابن باقا والموفقان البَغْدَادِي وابن قدامة: أَخْبَرَنَا به أبو زُرْعَة طاهر بن أبي الفضل محمد بن طاهر المَقْدِسِي، سماعاً لجميعه، إلّا ابن القُبَيْطِي، فلمّا عدا (من لبدر أسه) في كتاب المناسك، إلى قوله: (الأضاحي واجبة أم لا)، وإلا ابن باقا فلما عدا الجزئين الأول والأخير السابق تحديدهما، والجزء العاشر، وأوله (من اعتق عبدًا أو اشترط خدمته) وآخره (فضل الحرس والتكبير)، وإجازة منه لهما بسائره، قال أَخْبَرَنَا به الفقيه أبو منصور محمد بن الحسين بن أحمد بن الهيثم المُقَوِّمي القَزْوِيني، إجازة إن لم يكن سماعاً،ثم ظهر سماعه عليه لجميعه، قال: أَخْبَرَنَا به أبو طلحة القاسم بن أَبِي المُنْذِر الخطيب، قال: حَدَّثَنَا به أبو الحسن علي بن إبراهيم بن سلمة بن بحر القطّان، حَدَّثَنَا به أبو عَبْد الله محمد بن يزيد القزويني الحافظ، عرف بـ((ابن ماجه)) رحمه الله، فذكره. (ثبت شیخ الاسلام القاضی زکریا بن محمد الانصاری:۱۱۹ - ۱۶۳)

علامہ سخاوی کے مختصر حالات زندگی

آپ کا نام الحافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان السخاوی ہے، مصر کے ایک دیہات سخا میں ربیع الاول ۸۳۱ ہجری کو پیدا ہوئے، سب سے پہلے قرآن کریم کے حفظ کی نعمت سے سرفراز ہوئے پھر فقہ عربی، قراءت وغیرہ میں فوقیت حاصل کی، اس کے بعد علم فرائض وحساب اور میقات کے حصول کے لیے علماء سے رجوع کیا تقریباً چار سو سے زائد علماء کرام سے شرف تلمذ پایا، آخر میں شیخ الشہاب الحافظ ابن حجر العسقلانی سے فیضیاب ہوتے رہے، ان کی وفات تک ان کی شاگردگی اختیار کیے رکھی، العالی، النازل اور الکشف عن التراجم والمتون کی معرفت کے لیے ان کے ساتھ مشق کرتے رہے، اس کے بعد حلب، دمشق، القدس، نابلس، رملہ، بعلبک اور حمص وغیرہ کا سفر کیا، شیخ ابن حجر کی وفات کے بعد حج کی سعادت حاصل کی اور اس سفر میں ابوالفتح، البرہان الزمزمی، التقی بن فہد اور ابن ظہیرہ جیسے افاضل علماء سے اکتساب فیض کیا، پھر سماع وتخریج کے لیے قاہرہ واپس تشریف لائے، پھر ۸۷۰ ہجری میں دوبارہ حج بیت اللہ کی سعادت کے لیے روانہ ہوگئے، اس باسعادت سفر سے واپسی کے بعد شیخ ابن حجر کی الاذکار کی تخریج کا تکملہ لکھنا شروع کردیا، پھر ۸۸۵ ہجری میں بیت اللہ شریف کی زیارت کی، ۸۸۷ ہجری تک وہاں رہے، پھر ۸۹۲ھ میں حج کیا اور ۸۹۸ ہجری کے درمیان تک مکہ مکرمہ میں رہے اس کے بعد مدینہ طیبہ چلے گئے اور شعبان ۹۰۳ھ کو مدینہ طیبہ میں وصال فرماگئے، مشہور ومعروف مندرجہ ذیل تصانیف پیچھے چھوڑ گئے۔

(۱) فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث اس فن پر اس سے جامع اور تحقیق شدہ کوئی کتاب نہیں ہے، (۲) المقاصد الحسنہ فی بیان الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنہ۔ (۳) القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع (۴) الضوء اللامع۔ (۵) المنہل العذب الروی فی ترجمۃ النووی۔ (۶) الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ ابن حجر (۷) الفوائد الجلیلہ فی اسماء النبویہ۔ (۸) الفخر العلوفی المولد

النبوی۔(۹) رجحان الکفۃ فی مناقب اہل الصفۃ (۱۰) الاصل الاصیل فی تحریک النقل من التوراۃ والانجیل وغیر ذالک۔

اسناد الحافظ شمس الدین السخاوی رحمہ اللہ تعالی

قال الحافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمان السخاوي، عن الحافظ ابن حجر العسقلاني و الحافظ العيني وغيرهما. (المجمع المؤسس للمعجم المفهرس: ۳/۴۱۴)

قال الحافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمان السخاوي، عن الحافظ ابن حجر العسقلاني وعن الحافظ بدر الدين محمود العيني والمسند محمد بن مقبل الحلبي وغيرهم. (المجمع المؤسس للمعجم المفهرس: ۳/۳۸۸)

قال الحافظ عبد العزيز فهد المكي والقاضي زكريا الأنصاري والشرف عبد الحق السنباطي "والحافظ السخاوي" كلهم، عن الحافظ ابن حجر العسقلاني، وعن غيره. (المجمع المؤسس للمعجم المفهرس: ۳/۴۰۴)

نیز یہی سند **ذخيرة العقبي في شرح المجتبي (لمحمد بن علي بن آدم بن موسى الإثيوبي الوَلَّوِي، (ت ۱۴۴۲ هـ): ۱/۱۰۷**، اور **تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي (لأبي العلا محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفوري (ت ۱۳۵۳ هـ): ۱/۶** کے مقدمے میں مذکور ہے۔

شیخ الاسلام مفتی اعظم مکہ مکرمہ
امام ابن حجر مکی شافعی قادریؒ

نام ونسب:

شیخ الاسلام، ابوالعباس، شہاب الدین احمد بن محمد بدرالدین بن محمد شمس الدین بن علی نورالدین بن حجر ہیتمی، مکی۔

آپ کی کم عمری میں ہی والد گرامی کا انتقال ہوگیا تھا، اس کے بعد آپ کے پردادا نے آپ کی پرورش کی، ان کی عمر مبارک ۱۲۰ سال کے قریب ہوئی، پھران کے وصال کے بعد آپ کے والد گرامی کے شیوخ میں شیخ امام شمس الدین محمد السروی معروف ابن ابی الحمائل متوفی ۹۳۲ھ اور شیخ امام احمد الشناوی شاگرد خاص شیخ الاسلام الشرف المناوی علیہ الرحمہ نے آپ کی پرورش کی۔

اس زمانہ میں "محلہ ابن الہیتم" کے محلات میں فساد رونما ہونے لگا تو آپ کے شیخ شمس الدین احمد الشناوی آپ کو ہمراہ لے کر عارف باللہ سید احمد البدوی علیہ الرحمہ کے علاقے "طنطا" میں ان کے قائم کردہ مدرسے میں حاضر ہوئے اور آپ کو وہاں داخل کروادیا۔ یہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر کچھ عرصہ بعد ۹۲۴ھ میں شیخ مذکور نے آپ کو کعبہ علوم وعرفان جامعہ ازہر میں داخلہ کروادیا۔ آپ نے مسلسل کئی سالوں تک اعاظم واکابر علمائے کرام سے علوم وفنون میں

اکتساب کیا اوران میں مہارت تامہ حاصل کی اوراپنے شیوخ واساتذہ سے درس وتدریس،تالیف وتصنیف اورفتاوی کی اجازت حاصل کی۔ ’’نفائس الدرر‘‘میں آپ کے شاگرد ابوبکر بن محمد سیفی شافعی نے لکھا ہے:

۹۲۹ھ میں شیخ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ کے شیوخ نے انہیں اجازت افتاء وتدریس عطا فرمائی اوراس وقت شیخ ابن حجر مکی کی عمر مبارک ۲۰ سال تھی۔

شیخ ابن حجر مکی کے شیوخ واساتذہ کرام

شیخ الاسلام امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے کثیر اعاظم واکابر ائمہ کرام سے اکتساب علم وفیض کیا ہے جن کی تفصیل کتب مطولات میں درج ہے بلکہ شیخ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے اپنے اساتذہ وشیوخ کے تذکرہ پر مشتمل دو کتابیں بھی لکھیں ہیں:

(۱) معجم وسط (۲) معجم صغیر

اول کا مخطوطہ دارالکتب المعرفہ میں ’’مجامیع‘‘ کے ضمن میں تحت الرقم ۲۵ پر موجود ہے۔

(۱) شیخ الاسلام ابو یحیٰ زکریا انصاری مصری شافعی،المتوفی ۹۲۶ھ

(۲) شیخ امام زین الدین عبدالحق بن محمد السنباطی،لمتوفی ۹۳۱ھ

(۳) شیخ شمس الدین محمد السروی المعروف ابن ابی الحمائل،المتوفی ۹۳۲ھ

(۴) شیخ شہاب الصائغ الحنفی،المتوفی ۹۳۴ھ

(۵) شیخ شمس الدین الدلجی الشافعی العثمانی،المتوفی ۹۴۷ھ

(۶) شیخ احمد بن عبدالحق السنباطی الشافعی المصری،المتوفی ۹۵۰ھ

(۷) شیخ ابوالحسن البکری الشافعی،المتوفی ۹۵۲ھ

(۸) شیخ الاسلام شہاب الرملی الشافعی،المتوفی ۹۵۷ھ

تذکرہ شیخ شرف عبدالحق سنباطی

نام ونسبت: آپ کا اسم شریف عبدالحق بن محمد،لقب شرف الدین،آپ کی نسبت سنباطی،قاہری اورشافعی ہے۔

سلسلہ نسب: شیخ محی الدین عیدروسی نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:عبدالحق بن محمد بن محمد بن عبدالحق السنباطی۔

ولادت: جمادی الاولی وجمادی الاخری ان میں سے کسی ایک میں ۸۴۲ھ میں بمقام سنباط تولد فرمایا۔

تعلیم وتربیت: آپ اپنے مقام سنباط میں پروان چڑھے اوروہیں ابتدائی تعلیم پائی،پھراس کے بعد آپ کے والد محترم آپ کو لے کر شہر قاہرہ میں فروکش ہوئے،پس آپ نے وہاں مختلف فنون کی کتابیں پڑھی،جن میں سے علم حدیث بھی ہے اورآپ نے یہ کتابیں اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کے روبرو ہوکر پڑھی،بالخصوص جلال بلقینی،جلال محلی اور ابن الہمام جیسی شخصیات سے؛ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ نے فقہ،تفسیر،حدیث وغیرہ فنون اپنے زمانہ کے نامور حضرات

سے پڑھ کر علمی فیض پایا، پھر آپ کو شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی اور بدر العینی اور دیگر حضرات نے درس حدیث و صوفیت اور ان کے علاوہ دیگر چیزوں کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تلامذہ: جب آپ تدریس حدیث وغیرہ کی اجازت سے نوازے گئے تو آپ مکہ ومدینہ کی مجاورت اختیار کر کے مسند درس پر جلوہ نما ہوئے، اور ایک مدت مدید تک درس حدیث وغیرہ دیتے رہے، جس کے نتیجہ میں ایک کثیر تعداد طلبہ کی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے ظاہری وروحانی علم سے سرفراز ہوئی۔

وفات: ماہ رمضان ۹۳۱ھ بوقت فجر آپ اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ (النور السافر: ۱۵۲، ۱۵۵، شذرات الذہب: ۱۷۹/۸، الضوء اللامع: ۳۰۷/۴، الکواکب السائرہ: ۲۲۱/۱)

شیخ ابوالحسن البکری الشافعی
متوفی ۹۵۲ھ

ان کا نام محمد بن محمد بن عبد الرحمن البکری صدیقی شافعی ہے، جامعہ ازہر کے اکابر علمائے کرام میں شمار ہوتے ہیں، شیخ الاسلام زکریا انصاری کے قابل فخر تلامذہ میں سے ایک ہیں، شیخ ابن حجر مکی نے جامعہ ازہر میں آپ سے کئی علوم وفنون میں استفادہ کیا اور شیخ ابن حجر کے لئے انتہائی شرف کی بات ہے کہ ان کے ساتھ شیخ الاسلام زکریا انصاری کے سامنے صحیح مسلم پڑھنے کی سعادت حاصل کی، نیز شیخ ابن حجر مکی نے ۹۳۴ھ میں اپنا پہلا حج بھی ان کے ساتھ ادا کیا۔

شیخ ابن حجر مکی کے شاگردان

شیخ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے اپنی باقیات صالحات میں کثیر اکابر واجلہ شاگردان کا جم غفیر بطور یادگار چھوڑا ہے، ویسے تو شیخ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے جامعہ ازہر میں ہی تدریس کی ابتداء کر دی تھی لیکن آپ کی تدریسی زندگی کی حقیقی معراج مکہ مکرمہ میں ہوئی اور یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت فضل وکرم ہے کہ تدریسی زندگی کی معراج کا سفر اس مقدس شہر سے کرایا جہاں سے اپنے پیارے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قرب خاص کے لئے معراج کا سفر کرایا بلکہ اسی مقام سے متصل جگہ سے جہاں سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاب قوسین او ادنی کی جانب تشریف لے گئے تھے کیونکہ شیخ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ حرم مکہ میں مقامِ ابراہیم کے سامنے تدریس فرماتے تھے۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡم

آپ سے کثیر خلق خدا نے اکتساب علم کیا یہاں چند مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہے:

(۱) شیخ عبد القادر بن احمد بن علی فاکہی مکی، (ولادت ۹۲۰ھ وفات ۹۸۲ھ)

(۲) شیخ عبد الرؤف بن یحیی مکی شافعی الواعظ، (ولادت ۹۳۰ھ وفات ۹۸۴ھ)

(۳) شیخ جمال الدین محمد طاہر پٹنی ہندی مکی، (ولادت ۹۱۳ھ وفات ۹۸۶ھ)

(۴) شیخ محمد بن احمد بن علی فاکہی مکی حنبلی، (ولادت ۹۲۳ھ وفات ۹۹۲ھ)

(۵) شیخ احمد بن قاسم العبادی قاہری شافعی، (ولادت ــــ وفات ۹۹۴ھ)

(6) شیخ عبد الکریم بن محب الدین حنفی مکی قطبی، (ولادت ۹۶۱ھ وفات ۱۰۱۴ھ)

(۷) شیخ علی بن سلطان محمد ملا علی القاری مکی حنفی، (ولادت ــــ وفات ۱۰۱۴ھ)

(۸) شیخ ابوبکر بن اسماعیل شنوانی مصری شافعی، (ولادت ۹۵۹ھ وفات ۱۰۱۹ھ)

(۹) شیخ حسام الدین علی متقی حنفی ہندی، (ولادت ۸۸۵ وفات ۹۷۵ھ)

(۱۰) شیخ ابوبکر بن محمد السیفی الشافعی، (ولادت ــ وفات قریباً ۹۷۵ھ)

اسناد شیخ الإسلام ابن حجر الهیتمی المکی

ذِکرُ "صحیح" الإمام البخاري

ذكر المصنِّفُ في كتابه هذا عشرةً من شيوخه:

أولهُم - بحَسَبِ ترتيبه: شيخ الإسلام القاضي زكريا بن محمد الأنصاري الشافعي (٩٢٦-٨٢٣هـ).

ثانيهم: الإمام الحافظ الفقيه زين الدين عبد الحق بن محمد السنباطي الشافعي (٨٤٢-٩٣١هـ).

ثالثهم: الإمام الحافظ المفنن جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي الشافعي (٩١١-٨٤٩هـ).

قال شيخُنا الأول: أخذتُهُ عن شيخنا إمام الأئمة الشهاب ابن حَجَر بقراءتي لجميعه عليه، قال: أنا به النجم عبد الرحيم بن رزين الحَمَوِيُّ وإبراهيمُ بنُ أحمد التَّنوخي سماعاً عليهما لجميعه، قالا: أنا به أحمد بن أبي طالب الحجّار سماعاً عليه، قال: أنا به الحسينُ الزَّبيدي سماعاً، أخبرنا أبو الوقت عبد الأول السِّجْزِيُّ الهَرَوِيُّ سماعاً، أنا به أبو الحسن عبد الرحمن الدّاوُودي، أنا به عبد الله بن أحمد بن حَمُّويَهُ السَّرَخْسِي، أنا به أبو عبد الله محمد بن يوسف الفِرَبْري، أنا به مؤلّفه، فذَكَره.

وقال شيخُنا الثاني: أخبرنا به حافظ العصر الشهاب بن حجر العَسْقَلاني، أنا به المسند العفيفُ النَّشاوُريُّ المكيّ، أنا به إمامُ المقام الإبراهيمي الرَّضِيُّ الطَّبري، أنا به أبو القاسم بن أبي حَرَميّ، أنا به أبو الحسن الطرابلسي، أنا به أبو مَكْتُوم عيسى بن الحافظ أبي ذَرِّ الهَرَويّ، أنا به والدي الحافظ أبو ذر، أنا به أبو محمد بن حَمُّويَة السَّرَخْسِي، و أنا به أبو إسحاق المُسْتَمْلي، أنا به أبو عبد الله محمد بن يوسف الفِرَبْري، أنا به مؤلّفه، فذَكَره.

وقال شيخنا الثالث: أنبا به الجلالُ القُمُّصيُّ والمحبُّ بنُ الأَلواحي، قالا: أنا به أبو الحسن بن أبي المجد الدمشقي، أخبرتنا به وزيرة التنوخية، أنا به الحسين بن المبارك الزَّبيدي، أنا به أبو الوقت عبد الأول السِّجْزي، أنا به أبو الحسن الداوودي، أنا به أبو محمد بن حمويه الحَمَوِيّ، أنا به الفِرَبْرِي، أنا به مؤلّفه، فذكره.

ح وأخبرني به شيخُنا العَلَم البُلْقِيني، عن والده شيخ الإسلام المجتهد السراج البلقيني، أنا به جمال الدين المعروف بشاهد الجيش، أنا به إسماعيل بن غَزُون وأحمدُ بنُ علي الدمشقي وعثمانُ بنُ رَشيق، قالوا: أنا هبةُ الله البوصِيري وأبو عبد الله الأَرتاحيّ، قال الأول: أنا أبو عبد الله محمد بن هلال السَّعِيدي النحوي وأبو صادق المديني، وقال الأَرْتاحي: أنا أبو الحسن بن نَجم الموصلي، قالوا جميعاً: أخبرتنا به كريمةُ المَرْوَزية، أنا أبو الهَيْثَم محمد بن مَكّيّ الكُشْمِيهَني، أنا به الفِرَبْري، أنا به البخاري، فَذَكَره.

ذِكْرُ سَنَدِنا في ''صَحيح'' مُسْلِم بن الحجاج ابن (مُسْلِم بن كُوشاذ القُشَيْرِي) رضي الله عنه

قال شيخنا الأول: أخبرني حافظ العصر العَسْقلاني، أنا به خاتمة المحققين المُسْنِدين الشَّرَف التَّكْرِيتي الأصل القاهري، أنا به الزَّينُ عبد الرحمن المقدسي الحنبلي، وأنا به الشَّمسُ ابن القمّاح، قالا: أنا به أبو إسحاق بن مُضَرِ الوَاسِطي، أنا به الرَّضِيُّ الطُّوسِيُّ ومنصورُ الصَّاعديُّ الفُرَاوِيّ، أنا فقيه الحَرَم أبو عبد الله محمد بن الفَضْل بن أحمد الصاعديُّ الفُرَاوِيُّ، أنا به أبو الحسين عبد الغافر الفارسي النيسابوري، أنا به أبو أحمد بن عَمْرَوَيْه الجُلُودِيُّ النَّيسابوري، أنا به إبراهيمُ بنُ سُفيان الفقيه الزاهد، قال: أنا به مؤلّفه سماعاً لجميعه إلا ثلاثة أفوات، كان ابنُ سُفْيان يقول فيها: "عن مسلم" ولا يقول: "أنا مسلم". قال الحافظ ابن الصلاح: "فلا نَدْرِي حَمَلَها عنه إجازةً أو وجادة".

وقال شيخُنا الثاني: أخبرنا به الإمام المسند مفتي المسلمين البدرُ علي البَارْ نَباري سماعاً عليه وعلى آخرين بقراءة الحافظ الشمس السَّخاوي في أربعة عشر مجلساً عام ثلاث وستين وثمانمئة بدار الحديث الكاملية من القاهرة المُعِزِّية، أنا به الشَّرفُ أبو الطاهر بن الكُوَيْك الرَّبْعِيُّ سماعاً لجميعه، أنا الزينُ أبو الفرج عبد الرحمن بن محمد بن عبد الهادي، أنا به المشايخ الخمسة عشر ؛ منهم أبو عبد الله محمد بن أبي بكر ابن عبد الدائم، أخبرنا به محمد بن صدقة الحرّاني، أنا فقيه الحرم محمد بن الفَضْل الصَّاعِديُّ الفُرَاوِيُّ سماعاً، أنا به الإمام عبد الغافر الفارسي النيسابوري، أنا به أبو أحمد محمد بن عيسى الجُلُودي، أنا به الفقيه أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن سفيان الزاهد النيسابوري، أنا به مؤلفه الإمام أبو

الحسين مسلم سماعاً لجميعه، خَلَا الثلاثة الأفوات المشهورة، فإجازةً فَذَكَره.

قال شيخنا الثالث: أخبرنا به شيخنا شيخ الإسلام العَلَمُ البُلْقِيني وشيخنا الإمام التقي أحمد بن الكمال الشُّمُنّي، قال الأول: أنا به والدي، أنا به الشمس ابن القماح، أنا به إبراهيم بن عمر بن مُضَر. ح وقال الشُمُنّي: أنا به الشرفُ بن الكُوَيْك، أنا به عبد الرحمن بن عبد الهادي المقدسي، أنا به ابنُ عبد الدائم سماعاً، وأبو إسحاق بن مضر إجازةً، قال ابن عبد الدائم: أنا به محمد بن صدقة الحراني سماعاً، وقال ابنُ مضر: أنا به أبو الفتح منصور بن عبد المنعم بن عبد الله بن محمد بن الفضل الفُرَاوي سماعاً، والمُؤَيّد بن محمد الطوسي إجازةً.

قال الثلاثة: أنا فقيه الحَرَم محمدُ الصَّاعديُّ الفُرَاوي، أنا به عبد الغافر الفارسي، أنا به الجُلُودي، أنا به إبراهيم بن سفيان أنا به مُسلم سماعاً عليه سوى ثلاثة أفواتٍ كان إبراهيم يقول فيها ما مرَّ مع كلام ابن الصَّلاح.

قال شيخنا البُلْقِينيُ: وأنا به عالياً أبو إسحاق التَّنوخي، عن سُليمان بن حمزة، عن أبي الحسن علي بن الحسين ابن المُقَيّر، عن الحافظ محمد بن ناصر السَّلَامي، عن الحافظ عبد الرحمن ابن منده عن الحافظ محمد بن عبد الله بن محمد بن زكريا بن الحسن الجَوْزَقي، عن مَكّيّ بن عَبْدان النّيسابوري، عن مسلم. قال الحافظ ابن حجر: "هذا السَّندُ في غاية العلو، وهو جميعه بالإجازات".

"سنن" أبي داود السجستاني

قال شيخنا الأول: أنا به القاضي العزُّ بن الفرات الحنفي، أنا به أبو حفص عمرُ ابنُ الحسين المَرَاغِيُّ إذناً، أنا به أبو الحسن المقدسي الحنبلي، عُرف بابن البخاري، أنا به عمر بن طَبَرْزَذ البغدادي، أنا به إبراهيم بن محمد بن منصور الكَرْخي، أنا به الحافظ الكبيرُ أبو بَكْرٍ الخطيب البغدادي، أنا به أبو عمر القاسمُ الهاشمي، أنا به محمد اللُّؤْلُؤي، أنا به مؤلّفه، فَذَكَره.

قال شيخُنا الثاني: أخبرني به المسندُ الإمامُ على بن أحمد البكتمري سماعاً عليه لجمعيه بقراءة الحافظ الإمام الشَّمس السَّخاوي في عشرة مجالس، أنا به جَدِّي شيخُ النُّحاة الشمسُ الغُماري المالكي، أخبرنا به الضّياءُ القَسْطَلَانيُّ المكي المالكي، أنا به الفخرُ عثمانُ التَّوْزَري، أنا به أبو الحسن على بن الحسين، أنا به أبو المعالي الفَضْلُ الإسْفَرايِيني، أنا به الحافظ أبو بكر الخطيب، أنا به أبو عمر القاسم بن جعفر الهاشمي، أنا به أبو علي محمد اللُّؤْلُوي، أنا به مؤلّفه، فذَكَره.

وقال شيخُنا الثالث: أخبرني به المسند زكي الدين أبو بكر بن صَدَقة بن علي المناوي، أنا به أبو

علي محمد بن أحمد المَهْدَويُّ المعروف بابن المُطَرِّز، أنا به أبو المحاسن يوسف بن عمر الخُتَني، أنا به الحافظ الزكي المنذري وأبو الفضل محمد ابن محمد البَكْري قالا: أنا به أبو حفص عمر بن طَبَرْزَذ البغدادي،أنا به أبو البدر إبراهيمُ الكَرْخي وأبو الفتح مُفْلِحُ بنُ أحمد الدومي، قالا: أناالحافظ أبو بكر الخطيب البغدادي.

ح قال المهدَويّ: وأنابه عالياً أبو النُّون يونس بن إبراهيم بن عبد القوي الدَّبوسي، عن أبي الحسن بن أبي الحسين بن المُقَيَّر، عن الفضل بن سهل الإِسْفَرَاييني، عن الخطيب قال: أناأبو عمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الهاشمي، أنا به اللُّؤْلُؤي، أنا به مؤلّفه.

ح وأخبرني به عالياً بدَرَجة أخرى مسند الدنيا أبو عبد الله محمد بن مُقْبِل الحَلَبِي إجازةً من حَلَب، عن الصَّلاح محمد بن أبي عمر المقدسي، عن الفَخْر بن البخاري، عن أبي المكارم أحمد بن محمد بن اللَّبَّان، عن أبي علي الحداد، عن الحافظ أبي نُعيم الأَصْبَهاني، عن أبي بكر بن دَاسَة، أنا أبو داود به.

قال الحافظانِ أبو زُرْعة بنُ الزَّيْن العراقي وأبو الفضل الشهاب ابن حجر العسقلاني: "هذا السند إجازة إلى ابن داسة، وهو أعلى ما يوجد في الدنيا".

"الجامع الكبير" و"العِلَل" بآخِره للحافظ الكبير والعَلَم الشهير أبي عيسى الترمذي

قال شيخنا الأول: أخبرني به الإمام الشمسُ القاياتي، أنا به الحافظ أحمد أبو زُرْعةابن حافظ الوَقْتِ الزَّيْن العراقي، أنا به عمرُ المراغي، أنا به أبو الحسن علي بن البخاري، أنا به عمر بن طَبَرْزَد، أنا به عبد الملك الكَرُوخي، أنا به القاضي محمود الأزدي، أنا به عبد الجبار الجرّاحى، أنا أبو العباس محمدُ المَرْوَزِيّ، أنا به مؤلّفه، فَذَكَرَه.

وقال شيخنا الثاني: أخبرنا به شيخُ الإسلام والحفَّاظ الشهابُ بنُ حَجَر، أنا به شيخ القراء البرهانُ التنوخي البَعْليّ، أنا به عالياً أبو محمد القاسمُ بنُ عَسَاكِر كتابة، أنا به أبو السعادات عبد الرحمن بن محمد بن مسعود كتابة، أنا به أبو جعفر محمد بن علي بن صالح، أنا به القاضي أبو عامر الأَزْديّ، أنا به عبد الجبار الجراحي، أنا به أبو العباس محمد بن أحمد بن مَحبوب المَحْبُوبي، قال: أنا به مؤلّفه، فَذَكَرَه.

وقال شيخنا الثالث: أخبرني به المسندانِ أبو العباس أحمد بن عبد القادر بن محمدبن طَرِيف الشَّاوِيّ، وأبو الفضل محمد بن عمر بن عمر بن حصن الأَزْهَري قالا: أنا به أبو إسحاق التنوخي، أنا به أبو الحسن علي بن محمد بن ممدود بن جامع البَنْدَنِيجي، أنا به أبو منصور محمد بن علي بن عبد الصَّمَد

البغدادي المعروف بابن الهَنِيّ، أنا به الحافظ أبو محمد عبد العزيز بن محمود بن الأخضر، أنا به أبو الفتح عبد الملك بن أبي سهل بن أبي القاسم الكرُوخي.

ح قال البَنْدَنِيجي: وأنا به عالياً بدرجة أبو محمد عبد الخالق بن الأَنْجَب النَّشْتَبْري إجازة عن الكَرُوخي، أنا به أبو عامر الأزدي وأبو بكر أحمد بن عبد الصمد الغُورَجي، قالا: أنا عبد الجبار المَرْوَزي، أنا أبو العباس بن محبوب، أنا الترمذي به.

شمائل الترمذي

قال شيخنا هذا وأخبرني بـ"شمائل الترمذي" شيخنا البهاء الخضري الحلبي المعروف بابن المصري، أنا عمرُ بنُ أُيَدَغْمُش، أنا أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن عبد القاهر النَّصِيبي وغيرُه، قالوا: أنا عبد الكريم بن عثمان العَجَمي، أنا افتخار الدين أبو هاشم عبد المطلب الهاشمي، أنا به أبو شُجاع عمرُ البَسْطامي.

ح وأخبرني به عالياً العَلَمُ البُلْقِيني، عن عُمَر البالسي، أنبأتنا زينب بنتُ الكمال المقدسية سماعاً من عَجِيبة بنتِ أبي بكر البغدادية عن القاسم بن الفضل، قالا: أنا أبو القاسم البلخي، أنا أبو القاسم الخزاعي، أنا الهيثم بن كُلَيب الشَّاشي، حدثنا الترمذي به، فذَكَرَه.

"ذِكْرُ"

"سُنَنِ النَّسَائِي الكُبرى"

قال شيخنا الأول: أخبرني بها عالياً العزُّ بنُ الفُرات الحنفي، عن القاضي العز بن جَمَاعة، عن الحافظ أبي جعفر العاصمي، قال: أنا به الحافظ أبو الحسن الشاري، أنا به الإمام عبد الله الحَجْرِي، أنا به الإمام أبو جعفر أحمد البِطْرَوْجي، أنا به الحافظ محمد بن فرج مولى ابن الطَّلّاع، أنا به القاضي أبو الوليد يُونُس الصَّفَّار، أنا به الحافظ أبو بكر محمد بن معاوية القُرَشِيُّ عُرِفَ بابن الأحمر، قال: أنا به مؤلّفه الحافظ النَّسَائِيُّ فَذَكَرَه.

وقال شيخنا الثاني: أخبرني به أَجِلَّاء؛ منهم البدر النَّسَّابة سماعاً لجميعه بقراءة الحافظ الشَّمسِ السَّخاوي، أنا به شيخ الإسلام والحفاظ وخاتمة المُسْنِدِين زينُ الدين الإمام أبو الفضل عبدُ الرَّحيم العراقي.

ح وأنبأنا بها عالياً الإمامُ الرُّحَلة العزُّ بنُ الفُرات الحنفي العامري، قال هو والعراقي: أنا بها العزُّ أبو عمر بن البدر بن جَمَاعة الكِناني، قال الأول: إذناً. والثاني: سماعاً. أنا بها الحافظ أبو جعفر العَاصِميّ، أنا الحافظ الشَّاري، أنا بها الإمام أبو محمد عبد الله بن محمد بن محمد الحَجْري سماعاً، أنا الحافظ أبو

جعفر البِطْرَوْجي قراءةً، أنا الحافظ محمد بن فرج مولى ابن الطّلاع، أنا القاضي يونس الصَّفَّارِ القُرْطبي، أنا الحافظ أبو بكر بن الأحمر القرشي، أخبرنا بها مؤلّفها، فَذَكَرَها.

وقال شيخنا الثالث: أخبرني به القاضي ناصر الدين الزِفتاوي والشمس محمد بن محمد الحريري التنكزي، قال الأول: أنا به تاج الدين أبو الفضل عبد الرحيم بن أحمد بن علي الدمشقي الشهير بابن الفَصِيح، وقال الثاني: أنا به الشَّرفُ أبو الطاهر ابن الكُوَيْك، قالا: أنا به أبو عمرو محمدُ بنُ عثمانَ الغَرْناطِيُّ المعروف بابن المُرَابط، قال الثاني: إجازةً. قال: أنا العلامة أبو جعفر أحمد بن إبراهيم بن الزبير، أنا به أبو الحسن علي بن محمد بن علي الغافِقيُّ الشَّارِيُّ ما بين قراءة وسماع، أنا أبو محمد عبد الله بن محمد بن علي الحجري، أنا به أبو جعفر أحمد بن عبد الرحمن البِطْرَوْجي، أنا محمدُ بنُ فَرَج مَوْلى بن الطّلّاع، أنا به القاضي يونس بن الصَّفّار، أنا ابنُ الأحمر، أنا النسائي به.

قال ابنُ الكُوَيْك: وأخبرتني به عالياً زينب بنتُ الكمال إجازة، عن أبي القاسم عبد الرحمن بن مَكِّيّ سِبْط السِّلَفي، عن أبي القاسم خَلَف بن بَشْكُوال، أنا عبد الرحمن بن محمد بن عتّاب، أنا أبي، أنا عبد الله بن ربيع، أنا ابنُ الأَحمر به.

ذِكْرُ "سُنن ابن ماجه"

قال شيخُنا الأول: أخبرني به أمينُ الله في أرضه على سُنة نبيه الشهاب أبو الفضل أحمد بن علي بن حَجَر رحمه الله قراءةً على أبي العباس اللُّؤْلُؤي، أنا به الحافظ يوسف بن زَكِي المزيّ، أنا به شيخ الإسلام الشمسُ بن قدامة الحَنْبلي، أنا به الإمامُ الموفّقُ بن قدامة، أنا به أبو زُرْعة بنُ محمد بن طاهر المقدسي، أخبرنا به الفقيه أبو منصور القزويني، أنا به أبو طلحة الخطيب، ثنا به علي بن بحر القَطّان، ثنا به مؤلّفه، فذَكَرَه.

وقال شيخنا الثاني: أخبرني به أئمةٌ كثيرون، منهم الإمام المسند النورُ البكتمري الغُماري سماعاً لجميعه في أربعة مجالس بقراءة خاتمة الحفاظ الشَّمس السَّخاوي، أنا به المسند المكْثِر أبو العباس أحمد بن عمر بن علي البغدادي الجَوْهَرِيّ، أنا به المشايخ الستة؛ منهم الإمام الحافظ المِزّيُّ، أنا به الإمام أبو الفرج بن قدامة المقدسي، أنا به الموفق بن قدامة المقدسي، أنا به الفقيه محمد بن حسين المُقَوِّمي، أنا به القاسم بن أبي المنذر الخطيب، نا به أبو الحسين علي بن بَحْر القطان، ثنا به مؤلّفه.

وقال شيخنا الثالث: أخبرني به المسند بهاءُ الدين أبو البقاء محمد بن عبد العزيز البُلْقِيني والحافظ التقيُّ بنُ فَهْد الهاشمي قالا: أنا به أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن صديق الدمشقي، عن أبي العباس الحَجّار، عن الأنجَبِ بن أبي السَّعاداتِ الحَمّامي، أنا أبو زُرْعة بن محمد بن طاهر المقدسي، أنا به أبو منصور القزويني،

أنا القاسم الخطيب، أنا أبو الحسن بنُ بَحر القَطّان، أنا مؤلّفه.

ح وأخبرني به أبو الفضل بنُ حِصْن وخديجة بنت أحمد بن علي بن خلف بن عبد العزيز بن بَدْرَان الحُسَيْني إجازةً، قالا: أنا أبو العباس أحمدُ بنُ عمر الجَوْهَري، أنا الحافظ أبو الحجاج المِزّيّ، أنا عبد الخالق بن عَلْوَان، أنا موفَّقُ الدين عبد الله بنُ أحمد بن قدامة، أنا أبو زُرْعة المقدسي به. (ثبت الإمام شيخ الإسلام ابن حجر الهيتمي المكی: ۲۹۶-۳۵۰)

حضرت سید محمد جعفر بن جلال بدر عالم (رحمۃ اللہ علیہ)

(متوفی ۱۰۸۵ھ/ ۱۶۷۵ء)

خانوادۂ حضرت شاہ عالم کے چمکتے ہوئے ستاروں میں سے ایک حضرت جعفر بدر عالم بھی تفسیر وحدیث نیز دیگر کئی موضوعات مثلاً اوراد و وظائف اور سوانح پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ **الصحیح للبخاری** پر آپ کی عربی شرح **الفیض الطاری** دو جلدوں میں ملتی ہے۔

آپ کے والد حضرت سید جلال مقصود عالمؒ (۱۰۵۷ - ۱۰۰۳ / ۱۶۴۷ - ۱۵۹۴) بڑے عالم اور فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کا تخلص رضا تھا۔ حضرت بدر عالم کی ولادت احمد آباد میں ۱۲ شعبان ۱۰۲۳ / ۷ ستمبر ۱۶۱۴ میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ اچھے کاتب بھی تھے۔ اپنی تصانیف کی خود کتابت کرتے تھے۔ آپ بڑے زود نوشت تھے اور قرآن مجید کی کتابت ۵۴ گھنٹوں میں مکمل کر لیتے تھے، آپ کے والد کے بعد، جو مغل بادشاہ شاہ جہان کے صدر الصدور اور چھ ہزار کے منصب دار تھے، بدر عالمؒ کو اسی عہدے اور منصب کو قبول کرنے کو کہا گیا لیکن آپ نے علمی اور روحانی افتاد وطبیعت کی وجہ سے سجادہ نشینی کو اس منصب ملیلہ پر ترجیح دی۔ آپ کی وفات ۹ ذی الحجہ ۱۰۸۵ / ۲۴ فروری ۱۶۷۵ کو ہوئی اور رول آباد، احمد آباد میں حضرت شاہ عالمؒ کے روضہ کے احاطہ میں مسجد کے جنوب میں واقع مقبرہ میں جو روضۂ ثانی کے نام سے مشہور ہے آپ مدفون ہیں۔

آپ کی سب سے زیادہ قابل قدر تصنیف روضات شاہی ہے، اس کی ۲۴ جلدوں میں محدثین ومفسرین اور اولیاء کرام کے سوانح قلم بند کئے گئے ہیں، روضات شاہی کی جلد اول کی آغاز کی سطروں میں حضرت بدر عالمؒ نے اپنا تعارف خادم حدیث مصطفوی محمد جعفر کے لفظوں سے کرایا ہے اور اختتام کی عبارت میں بھی اپنے آپ کو خادم الحدیث المصطفوی کہا ہے۔ اس عبارت سے حدیث پاک کے ساتھ آپ کے شغف نیز حدیث کی خدمت کے اُن کے جذبہ کا بھی پتہ چلتا ہے، یہی نہیں بلکہ روضات شاہی کے دیباچہ میں حضرت بدر عالمؒ نے جہاں اپنی کتاب کی تمام ۲۴ جلدوں کے مشمولات اور مندرجات کی فہرست دی ہے وہاں روضات شاہی کی پہلی جلد کو حدیث کے ذکر کے لئے وقف کیا گیا بتایا ہے۔ آپ نے اس کا نام ان الفاظ میں دیا ہے: **کتاب الدین المبین فی شرح اصول الحدیث و بیان احوال المشاہرین**

المحدثین۔عنوان کے علاوہ آپ نے اس جلد کے مضمون کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے جو اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔دریں کتاب ذکر امام اہل حدیث وفقہ امام اعظم ،ذکر طبقہ ہائے علماء حنفیہ نیز آوردشدہ۔پہلی جلد کا سال تصنیف خود مصنف کے قول کے مطابق ۲۹ ذی الحجہ ۱۰۷۷ / ۸ جون ۱۶۶۷ ہے۔اب روضات شاہی کی جلد اول کا اردو ترجمہ ’’اصول حدیث اور حالات محدثین‘‘ کے عنوان سے مفتی محمد رئیس اختر مصباحی صاحب نے حضرت مولانا نظام الدین مصباحی صاحب کی زیر نگرانی بہت سلیس اور رواں زبان میں کیا ہے،فجزاھم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

سلسلہ روایت حدیث:

سید محمد جعفر بدر عالم حدیث کے زبردست عالم تھے،انہوں نے روضات شاہی میں کثیر محدثین کے احوال قلم بند کیے ہیں، ان میں سے پندرہ محدثین تک ان کا سلسلہ روایت پہنچتا ہے، انہوں نے ان پندرہ محدثین میں سے ہر ایک محدث کے حالات کے بعد اس محدث سے اپنے سلسلہ روایت کی سند بیان کی ہے۔تمام محدثین سے مصنف نے مختلف طریقوں سے اپنی سند روایت کو ملایا ہے۔ہم یہاں پہلے ان سولہ محدثین کے اسمائے گرامی تحریر کرتے ہیں اور یہ وضاحت بھی کیے دیتے ہیں کہ اس محدث تک کتنے طریقوں سے سند روایت بیان کی گئی ہے۔

(۱) امام بخاری: تک سند مولف چار طریقوں سے

(۲) امام مسلم: تین طریق سے

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ: ایک طریق سے

(۴) امام یعقوب المشہور بہ قاضی ابو یوسف

(۵) امام مالک: سند روایت چھ طریقوں سے

(۶) امام شافعی: سند روایت تین طریق سے

(۷) امام احمد بن حنبل: سند تین طریق سے

(۸) امام ابوداؤد: چار طریق سے

(۹) امام ترمذی: پانچ طریق سے

(۱۰) امام نسائی: چار طریق سے

(۱۱) امام ابن ماجہ: چار طریق سے

(۱۲) ابن دارمی: دو طریق سے

(۱۳) بیہقی: دو طریق سے

(۱۴) ابن جوزی: ایک طریق سے

(۱۵) امام بغوی: ایک طریق سے

(۱۶) قاضی عیاض: دو طریق سے

تصانیف:

اب تک معلومات کے مطابق سید محمد جعفر بن سید جلال الدین شاہی رضوی کی مندرجہ ذیل پانچ تصانیف ہمارے علم میں آچکی ہیں:

۱۔ چہل حکایات ۲۔ دین المریدین ۳۔ سوال وجواب ۴۔ احصاء الاسماء ۵۔ روضات شاہی ۔

روضات شاہی کے ماخذ:

مصنف نے دیباچہ میں تو اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا، تاہم متن میں جہاں جہاں مناسب تھا وہاں وہاں حوالے دیے گئے ہیں، صحاح ستہ کے علاوہ جن کتابوں کے نام بطور ماخذ ملتے ہیں وہ یہ ہیں: "**مرقاة الصعود الی سنن ابی داؤد، موطا امام مالك، كتاب الملاحم، يواقيت الجواهر في بيان اعتقاد الاكابر، زوال الرح و شرح منظومه ابن فرح، فتوحات مكيه، جمعات شاهی، تفسير كشاف، تفسير كبير رازی، كتاب النوادر، طبقات الفقهاء** اور **الجواهر المضيه في طبقات الحنفية**" وغیرہ۔

اسناد شیخ جعفر بن بدر عالمؒ

الصحيح البخاری

إجازات عاليات: كما أن للمؤلف رحمه الله باع طويل في دراية الحديث، فله أيضاً فضل في الإجازات العاليات، فقد ذكر أسانيده التي قد أخذه عن والده ومشائخه كابراً عن كابر إلى الإمام البخاري، فها نذكر هنا شيئا منها، سرد تلك الأسانيد المؤلف نفسه فقال: حدثني إجازةً والدي وسيدي وسندي وشيخي ومعتمدي العالم الفاضل الواصل الموصول الأكرم الأعظم أبو البركات مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم رحمه الله تعالى، قال: حدثني إجازة والدي وسيدي وشيخي التابع لسنة رسول الله صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أبو الفتح مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم رحمه الله تعالى، قال: حدثني إجازةً والدي وسيدي وشيخي الفاني في مراد الله مولانا السيد جلال الدين الحسين ماه عالم رحمه الله تعالى، قال: حدثني إجازة أستاذي ومرشدي السيد شير محمد بن أحمد رحمهما الله تعالى، قال: حدثني إجازةً جدي وشيخي السيد عرب شاه رحمه الله تعالى قال: حدثني إجازة والدي وشيخي مولانا السيد محمد زاهد رحمه الله تعالى.

قال: حدثني إجازة أخي وسيدي وشيخي محبوب الله الأعظم مولانا السيد محمد المخاطب من

عند الله بشاه عالم رحمه الله تعالى،قال : حدثني إجازة والدي وسيدي وشيخي قطب أقطاب الله مولانا السيد برهان الدين أبو محمد عبد الله الملقب من عند الله بقطب العالم رحمه الله تعالى، قال: حدثني إجازة والدي وسيدي وشيخي المشهور في الأفلاك مولانا السيد ناصر الدين أبو عبدالله محمود رحمه الله تعالى، قال : حدثني إجازة والدي وسيدي وشيخي المحدث المفسر والفقيه المتبحر سيد الأقطاب وهادي أولي الألباب مولانا السيد جلال الدين الحسين المخاطب من الله الرحمن بيا مخدوم جهانيان رحمه الله تعالى، قال : حدثني إجازة الشيخ الفاضل والعالم العامل الشيخ عبدالله اليافعي رحمه الله تعالى، قال : حدثني إجازة شيخ المحدثين أبو مكتوم عيسى بن الحافظ أبي ذر عن أبيه، قال: حدثني أبو محمد عبدالله بن أحمد الحموي عن أبيه ،أخبرني أبو عبد الله محمد بن يوسف الفربري عن أبي عبدالله محمد بن إسماعيل البخاري رحمهم الله تعالى رحمة واسعة.

وأما ثانيتها: فبالسند المذكور المتصل إلى سيد الأقطاب مخدوم جهانيان عليه الرضوان قال: حدثني إجازة والدي وسيدي وشيخي مولانا السيد كبير الدين أحمد رحمه الله تعالى، قال: حدثني إجازة والدي وسيدي وشيخي معدن الأولياء أبو البركات مولانا السيد جلال الدين حسين الأعظم رحمه الله تعالى، قال : حدثني إجازة أستاذي وشيخي الشيخ الكبير غوث العالم المنير بهاء الدين زكريا القرشي الأسدي رحمه الله تعالى، قال : حدثني إجازة شيخي مرضي الفريقين ومرشد الطريقين شيخ شيوخ العالمين الشيخ الأكبر شهاب الحق والدين السهروردي رحمه الله تعالى، قال: حدثنا شيخ الإسلام ضياء الدين أبو النجيب عبد القاهر بن عبد الله بن محمد بن سعيد السهروردي إملاء من لفظه سنة ستين وخمس مائة، أخبرنا الشريف نور الهدى أبو طالب الحسين بن محمد الزينبي، أخبرتنا كريمة بنت أحمد محمد المروزية المجاورة بمكة - حرسها الله تعالى - أخبرنا أبو الهيثم محمد بن مكي الكشميهني، أخبرنا أبو عبد الله محمد بن يوسف الفربري، أخبرنا أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري رحمهم الله تعالى.

وأما ثالثتها :فبالسند المذكور في الأولى المتصل إلى قطب أقطاب الله مولانا السيدبرهان الدين أبي محمد عبد الله الملقب بقطب العالم من عند الله رحمه الله تعالى، قال: حدثني إجازة الشيخ نور الدين أبو الفتوح، قال : حدثني الشيخ عفيف الدين محمد، قال : حدثني الشيخ جمال الدين محمد بن عثمان الحنبلي، قال: حدثني الشيخ جمال الدين أبو عبدالله محمد بن أبي البركات الهمداني، قال: حدثني أبو عبدالله محمد بن علي بن صدفة الحراني، قال: حدثني الفقيه أبو عبد الله محمد بن الفضل الفراوي، قال: حدثني الشيخ محمد الخفيفي، قال: حدثني محمد بن مكي الكشميهني قال: حدثني محمد بن يوسف

الفربري،قال: حدثني أبو عبدالله محمد بن إسماعيل البخاري رحمهم الله رحمة واسعة.

ورحم الله تعالى من قال:

كم بين قولي عن أبي عن جده　　وأبو أبي فهو النبي الهادي

وفتى يقول: روى لنا أشياخنا　　ما ذلك الإسناد من إسنادي

(القائل: هو الشيخ الإمام عبدالله بن حمزة المتوفي: ٦١٤هـ).

وأما رابعتها: فحدثني والدي مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم رحمه الله تعالى، قال: حدثني والدي مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم رحمه الله تعالى، قال: حدثني مولانا خليل محمد العباسي البنباني، قال: حدثني والدي عبداللطيف،قال: حدثني والدي عبد الملك،قال: حدثني محمد المدعو بجار الله، عن والده عز الدين عبدالعزيز عن شهاب الدين أبي الفضل أحمد بن علي ابن حجر عن محمد بن محمد بن محمد الهاشمي،عن قاضي القضاة محب الدين محمد بن محمد الطبري عن الشيخ أبي الفتح المراغي، عن شهاب الدين أبي العباس أحمد بن أبي طالب بن أبي النعم نعمة بن حسن بن علي بن بيان بن الشحنة الحَجّار الدمشقي الصالحي،عن سراج الدين أبي عبدالله الحسين بن المبارك بن محمد بن يحيى الزبيدي، عن أبي الوقت عبد الأول بن عيسى بن شعيب بن إسحاق بن إبراهيم الصوفي السجزي ثم الهروي، عن جمال الإسلام أبي الحسن عبدالرحمن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داود بن أحمد بن معاذ بن سهل بن الحكم الداودي،عن أبي محمد عبدالله بن أحمد بن حموية بن أحمد بن يوسف بن أعين الحموي السرخسي، عن أبي عبدالله محمد بن يوسف بن مطر بن صالح بن بشر بن إبراهيم البخاري الفربري، عن الإمام محمد بن إسماعيل البخاري بفربر سنة ثمان وأربعين ومائتين مَرّة،ومرّة سنة اثنتين وخمسين ومائتين.

وأما خامستها: فحدثني والدي وسيدي مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم رحمه الله تعالى، قال: حدثني أستاذي الشيخ عبد الحق الدهلوي وجادة ح حدثني أستاذي الشيخ نور الحق رحمه الله تعالى،قال: حدثني والدي الشيخ عبد الحق المذكور،قال: حدثني الشيخ عبدالوهاب، قال: حدثني الشيخ علي المتقي عن الشيخ أبي الحسن محمد بن محمد بن عبدالرحمن القرشي التيمي الصديقي الشافعي الأشعري سبط آل الحسن، عن والده العلامة جلال الدين أبي البقاء محمد،عن والده عبد الرحمن أبي الفضل زين الدين عن شهاب الدين أحمد ابن حجر العسقلاني.

ح قال الشيخ عبدالحق: حدثني الشيخ حميد الدين عن الشيخ أبي الحسن البكري الصديقي وعن

الشيخ شهاب الدين أحمد ابن حجر الهيتمي، قالا : عن الشيخ زكريا الأنصاري عن الشيخ شهاب الدين أحمد ابن حجر العسقلاني، قال : أنبأنا به العفيف أبو محمد عبدالله بن محمد بن سليمان المكي سماعاً عليه بمكة المعظمة، قال : أخبرنا به الرضي أبو محمد إبراهيم بن محمد الطبري، قال : أخبرنا به أبو القاسم عبدالرحمن بن أبي حرمي، قال : أخبرنا أبو الحسن علي بن حميد بن عمار الطرابلسي، قال : أخبرنا به أبو مكتوم عيسى بن الحافظ أبي ذر عبدالرحمن بن أحمد الهروي، عن أبيه، قال : أخبرنا به أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد المستملي، و أخبرنا به أبو الهيثم محمد بن مكي الكشميهني، قالا : أخبرنا به أبو عبدالله محمد بن يوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربري قال : أخبرنا به الإمام البخاري رحمهم الله تعالى.

كان المؤلف رحمه الله أحياناً يقول الشعر بالفارسية، و من أبياته:

راز ما در زمانه افتاد است   بزمها را فسانه افتاد است

ميكند يار آنجه ميخواهد   دور كردون بهانه افتاد است

وفاته: توفي في تاسع ذي الحجة الحرام سنة خمس و ثمانين و ألف من الهجرة الموافق سنة أربع و سبعين و ست مائة و ألف من الميلاد في عهد الملك اورنكزيب عالم كير، و دفن يسار قبر جده الشيخ مقبول عالم بأحمد آباد، في مقام يوجد فيه حجر عليه أثر قدم الرسول صلى الله تعالى عليه و آله وسلم الموجود بضريح السيد محمد بن عبدالله شاه عالم البخاري. رحمة الله عليهم أجمعين.

فجزاه الله عن المسلمين خير الجزاء و نور الله مرقده.

صحيح مسلم

سند تین طرق سے امام مسلم تک پہنچتی ہے:

(۱) حدثني إجازة والدی و سيدی و شيخی و معتمدي العالم الفاضل الواصل الموصل الأكرم الأعظم أبو البركات مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم رحمه الله تعالى، حدثني إجازة والدی و سيدی و شيخی التابع لسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله و سلم أبو الفتح مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم رحمه الله تعالى، حدثني إجازة والدی و سيدی و شيخی الفاني في مراد الله مولانا السيد جلال الدين الحسين ماه عالم رحمه الله تعالى، حدثني إجازة استاذی و مرشدی السيد شير محمد بن أحمد رحمهما الله تعالى، حدثنی اجازة جدی و شيخی مولانا السيد عرب شاه رحمه الله تعالى، حدثني إجازة والدی و شيخی مولانا السيد محمد زاهد رحمه الله تعالى، حدثني إجازة اخی و سيدی و شيخی

محبوب الله الاعظم مولانا السيد محمد المخاطب من عند الله بشاه عالم رحمه الله تعالى ،حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى قطب أقطاب الله مولانا السيد برهان الدين أبو محمد عبدالله الملقب من عند الله بقطب العالم رحمه الله تعالى ،حدثني إجازة والدي و سيدى و شيخي المشهور في الأفلاك مولانا السيد ناصر الدين محمود رحمه الله تعالى، حدثني إجازة والدى وسيدى و شيخي المحدث المفسر و الفقيه المتبحر سيد الأقطاب و هادى أولي الألباب مولانا السيد جلال الدين الحسين المخاطب من الله الرحمن بيا مخدوم جهانيان رحمه الله، سمعت عن رئيس المحدثين و المؤذنين عفيف الملة والدين عبد الله المطري الأنصاري عن أبيه جلال الدين عن الحافظ أبي بكر محمد بن عبد الله بن محمد الجوزقي عن أبي الحسن المكي عن ابن غيدان النيسابوري عن الإمام مسلم بن الحجاج رحمهم الله تعالى رحمة واسعة.

(۲) حدثني إجازة والدى مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم رحمه الله تعالى، حدثني إجازة والدي مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم رحمه الله،حدثني إجازة مولانا خليل محمد، حدثني والدي عبد اللطيف،حدثني والدي عبد الملك، حدثني محمد المدعو بجار الله، عن والده عز الدين عبدالعزيز ،عن شهاب الدين أبي الفضل أحمد بن على بن حجر ،عن محمد بن محمد الهاشمي ،عن قاضي القضاة محب الدين محمد بن محمد الطبري ،عن الشيخ أبي الفتح المراغى ،عن أبي العباس أحمد بن أبي طالب الصالحي، عن أبي محمد ابن أبي السعادات الحمامي، انا أبو الفرح مسعود بن الحسن الثقفي، انا الحافظ أبو القاسم عبد الرحمن بن محمد بن إسحق بن مندة الاصفهاني، عن الحافظ أبي بكر محمد بن عبد الله الجوزقي حدثنا أبو حاتم المكى ابن عبدالله التيمي، أخبرنا الإمام أبو الحسين مسلم رحمهم الله تعالى.

(۳) حدثني الشيخ نور الحق الدهلوى، حدثني أبي الشيخ عبد الحق عن عبد الوهاب عن على المتقى عن أبي الحسن البكرى عن يحيى بن زكريا الانصاري، حدثني شهاب الدين احمد بن حجر العسقلاني.

ح قال الشيخ عبدالحق: حدثني حميد الدين عن أبي الحسن البكرى و عن شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي، قالا: عن الشيخ زكريا عن شهاب الدين احمد بن حجر العسقلاني، أنا أبو محمد بن عبد الله بن محمد النيسابوري، انا أبو الفضل سليمان بن حمزة المقدسى، انا أبو الحسن على بن الحسين، انا الحافظ أبو الفضل محمد بن ناصر السلامي ،انا الحافظ أبو القاسم عبد الرحمن بن مندة ، انا الحافظ أبو بكر محمد بن عبد الله بن محمد الجوزقي ،انا أبو الحسن المكى ابن عبدان النيسابوري، انا الإمام ابو الحسين مسلم رحمهم الله تعالى.

امام اعظم ابوحنیفہؒ تک کی سند حدیث

حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى و معتمدي العالم الفاضل و الواصل الموصل الأكرم الأعظم أبو البركات مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم رحمه الله تعالى. قال: حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى التابع لسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله و سلم أبو الفتح مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم رحمه الله تعالى. قال: حدثني إجازة سيدى و والدى و شيخى الفاني في مراد الله تعالى مولانا السيد جلال الدين الحسين ماه عالم رحمه الله تعالى. قال: حدثني إجازة مرشدى و أستاذي السيد شير محمد بن أحمد رحمهما الله تعالى. قال: حدثني إجازة جدى و شيخى مولانا السيد عرب شاه رحمه الله تعالى. قال: حدثني إجازة والدى و شيخى مولانا السيد محمد زاهد رحمه الله تعالى. قال: حدثني إجازة أخى و سيدى و شيخي محبوب الله الأعظم مولانا السيد محمد المخاطب من عند الله بشاه عالم رحمه الله تعالى. قال: حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخي قطب أقطاب الله مولانا السيد برهان الدين أبو محمد عبدالله الملقب من عند الله تعالى بقطب العالم رحمه الله تعالى. قال: حدثني أستاذى أبو الفتوح رحمه الله تعالى. قال: حدثنى عمى غياث الدين محمد رحمه الله تعالى. قال: حدثنى شمس الدين محمدبن زين الدين الخطيب رحمهما الله تعالى. قال: حدثني قطب الدين أبو بكر محمدبن أحمد القسطلانى رحمهما الله تعالى. قال: حدثني أبو الفضل محمد بن الناصر السلامي رحمهما الله تعالى. قال :حدثني أبو منصور محمد بن أحمد بن على المحافظ الزاهد رحمهم الله تعالى. قال: حدثني محمد بن عمر بن محمد بن الأخضر رحمهم الله تعالى. قال: حدثني أبو العباس محمد بن أحمد بن محبوب المحبوبي رحمهم الله تعالى. قال :حدثني أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي رحمهما الله تعالى. قال: حدثني محمد بن إسمعيل البخاري رحمهما الله تعالى. قال: حدثني محمد بن بشار رحمهما الله تعالى. قال : حدثني الإمام محمد بن إدريس الشافعي رحمهما الله تعالى. قال: حدثني إمام الائمة قدوة الأمة محمد بن الحسن الشيباني رحمهما الله تعالى .قال: حدثني سراج الامة و شمس الأئمة الإمام الأعظم والهمام الأكرم الموصل إلى الله الرحمن أبو حنيفة النعمان رحمهم الله تعالى رحمة واسعة.

امام مالکؒ تک کی سندیں

اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے ان چھ راویوں کے ذریعے سند امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

أما الأول: فحدثني إجازة والدى و سيدى و شيخي و معتمدي العالم الفاضل الواصل الموصل الأكرم الأعظم أبو البركات مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم، كان الله تعالى له. حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى التابع لسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله و سلم أبو الفتح مولانا السيد نظام

الدين محمد مقبول عالم كان الله تعالى له. حدثني اجازة والدى و سيدى و شيخى الفاني في مراد الله تعالى أبو محمد مولانا السيد جلال الدين الحسين ماه عالم كان الله تعالى له . حدثني إجازة أستاذي و مرشدي مولانا السيد شير محمد بن أحمد كان الله تعالى لهما. حدثني اجازة جدي و شيخى مولانا السيد عرب شاه كان الله تعالى له . حدثنى إجازة والدي و شيخي مولانا السيد محمد زاهد كان الله تعالى له . حدثني إجازة أخي و شيخي و سيدي محبوب الله الأعظم أبو البركات مولانا السيد سراج الدين محمد المخاطب من عند الله تعالى بشاه عالم كان الله تعالى له. حدثني إجازة والدي و سيدي و شيخي قطب أقطاب الله أبو محمد مولانا السيد برهان الدين عبدالله الملقب من عند الله تعالى بقطب العالم كان الله تعالى له . حدثني إجازة الشيخ نور الدين أبو الفتوح أحمد بن عبدالله، أخبرنا الشيخ عفيف الدين محمد الكازروني إجازة، أخبرنا إجازة الشيخ عماد الدين محمد بن موسىٰ الأنصارى، أخبرنا الشيخ فخر الدين أبو الحسن على بن محمد المدعو بابن البخاري، أخبرنا الشيخ أبو سعد عبدالله بن عمر الصغار، أخبرنا أبو القاسم زاهد بن طاهر بن محمد ابن المشملي الشحامي، أخبرنا أبو نصر عبدالرحمن بن على بن محمد بن موسى، أخبرنا الحافظ ابو الفتح محمد بن أحمد بن أبي الفوارس، أخبرنا أبو على محمد بن أحمد بن الحسن الصواف، أخبرنا أبو على بشر بن موسى.

أخبرنا أبو جعفر أحمد بن محمد بن مهران النسائي، عن الفقيه النبيه المتجهد المستند الإمام الهمام الرباني أبي عبدالله محمد بن الحسن الشيباني، عن الإمام مالك رحمهم الله تعالى.

و أما الثاني: فبالسند المذكور المتصل إلى الشيخ عفيف الدين محمد الكازرونى، وهو يروي إجازة عن الشيخ شمس الدين أبي عبد الله محمد بن جابر بن محمد بن القاسم الوادي آشي التونسى، أخبرنا أبو محمد عبد الله بن محمد بن هارون القرطبي الطائي سماعا، أخبرنا القاضي أبو القاسم أحمد بن يزيد بن عبدالرحمن بن تقى، أخبرنا أبو عبدالله محمد بن فرخ الفقيه مولى محمد بن الطلاع.

أخبرنا أبو الوليد يونس بن عبدالله بن مغيث، عن أبي عيسى يحيى بن عبد الله، عن عم أبيه عبيد الله بن يحيى، عن أبيه يحيى بن يحيى الليثي، عن الإمام مالك رحمهم الله تعالى.

ولي في هذا الطريق ثلث شعب:

إحداها: بالسند المذكور المتصل إلى قطب أقطاب الله أبي محمد مولانا السيد برهان الدين عبدالله الملقب من عند الله بقطب العالم كان الله تعالى له. حدثنى والدي وسيدي و شيخ المشهور في الأفلاك أبو عبد الله مولانا السيد ناصر الدين محمود كان الله تعالى له، حدثني والدي وسيدي و شيخ المحدث

المفسر و الفقيه المتبحر سيد الأقطاب وهادي أولي الألباب أبو البركات مولانا السيد جلال الدين الحسين المخاطب من الله الرحمن بيا مخدوم جهانيان كان الله تعالى له ، سمعت عن الشيخ الإمام أبي محمد اليمني. عن أبي عبدالله المالكي . أخبرنا أبو بكر محمد بن الوليد الطرطوشي. أخبرنا أبو الوليد سليمان بن خلف بن الباجي، أخبرنا أبو الوليد يونس بن عبد الله بن مغيث الصفار إلى آخر السند المذكور.

و ثانيتها: حدثني والدي و سيدي مقصود عالم كان الله تعالى له. حدثني والدي و سيدي مقبول عالم كان الله تعالى له. حدثني مولانا خليل محمد، حدثني والدي مولانا عبد اللطيف، حدثني والدي مولانا عبد الملك، حدثني محمد المدعو بجار الله، عن والده عز الدين عبد العزيز ، عن شهاب الدين أبي الفضل أحمد بن على ابن حجر ، أخبرنا العلامة برهان الدين إبراهيم بن أحمد بن عبد الواحد، أخبرنا المسند أبو عبد الله محمد بن جابر بن محمد بن القاسم الوادي آشي التونسي إلى آخر السند المذكور.

و ثالثتها: حدثني أستاذي الشيخ نور الحق. حدثني أبي الشيخ عبدالحق. حدثني الشيخ حميد الدين عن الشيخ أبي الحسن البكري الصديقي و عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي،الا :عن الشيخ زكريا عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر العسقلاني، أخبرنا الفقيه نجم الدين عقيل البالسي، انا محمد بن على المكفى،انا زين الدين محمد بن محمد الدلاصي، أنا أبو الفضل عبد العزيز بن عبد الوهاب بن إسمعيل، أنا جدي أبو الطاهر إسمعيل، أنا أبو بكر بن محمد الوليد الطرطوشي إلى آخر السند المذكور في الشعبة الأولى.

و أما الثالث: فبالسند المذكور المتصل إلى الشيخ نور الدين أبي الفتوح، أخبرنا إجازة الشيخ عفيف الدين و قاضي القضاة المشهور في الحديث و الفقه بالتصانيف العاليات شمس الحق و الدين محمد بن محمد الجزرى و قاضى القضاة زين الدين أبو الفضل عبدالرحيم بن بدر الدين أبي عبدالله الحسين العراقي.

قال : الأول من هذه الثلث : أخبرنا أمين الدين أبو حيان محمد بن يوسف بن على بن يوسف بن حيان كتابة إلينا من مصر . أخبرنا كمال الدين محمد بن العارف شرف الدين عمر بن الفارض المصرى.

وقال الثاني : أخبرنا زين الدين أبو محمد عبد الرحمن البياني إجازة مشافهة. أخبرنا الشيخ أبو الفضل أحمد بن هبة الله بن عساكر.

وقال الثالث: أخبرنا الشيخ أبو عبدالله محمد بن أبي القاسم اسمعيل، أخبرنا الشيخ يوسف بن يعقوب المشهدى.

قالوا - أعني الشيخ يوسف والمصري وابن عساكر -: أخبرنا أبو الحسن المؤيد الطوسى، أخبرنا أبو محمد هبة الله بن سهل بن عمر السندى بكسر السين المهملة وسكون النون لقب سهل، أخبرنا أبو عثمان سعيد بن أحمد بن محمد البجيري، أخبرنا أبو على زاهد بن أحمد الفقيه السرخسى، أخبرنا أبو إسحق إبراهيم بن عبد الصمد بن موسى الهاشمي، أخبرنا أبو مصعب أحمد بن أبي بكر الزهرى، أخبرنا الإمام مالك رحمهم الله تعالى.

وأما الرابع: فبالسند المذكور المتصل إلى الشيخ نور الدين، أخبرنا الشيخان عفيف الدين الكازرونى وشمس الدين محمد الجزرى إجازة.

قال الأول: أخبرنا إجازة الشيخ العارف ركن الدين منصور بن المظفر العمري الشيرازي، أخبرنا الحافظ أبو طاهر عبد السلام بن أبي الربيع بن محمد الحنفى.

وقال الثاني: أخبرنا أبو عبد الله محمد بن مولى الأنصاري إجازة مشافهة، أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن عبد الواحد المقدسي المدعو بابن البخاري، قالا: أعينه إياه والحنفي، أخبرنا أبو المكارم أحمد بن محمد اللبان، أخبرنا أبو علي الحسن بن أحمد الحداد، أخبرنا الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصفهاني، أخبرنا أبو بكر محمد بن عبد الله بن ابراهيم البزاز بالمعجمتين، أخبرنا أبو يعقوب إسحق بن الحسن بن ميمون الحربى، أخبرنا أبو عبد الرحمن عبد الله بن مسلمة بن قعنب الحارث القعنبى المتوفي بمكة في محرم سنة إحدى وعشرين ومائتين، عن الإمام مالك رحمهم الله تعالى.

وأما الخامس: فأيضا بالسند المذكور المتصل إلى الشيخ نور الدين أبي الفتوح، أخبرنا إجازة قاضي القضاة الجزرى، أخبرنا أبو بكر محمد بن عبد الله بن المحب مبغضا قراءة وإجازة، أخبرنا إسمعيل بن يوسف بن مكتوم القبسى سماعا، أخبرنا أبو الفضل مكرم بن محمد القرشي، أخبرنا أبو يعلى حمزة بن أحمد بن كروس، أخبرنا الفقيه أبو الفتح نصر بن إبراهيم المقدسي، أخبرنا أبو بكر محمد بن جعفر الميماسى.

أخبرنا أبو العباس محمد بن وصيف الغزي المنسوب إلى غزة من بلاد الشام. أخبرنا أبو علي الحسن بن الفرج الازدى. حدثنا يحيى بن بكير، أخبرنا الإمام مالك رحمهم الله تعالى.

وأما السادس: فبالسند المذكور المتصل إلى الشيخ عفيف الدين

أخبرتنا الشيخة زينب بنت أحمد بن عبد الرحيم بن عبد الواحد المقدسية وعائشة بنت أبي محمد عبد الرحيم بن محمد بن أحمد بن فارس الزجاج.

قالت الأولى: أخبر نا أبو محمد إبراهيم بن محمود بن سالم بن مهدى بن خير.

وقالت الثانية: أخبر نا زين الدين أبو الحسن بن عبد اللطيف بن يحيى بن على بن خطاب الدينوري، قالا - أعينه إياه و ابن خير -: أخبر نا أبو الحسن عبد الحق بن عبد الخالق بن أحمد بن عبد القادر، أخبر نا أبو سعيد محمد بن عبد الملك بن عبد القاهر الأسدي، عن أبي طالب عمر بن إبراهيم بن سعيد الشافعي، عن أبي بكر أحمد بن محمد بن عبد العزيز بن الجعد الوشا عن سويد بن سعيد حدثاني، عن الإمام مالك رحمهم الله تعالى.

امام ابوداود تک کی سندیں

امام ابوداود تک سند درج ذیل چار طرق سے پہنچتی ہے:

أما أحدها: حدثني إجازة والدي و سيدى و سندى و شيخى و معتمدى العالم الفاضل الواصل الموصل الأكرم الأعظم أبو البركات مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة سيدى و والدي و شيخي التابع لسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله و سلم أبو الفتح مولانا السيدى نظام الدين محمد مقبول عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى الفاني في مراد الله تعالى مولانا السيد جلال الدين الحسين ماه عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة أستاذى مولانا السيد شير محمد بن أحمد كان الله تعالى لهما، حدثني إجازة جدى و شيخى مولانا السيد عرب شاه كان الله تعالى له. حدثنى اجازة والدى و شيخى مولانا السيد محمد زاهد كان الله تعالى له، حدثني إجازة أخى و سيدى و شيخى محبوب الله الأعظم سراج الدين أبو البركات مولانا السيد محمد المخاطب عند الله بشاه عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى وسيدى و شيخي قطب أقطاب الله أبو محمد مولانا السيد برهان الدين عبد الله الملقب من عند الله بقطب العالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخ المشهور في الأفلاك مولانا السيد ناصر الدين محمود كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي وسيدي و شيخي المحدث المفسر و الفقيه المتبحر سيد الأقطاب و هادى أولي الألباب مولانا السيد جلال الدين الحسين المخاطب من الله الرحمن بيا مخدوم جهانيان كان الله تعالى له، سمعت عن الشيخ عبد الله بن أسعد اليافعي عن الشيخ رشيد الدين المقري الصوفي البغدادى عن الشيخ أبي القاسم الهاشمي، أخبر نا أبو على اللؤلؤى، أخبر نا الإمام أبو داود رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة.

و أما ثانيها: فبالسند المذكور المتصل الى سيد الأقطاب مخدوم جهانيان عليه الرضوان، حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى مولانا السيد كبير الدين أحمد كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و

سيدى و شيخي معدن الأولياء أبو البركات مولانا السيد جلال الدين الحسين الأعظم كان الله تعالى له، حدثني إجازة أستاذي و شيخي الشيخ الكبير غوث العالم المنير بهاء الدين زكريا القرشي الأسنى كان الله تعالى له، و أيضا قال سيد الاقطاب: حدثني إجازة قطب العالم الشيخ ركن الدين أبو الفتح كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي الشيخ العارف صدر الحق والدين كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي الشيخ الكبير غوث العالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة شيخي رضى الفريقين و مرشد الطريقين شيخ شيوخ العالمين الشيخ الأكبر شهاب الحق والدين السهروردى كان الله تعالى له، و أيضا قال السيد الأقطاب مخدوم جهانيان: حدثني الشيخ المعمر العارف شرف الحق والدين محمود شاه بن حسين التستري- الساكن بسوكار، وبلد من بلاد فارس- كان الله تعالى له، حدثني الشيخ شهاب الحق والدين السهروردي كان الله تعالى له. حدثنا شيخنا شيخ الإسلام ضياء الدين أبو النجيب عبد القاهر كان الله تعالى له إملاء، أخبرنا الشيخ أبو منصور المقرى، أخبرنا الحافظ أبو بكر الخطيب. أخبرنا أبو عمر الهاشمي، أنبأنا أبو على اللؤلؤى، أخبرنا الإمام أبو داود السجستاني، و أيضا قال شيخنا شيخ الإسلام ضياء الدين أبو النجيب عبدالقاهر: أخبرنا الإمام عبد الجبار البيهقي في كتابه: أخبرنا أبو على الروذبارى، حدثنا أبو بكر بن داسته، حدثنا الإمام أبو داود رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة.

و أما ثالثها: فحدثني إجازة والدى و سيدى مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و سيدى مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم كان الله تعالى له، حدثني مولانا خليل محمد، حدثنى والدى مولانا عبداللطيف. حدثنى والدى مولانا عبد الملك، حدثني محمد المدعو بجار الله، أخبرني والدي عز الدين عبد العزيز سماعا، أنا أبو العباس بن محمد بن أبي بكر الواسطي و أبو عبدالله محمد بن أحمد بن كامل الترمذي، كلاهما عن الخطيب أبي الفتح محمد بن المنذرى، أنا أبو الفضل عبد الرحمن بن يوسف بن يحيى الموصلى سماعا، أنا أبو الفتح مفلح بن أحمد الروهي و أبو النصر إبراهيم بن محمد الكرخي سماعا، عن المسند أبي الطاهر محمد بن محمد بن عبد اللطيف، أنبأتنا أم عبدالله زينب ابنة أحمد بن عبد الرحيم المقدسي، عن أبي القاسم بن الحاسب، أنا الحافظ أبو طاهر أحمد بن محمد السلفي إذنا، قال: كتب إليّ أبو جعفر العباداني من البصرة: أنا القاضي أبو عمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الهاشمي، أنا أبو على محمد بن أحمد بن عمر اللؤلؤي، أنا الإمام أبو داود رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة.

و اما رابعها: فحدثني الشيخ نور الحق، حدثني والدي الشيخ عبدالحق، حدثني الشيخ حميد الدين،

عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي أنبأني شيخ الإسلام أبو يحيى زكريا الأنصاري، قرأت على الشيخ أبي إسحق إبراهيم صدقة الحنبلي ،أنا أبو حفص عمر بن رزين، أنا أبو المحاسن يوسف الحنفى سماعا، أنا الحافظ المنذرى ،أنا عمر بن طبرخى البغدادى سماعا، أنا الحافظ الكبير أبو بكر أحمد بن على بن ثابت البغدادي الخطيب، أنا القاسم الهاشمي، أنا أبو على اللؤلؤي، أنا الإمام أبو داود رحمهم الله تعالى وإيانا رحمة واسعة شاملة.

امام ترمذی تک کی سندیں

امام ترمذی تک سند درج ذیل پانچ طرق سے پہنچتی ہے:

أما أحدها: فقرأت على سيدى و والدى و سندى و شيخى ومعتمدى العالم الفاضل الواصل الموصل الأكرم الأعظم أبي البركات مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، قرأت على سيدى و شيخى ووالدي التابع لسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله و سلم أبي الفتح مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم كان الله تعالى له،حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى الفاني في مراد الله تعالى مولانا السيد جلال الدين الحسين ماه عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة أستاذى و مرشدى مولانا السيد شير محمد بن أحمد كان الله تعالى له، حدثني إجازة جدى و شيخى مولانا السيد عرب شاه كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و شيخى مولانا السيد محمد زاهد كان الله تعالى له، حدثني إجازة اخى و سيدى و شيخى محبوب الله الأعظم سراج الدين أبو البركات مولانا السيد محمد المخاطب من عند الله بشاه عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى قطب أقطاب الله أبو محمد مولانا السيد برهان الدين عبد الله الملقب من عند الله بقطب العالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخ المشهور في الأفلاك مولانا السيد ناصر الدين محمود كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي وسيدي و شيخي المحدث المفسر والفقيه المتبحر سيد الأقطاب وهادى أولي الألباب مولانا السيد جلال الدين الحسين المخاطب من الله الرحمن بيا مخدوم جهانيان كان الله تعالى له، أخبرني العلامة عفيف الدين أبو الثنا عبد الله المطرى، أخبرني والدي جمال الدين، أخبرني الشيخ عز الدين أحمد الفاروقى، أخبرني شهاب الدين أبو حفص عمر ،عن الشيخ أبي محمد عبد الجبار المروزي، أخبرنا الإمام أبو عيسى الترمذي رحمهم الله تعالى وإيانا رحمة واسعة شاملة.

وأما ثانيها: فبالسند المذكور المتصل إلى سيد الأقطاب مخدوم جهانيان عليه الرضوان، حدثني إجازة والدي و سيدى و شيخي مولانا السيد كبير الدين أحمد كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي وسيدى

وشيخي معدن الأولياء أبو البركات مولانا السيد جلال الدين الحسين الأعظم كان الله تعالى له، حدثني أستاذي وشيخي الشيخ الكبير غوث العالم المنير بهاء الدين زكريا القرشي الأسدي كان الله تعالى له.

ح وقال سيد الأقطاب: حدثني إجازة قطب العالم الشيخ ركن الدين أبو الفتح فيض الله كان الله تعالى له،حدثني إجازة والدي الشيخ العارف صدر الحق والدين كان الله تعالى له،حدثني إجازة والدي الشيخ الكبير غوث العالم كان الله تعالى له، حدثني الشيخ المعمر العارف شرف الحق والدين محمود شاه بن حسين التسترى الساكن بشوكار بلد من فارس كان الله تعالى له، قالا - أعنى محمود شاه وغوث العالم:- حدثنا إجازة رضى الفريقين و مرشد الطريقين شيخ شيوخ العالمين الشيخ الأكبر شهاب الدين السهروردي كان الله تعالى له، حدثني شيخنا شيخ الإسلام ضياء الدين أبو النجيب عبد القاهر والشيخ ضياء الدين أبو أحمد عبدالوهاب بن على، قالا: أنا أبو الفتح عبدالملك بن أبي القاسم الهروى، أنبأنا أبو نصرعبد العزيز بن محمد الترياقي، أنبأنا أبو محمد عبد الجبار بن محمد الجراحي، أنبأنا أبو العباس محمد بن أحمد المحبوبي، أنبأنا الإمام أبو عيسى بن محمد بن عيسى الترمذي رحمهم الله تعالى وإيانا رحمة واسعة شاملة.

وأما ثالثها: فبالسند المذكور في الأول المتصل إلى قطب أقطاب الله مولانا السيد برهان الدين أبي محمد عبدالله الملقب من عند الله بقطب العالم كان الله تعالى له، أخبرني الشيخ نور الدين أبو الفتوح أحمد، أخبرنى عمى غياث الدين محمد، أخبرني شمس الدين محمد بن زين الدين الخطيب، أخبرني قطب الدين أبو بكر بن أحمد القسطلاني، أخبرني أبو الفضل محمد بن ناصر السلامى، أخبرني أبو منصور محمد بن أحمد بن على الحافظ الزاهد، أخبرني محمد بن عمر بن محمد الأخضر، أخبرني أبو العباس محمد بن أحمد المحبوبي، أخبرنا الإمام أبو عيسى بن محمدبن عيسى الترمذي رحمهم الله تعالى وإيانا رحمة واسعة.

وأما رابعها: فقرأت على والدي مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، قرأت على والدي مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم كان الله تعالى له، قرأت على مولانا خليل محمد، حدثني والدي عبداللطيف، حدثني والدي عبد الملك، حدثني محمد المدعو بجار الله عن والده عز الدين عبد العزيز، أنا شيخ الحنفية أمين الدين يحيى بن محمد القاهري، أخبرتنا الأصلية أم محمد سارة ابنة عمر الحموي، قالت: أنا الصلاح عمر بن حسين المراعي، أنا الفخر أبو الحسن علي بن أحمد البخاري المقدسي، أنا أبو الفتح عبد الملك عبدالله الكروخى سماعاً، أنا أبو عامر محمود بن القاسم

الأزدي، أنا أبو العباس محمد بن أحمد بن محبوب المحبوبي، أنا الإمام أبو عيسى الترمذي رحمهم الله تعالى وإيانا رحمة واسعة شاملة.

وأما خامسها :فحدثني الشيخ نور الحق، حدثني والدي الشيخ عبدالحق، حدثني الشيخ حميد الدين،عن الشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي، عن الشيخ زكريا الأنصاري، أنبأنى أبو عبد الله القاياني سماعا،أنا الحافظ أبو زرعة أحمد بن حافظ الوقت الزين العراقي سماعا، أنا عمر المراغى قراءة، أنا الفخر أبو الحسن على المقدسي الحنبلي المعروف بابن البخاري،أنا أبو حفص عمر البغدادي عرف بابن طبرزد،أنا أبو الفتح عبدالملك الكروخي، أنا القاضي عامر الأزدي، انا عبدالجبار المروزي، أنا ابو العباس المحبوبي، أنا الإمام الترمذي رحمهم الله تعالى رحمة واسعة شاملة.

امام نسائی تک کی سندیں

سند درج ذیل چار طرق سے امام نسائی تک پہنچتی ہے:

أما أحدها:فحدثني إجازة والدي و سيدى و سندى و شيخى و معتمدى العالم الفاضل الواصل الموصل الأكرم الأعظم أبو البركات مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي وسيدي و شيخي التابع لسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله و سلم نظام الدين أبو الفتح مولانا السيد محمد مقبول عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي وسيدي و شيخي الفاني في مراد الله تعالى أبو محمد مولانا السيد جلال الحسين ماه عالم كان الله تعالى له حدثني إجازة أستاذي و مرشدى مولانا السيد شير محمد بن أحمد كان الله تعالى لهما،حدثني إجازة جدى و شيخى مولانا السيد عرب شاه كان الله تعالى له . حدثني إجازة والدي و شيخى مولانا السيد محمد زاهد كان الله تعالى له، حدثني إجازة أخى و سيدى و شيخى محبوب الله الأعظم سراج الدين أبو البركات مولانا السيد محمد شاه عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي و سيدى و شيخي قطب أقطاب الله مولانا السيد برهان الدين أبو محمد عبدالله الملقب من عند الله بقطب العالم كان الله تعالى له، وحدثني إجازة والدي وسيدي و شيخي المشهور في الأفلاك مولانا سيد ناصر الدين محمود رحمه الله تعالىٰ ،حدثني إجازة والدي وسيدي و شيخي المحدث المفسر والفقيه المتبحر سيد الأقطاب وهادي أولي الألباب أبو عبدالله مولانا السيد جلال الدين الحسين المخاطب من الله الرحمن بيا مخدوم جهانيان كان الله تعالى له، أخبرنا الشيخ المحدث الفقيه بصال العدني،عن الشيخ رشيد الدين المقرى البغدادي، عن الشيخ شهاب الدين السهروردى، أنا الشيخ العالم الأوحد أبو زرعة الطاهر بن أبي الفضل محمد بن طاهر المقدسي، أنا

الدولي، أنا أبو نصر أحمد بن الحسين الكسار الدينورى، أنا الحافظ أبو بكر أحمد بن محمد السني، أنا الإمام النسائي رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة شاملة.

و أما ثانيها: فبالسند المذكور المتصل إلى قطب أقطاب الله مو لانا السيد برهان الدين قطب العالم كان الله تعالى له، حدثني الشيخ نور الدين أبو الفتوح، حدثني ضياء الدين أحمد بن محمد، حدثني شهاب الدين أبو العباس أحمد بن عبدالرحمن الحريري، حدثني أبو العباس أحمد بن شيبان، حدثني أبو عبدالله أحمد بن منصور، حدثني الحافظ أبو طاهر أحمدبن محمد السلفى، حدثني أبو بكر أحمد بن على بن عبد الله، حدثني أبو نصر أحمد بن الحسين بن محمد الدينورى، حدثني أبو بكر أحمد بن محمد بن إسحق السني، حدثني الإمام أبو عبدالرحمن أحمد النسائي رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة شاملة.

و أما ثالثها: فحدثني إجازة والدي مو لانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي مو لانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم كان الله تعالى له، حدثني مو لانا خليل محمد، حدثني والدي مو لانا عبداللطيف، حدثني والدي مو لانا عبدالملك، حدثني محمد المدعو بجار الله عن والده عز الدين عبد العزيز، أنا الحافظ تقى الدين محمد بن محمد العلوي المالكي إذنا، أنا قاضي القضاة زين الدين أبو بكر بن الحسين المراغى المدنى، أنا المسند برهان الدين إبراهيم بن محمد الدمشقى المؤذن سماعا. أنا مسند الدنيا الشهاب أبو العباس أحمد بن أبي طالب، أنا أبو طالب عبداللطيف بن محمد، أنا أبو زرعة طاهر بن محمد بن طاهر المقدسي سماعا، أنا أبو محمد سماعا، أنا أبو نصر أحمد بن الحسين الكسار إلى آخر السند المذكور في الطريق الأول.

و أما رابعها: فحدثني الشيخ نور الحق. حدثني والدي الشيخ عبدالحق حدثني الشيخ حميد الدين عن.... (السند الرابع مفقود فى هٰذه المرحلة من المخطوطة الاصلية)

امام ابن ماجہ تک کی سندیں

سند چار طرق سے امام ابن ماجہ تک پہنچتی ہے:

و أما أحدها: حدثني والدي و سيدي و شيخي و معتمدي و العالم الفاضل الواحد الموصل الأكرم الأعظم أبو البركات مو لانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي و سيدي و شيخي التابع لسنة رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله وسلم أبو الفتح مو لانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم، حدثني إجازة والدي و سيدي و شيخي الفاني في مراد الله تعالى أبو محمد مو لانا السيد جلال الدين الحسين ماه عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة أستاذي و مرشدى مو لانا السيد شير محمد

بن أحمد كان الله تعالى لهما، حدثني إجازة جدى و شيخى مو لانا السيد عرب شاه كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي و شيخي مو لانا السيد محمد زاهد كان الله تعالى له، حدثني إجازة أخي و سيدى و شيخي محبوب الله الأعظم سراج الدين أبو البركات مو لانا السيد محمد المخاطب عند الله بشاه عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى قطب اقطاب الله مو لانا السيد برهان الدين أبو محمد عبد الله الملقب من عند الله بقطب العالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخى المشهور في الأفلاك مو لانا السيد ناصر الدين محمود كان الله تعالى له ،حدثني إجازة والدي و سيدي و شيخي المحدث المفسر و الفقيه المتبحر سيد الأقطاب و هادي أولي الألباب مو لانا السيد جلال الدين الحسين المخاطب من الله الرحمٰن بيا مخدوم جهانيان كان الله تعالى له الشيخ المعمر شرف الدين محمود شاه ابن الحسين التسترى، أنا شيخ شيوخ العالمين رضي الفريقين و مرشد الطريقين الشيخ شهاب الدين السهروردى، ح قال سيد الأقطاب مخدوم جهانيان عليه الرضوان : حدثني إجازة والدى و سيدى و شيخي أبو الحسين مو لانا السيد كبير الدين أحمد كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي و سيدى و شيخي معدن الأولياء أبو البركات مو لانا السيد جلال الدين الحسين الأعظم كان الله تعالى له، حدثني إجازة شيخي الشيخ الكبير غوث العالم المنير بهاء الدين زكريا القرشي الأسدي كان الله تعالى له، حدثني إجازة شيخ شيوخ العالمين الشيخ شهاب الدين السهروردى، ح قال سيد الأقطاب مخدوم جهانيان عليه الرضوان : حدثني إجازة قطب العالم الشيخ ركن الدين أبو الفتح كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي الشيخ العارف صدر الحق و الدين كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي الشيخ الكبير غوث العالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة شيخ شيوخ العالمين الشيخ شهاب الدين السهروردى، أنا الشيخ أبو زرعة طاهر بن أبي الفضل محمد بن طاهر المقدسي، أنا أبو منصور محمد بن الحسين القزويني، أنا أبو طلحة القاسم بن المنذر الخطيب، انا أبو الحسن على بن إبراهيم العطار، أنا الإمام أبو عبد الله محمد بن ماجه رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة شاملة.

و أما ثانيها: فبالسند المذكور المتصل إلى قطب أقطاب الله مو لانا السيد برهان الدين قطب العالم كان الله تعالى له، حدثني الشيخ نور الدين أبو الفتوح، حدثني عمى غياث الدين محمد، حدثنى شمس الدين محمد بن زين الدين الخطيب، حدثنى قطب الدين أبو بكر محمد بن أحمد القسطلانى، حدثني أبو الفضل محمد بن الناصر السلامي، حدثني أبو منصور محمد بن أحمد بن على الحافظ الزاهد، حدثني محمد بن عمر بن محمد الأخضر، حدثني أبو العباس محمد بن أحمد بن محبوب المحبوبي، حدثني أبو

عبدالله الحاكم النيسابوري، حدثني الإمام أبو عبدالله القزويني المعروف بابن ماجه رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة شاملة.

و أما ثالثها: فحدثني إجازة والدي مولانا السيد جلال الدين محمد مقصود عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة والدي مولانا السيد نظام الدين محمد مقبول عالم كان الله تعالى له، حدثني إجازة مولانا خليل محمد العباسي البناني، حدثني والدي عبداللطيف، حدثني والدي عبدالملك، حدثني محمد المدعو بجار الله، عن والده عز الدين عبدالعزيز، أنا الشيخان الحافظان تقى الدين محمد بن محمد العلوي المكي و قاضي القضاة شهاب الدين أحمد بن على بن حجر العسقلاني ناقلا، أنا البرهان إبراهيم بن محمد بن صديق الدمشقى سماعا، أنا رحلة الدنيا ابو العباس أحمد بن أبي صالح طالب الصالحي إذنا، أنا ابو محمد عبداللطيف بن محمد بن على، أنا ابو منصور محمد بن الحسين القزويني، أنا ابو طلحة القاسم بن المنذر الخطيب، أنا ابو الحسن على بن إبراهيم العطار، أنا الإمام أبو عبدالله محمد بن ماجه رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة واسعة شاملة.

و أما رابعها: فحدثني الشيخ نور الحق الترك الدهلوي، حدثني والدي الشيخ عبدالحق سيف الدين، حدثني الشيخ عبدالوهاب، حدثني الشيخ على المتقى، حدثني الشيخ أبو الحسن البكرى، حدثني الشيخ أبو يحي الأنصاري، حدثني الشيخ ابن حجر العسقلاني، أخبرنا أبو العباس أحمد بن عمر البغدادي اللؤلؤي، أخبرنا الحافظ أبو الحجاج يوسف المزي، أخبرنا التاج عبدالخالق بن عبد الله بن علوان، أخبرنا أبو محمد موفق الدين قدامة، أخبرنا أبو زرعة طاهر بن أبي الفضل محمد بن طاهر المقدسي، أخبرنا أبو منصور محمد بن الحسين القزويني، أخبرنا أبو طلحة القاسم بن المنذر الخطيب، أخبرنا أبو الحسن على بن إبراهيم العطار، أخبرنا الإمام أبو عبدالله محمد بن ماجه رحمهم الله تعالى و إيانا رحمة و اسعة شاملة.

شیخ علی متقی (رحمۃ اللہ علیہ)
(متوفی ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء)

شیخ علی ابن حسام الدین نے اپنی تصنیف **کنز العمال في سنن الأقوال و الافعال** کے ذریعہ کتب احادیث میں اہم اضافہ کیا ہے۔

آپ کی ولادت برہان پور میں ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۹ء میں ہوئی تھی اور وفات ۹۷۵ / ۱۵۶۷ کو مکہ میں، لیکن آپ دوران سفر کئی بار گجرات آئے۔ یہاں طویل عرصہ تک مسلسل قیام بھی کیا، نیز سلاطین گجرات نے آپ کی قدردانی کی اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آپ نے درس حدیث اور رشد وہدایت کے ذریعہ باشندگان گجرات کو فیض پہنچایا تھا، آپ کے شاگردوں میں ہندوستان کے سر برآوردہ عالم حدیث مولانا عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ / ۱۶۴۲) اور گجرات کے ملک المحدثین مولانا محمد بن طاہر پٹنی جیسے بزرگوں کا شمار ہوتا ہے، حضرت مولانا عبدالحق نے اپنی فارسی کتاب اخبار الاخیار فی اسرار الابرار میں شیخ علی متقی کے مفصل حالات لکھے ہیں۔

شیخ علی متقی کے آباء واجداد جونپور کے تھے لیکن آپ کی ولادت برہان پور میں ہوئی تھی۔ آپ بچپن ہی میں شاہ بہاؤالدین باجن کے مرید ہوگئے تھے اور جوانی میں شاہ باجن کے بیٹے شیخ عبدالحکیم سے مشائخ چشتیہ کی خلافت حاصل کی تھی، آپ نے پیر کامل کی تلاش وجستجو میں ملتان کا سفر کیا اور وہاں کے ایک بزرگ شیخ حسام الدین متقی کی صحبت میں علوم ظاہری و باطنی کا فیض اٹھایا، آپ نے شیخ سے **تفسیر بیضاوی** اور **کتاب العین** پڑھی، ملتان میں دوسال کے قیام کے بعد ۹۳۴ / ۱۵۲۷ میں گجرات آئے اور یہاں مسلسل سات سال تک قیام کرنے کے بعد ۹۴۱ / ۱۵۳۴ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مکہ میں آپ نے شیخ ابوالحسن بکری اور حافظ سخاوی سے فیض اٹھایا نیز سلسلہ قادریہ اور شاذلیہ کی خلافت بھی حاصل کی۔ مکہ میں مستقل قیام کے دوران آپ نے بے شمار لوگوں کو اپنے علم سے بہرہ ور کیا اور خاص طور پر حدیث اور تصوف کے موضوع پر کتابیں تصنیف کیں، آپ کا زندگی بھر یہی مشغلہ تھا اور زندگی کے آخری اوقات میں جب کہ چلنا بھی دشوار تھا اس وقت بھی آپ شب وروز حدیث کی کتابوں کی تالیف، تصحیح اور مقابلہ میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے۔

شیخ علی متقی علوم دینیہ کے باریک نکتوں کو سمجھنے میں ایسے بلند مرتبہ کو پہنچ گئے تھے کہ اس وقت کے علماء کبار بھی اس پر حیرت کرتے تھے، حافظ ابن حجر الہیتمی جو مکہ کے بڑے عالم اور محدث تھے اور شروع میں شیخ علی متقی کے استاذ بھی رہ چکے تھے وہ بھی مشکل مواقع پر شیخ علی متقی سے رجوع کرتے تھے اور اپنے آپ کو ان کا شاگرد گردانتے تھے، اتنا ہی نہیں بلکہ حافظ بن حجر الہیتمی آپ کے مرید بھی ہوئے اور آپ سے خلافت بھی حاصل کی تھی، علم کی اشاعت کے علاوہ آپ کا ریاض، مجاہدہ، حسن اخلاق، آداب ظاہر و باطن اور تقوی اور پرہیزگاری بھی آپ کے کمالات پر دلیل ہیں۔ حضرت محدث دہلویؒ

کے قول کے مطابق یمن سے شام تک آپ کی ولایت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔

شیخ علی متقی گجرات میں سلطان بہادر شاہ کے عہد (۱۵۳۷-۱۵۲۶) میں تشریف لائے تھے یہاں ۹۳۴ / ۱۵۲۷ میں سندھ کے محدث قاضی عبداللہ ابن ابراہیم سندھی آپ کے مرید ہوئے تھے، انہیں قاضی عبداللہ کی فرمائش پر سلطان بہادر شاہ کو شیخ علی متقی کی قدم بوسی کی اجازت ملی تھی اور آپ نے سلطان کو نصیحت کی باتیں بتائی تھیں، گجرات پر ہمایوں کے حملہ کی وجہ سے شیخ علی متقی ۹۴۱ / ۱۵۳۴ میں گجرات چھوڑ کر حجاز تشریف لے گئے۔

* الشیخ علی بن حسام الدین المتقی (م سنة ۹۷۵ھ)

الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث علی بن حسام الدین بن عبد الملك بن قاضي خان المتقی الشاذلی المهاجر إلی مكة المشرفة، قرأ الحدیث علی الشیخ شهاب الدین أحمد بن حجر المكی وأقام بمكة المشرفة مجاوراً للبیت الحرام.

ووفد إلی الهند مرتین فی أیام محمود شاه الصغیر الغجراتي وكان من مریدیه، قال الآصفی: إنه وفد علیه من مكة المشرفة زائراً فلم یدع له حاجة في نفسه إلا وقضاها إلخ. (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الهند من الأعلام: ۲۰۹/۴ إلی ۲۱۷ ملخصاً)

الشیخ علی بن حسام الدین المتقی البرهانبوری

[۸۸۵-۹۷۵]

أخذ الحدیث عن الشیخ أبی الحسن الشافعي البكری، وأخذ عنه الطریقة القادریة والشاذلیة والمدنیة.

وأخذ الطرق المذكورة عن الشیخ محمد بن عبدالرحمن السخاوی المصری أیضا، وقرأ الحدیث علی الشیخ شهاب الدین أحمد بن حجر المكی. (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الهند من الأعلام: ۳۷۵/۴)

- الشیخ أبو الحسن محمد بن محمد عبدالرحمن البكری المصری الشافعی من آل ابی بكر الصدیق رضی الله عنه [۸۹۹-۹۵۲ھ]

أخذ الفقه والعلوم عن القاضی زكریا، والبرهان بن أبی شریف وغیرهما. وأخذ التصوف عن الشیخ رضی الدین الغزی العامری والشیخ عبدالقادر الدشطوطی. (شذرات الذهب فی أخبار من ذهب: ۴۱۹/۱۰، الأعلام للزركلی: ۵۷/۷)

- القاضی الإمام شیخ الاسلام زین الدین زكریا بن محمد بن أحمد بن زكریا الأنصاری الشافعی السُنَیكی القاهری. (۸۲۶-۹۲۵ھ)

أذن له غير واحد من شيوخه في الإفتاء والإقراء، منهم شيخ الإسلام ابن حجر العسقلاني. (إمتاع الفضلاء بتراجم القراء فيما بعد القرن الثامن الهجری: ۱۲۳/۲)

- الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی. (۷۷۳-۸۵۲)

- **حضرت شیخ علی بن حسام الدین المتقی البرهانبوری کی سند حدیث:**

شیخ علی المتقی کے غالباً تین شیوخ ہیں، ان میں سے ہر ایک کی سند ذیل میں ذکر کی جارہی ہے:

(۱) الشيخ أبو الحسن محمد بن محمد عبد الرحمن البكری المصری الشافعی الصديقی (۸۹۹-۹۵۲)

(عن) القاضی الإمام شيخ الإسلام زين الدين زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاری. (۸۲۶-۹۲۵)

(عن) الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی. (۷۷۳-۸۵۲)

(۲) الشيخ محمد بن عبد الرحمن السخاوی المصری (۸۳۱-۹۰۲)

(عن) الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲)

(۳) شهاب الدين أحمد بن حجر المكی الهيتمی الشافعی (۹۰۹-۹۷۴)

(عن) شيخ الإسلام زين الدين زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاری (۸۲۶-۹۲۵)

(عن) الحافظ أحمد علی بن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲)

- حضرت علی المتقی کی سند اپنے تینوں شیوخ سے ابن حجر عسقلانی تک پہونچتی ہے، جن میں علامہ سخاوی بلاواسطہ حافظ ابن حجر کے شاگرد ہیں، جبکہ ابوالحسن البکری، اور ابن حجر مکی شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری کے واسطے سے ابن حجر تک پہونچتے ہیں۔

- علی المتقی کے شیخ ابن حجر مکی اور زکریا الانصاری کے علاوہ دوسرے دو شیوخ زین الدین عبد الحق السنباطی (۸۴۲-۹۱۱) اور جلال الدین عبد الرحمن السیوطی (۸۴۹-۹۱۱) ہیں، ان دونوں کی سند ماقبل میں گذر چکی ہے۔

جار اللہ محمد بن عز الدین عبد العزیز بن فہد
العلوی الہاشمی، المکی
جار الله بن فهد المكي (۸۹۱- ۹۵۴ھ)

شيوخ العلامة ابن فهد كثيرون . فمنهم :(١) المحدث المؤرخ والده العزعبدالعزيز بن فهد الهاشمي المكي (ت ٩٢٢هـ). (٢) المحدث المؤرخ شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوي (٩٠٢ هـ). .(٣) الفقيه القاضي زكريا بن محمد الأنصاري (ت ٩٢٥ هـ) . (۴) الفقيه النحوي عبد الله باكثير المكي (ت ٩٢٥ هـ) .(٥) القاضى المحدث برهان الدين بن أبي شريف المقدسي (ت ٩٢٣ هـ). (٦) القاضي الفقيه الإمام عبد الحق السنباطي (ت ٩٣١ هـ) .(٧) المؤرخ عمر الشمّاع (ت٩٣٦ هـ) . (٨) المحدث أبو بكر العيدروسي (ت ٩١۴ هـ) . (٩) الفقيه مؤرخ المدينة النور علي السمهودي (ت ٩١١هـ) .(١٠) محمد بن محمد البكرى الصديقى. (ت ٩٥٢هـ) ،وغيرهم. مع مجموعة من الشيخات الراويات للحديث مثل : المحدث أم سلمة بنت محمد الطبرية المكية (ت٩١٣هـ/١٥٠٧م) . ام كلثوم بنت محب الدين الطبرية المكية (ت٩٢۴هـ) ـــــ فاطمة بنت الكمال بن سيرين (ت ٩۴١هـ/١٥٣۴م) .

(الكواكب السائرة: ١٣١/٢ ،الضوء اللامع: ٥٢/٣)

سمع من السخاوي: (شذرات الذهب في أخبار من ذهب: ۴٣٢/١٠ ،نيل المنى بذيل بلوغ القرى لتكملة إتحاف الورى: ص: ٩)

سند الحديث: قال الشيخ جار الله بن فهد: أخبرنا الشيخان الحافظان الإمام القدوة شيخ السنة شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن السخاوي نزيل الحرمين الشريفين، والعلامة الرحلة شيخ المحدثين عز الدين أبو الفارس عبد العزيز بن عمر بن محمد بن فهد الهاشمي المكي الشافعيان -رحمهما الله تعالى- شفاهًا عن الإمام الحافظ الرحلة تقي الدين أبي الفضل محمد بن النجم محمد بن محمد بن فهد الهاشمي العلوي المكي الهاشمي إذناً إن لم يكن سماعا ولو لبعضه.

(لحظ الألحاظ بذيل طبقات الحفاظ ـــــ ابن فهد، ص: ١٥)

- عن محمد بن محمد بن فهد المكي الشافعي أبو الفضل الهاشمي. (٧٨٧- ٨٧١ھ)

برع في الحديث، وكثر من المسموع والشيوخ، وجد واجتهد، وعرف العالي والنازل، وشارك في فنون الأثر، وصار المعول عليه في هذا الشأن ببلاد الحجاز قاطبة.

لقي الحافظ ابن حجر بمكة، وسمع منه (المسلسل بالأولية) وشيئا من ترجمة البخاري، وجزءًا في

الحج، ونخبة الفكر، وتخريج الأربعين النووية وغيرها. ومن أشهر مصنفاته: (لحظ الألحاظ بذيل طبقات الحفاظ). [المطالب العالية - ابن حجر العسقلاني، ص: ١/ ٦٠، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع - الشوكاني، ٢/ ٢٥٩]

و أذن له الحافظ زين الدين بإقراء الحديث. (طبقات الحفاظ للسيوطي، ص: ٥٤٩)

و من القاعدة التي سمعتها من حافظ العصر ابن حجر. (نظم العقيان في أعيان الأعيان السيوطي ص: ١٧٠)

- (عن) الحافظ الحجة شهاب الدين احمد بن حجر العسقلاني علیہ الرحمۃ۔

- سند: قال الشيخ جار الله، عن ابن فهد المكى، عن ابن حجر عسقلانى رحمهم الله تعالىٰ.

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

(۹۵۸ تا ۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱ تا ۱۶۴۲ء)

شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترکی، بخاری، دہلوی، حنفی، آغا محمد ترک (م ۷۳۹ھ) کی اولاد میں تھے جو ترک وطن کر کے بخارا سے دہلی آ گئے تھے۔ اور علاؤ الدین خلجی (م ۶۹۵ تا ۷۱۵ھ) قطب الدین (۷۱۶ تا ۷۲۰) اور تغلق شاہ (۷۲۰ تا ۷۲۵ھ) تین بادشاہوں کے عہد میں امرائے دربار میں شامل رہے۔ عبدالحق کے دادا شیخ سعد اللہ (م ۹۲۸ھ) نے درویشانہ زندگی اختیار کر لی تھی اور شیخ عبدالحق کے والد شیخ سیف الدین (م ۹۹۰ھ) بھی اسی طرز زندگی کو اپنائے رہے۔ سیف الدین نے تصوف پر کئی رسالے قلمبند کیے، اور ان کو علم حدیث سے بھی گہرا شغف تھا۔ جس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس ذہبی کی الکاشف فی رجال السنۃ کا ایک نسخہ موجود تھا۔

شیخ عبدالحق محرم ۹۵۸ / جنوری ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کی زندگی کو تین غیر مساوی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (ا) ۹۶۳ تا ۹۸۵ھ-۱۵۵۶ تا ۱۵۷۷ء (۳) ۹۹۶ تا ۱۰۰۰ھ/ ۵۸۸ تا ۱۵۹۲ء اور (۳) ۱۰۰۰ تا ۱۰۵۲ھ/ ۱۵۹۲ تا ۱۹۴۲ء۔ پہلے دور کے اختتام پر انہوں نے دہلی میں فارسی، عربی، فقہ اور معقولات کی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ اس دور میں اُن کے والد سیف الدین اور دوسرے ممتاز علماء جن میں وسط ایشیاء سے آ کر دہلی میں آباد ہونے والے فقہا بھی شامل تھے، ان کو تعلیم دیتے رہے۔ چونکہ عبدالحق کے والد محدث بھی تھے، اس لیے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے کو حدیث کی تعلیم بھی ضروردی ہوگی۔ مگر اس بات کا تحریری ثبوت نہیں ملتا کہ عبدالحق نے اس دور میں حدیث کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔

دوسرے دور میں (۹۹۶ تا ۱۰۰۰ھ) انہوں نے ساری توجہ علم حدیث کی تحصیل پر مرتکز کر دی اور مکہ معظّمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی (م ۱۰۱۰ھ) سے جو علی متقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) کے شاگرد رشید اور جانشین تھے، حدیث کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اپنے شیخ سے صحاح ستہ کا اجازہ حاصل کرنے کے بعد عبدالحق نے حدیث کی تعلیم ختم کر لی۔ یہ زمانہ اُن کی زندگی میں ایک انقلابی موڑ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اسی نے انہیں مستقبل کا ایک نامور محدث اور بلند پایہ مصنف

بنانے کی راہ ہموار کردی۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ تحصیل علم پر متوجہ ہونے سے قبل شیخ عبدالحق درباری زندگی کی طرف کسی قدر مائل تھے کیونکہ فتح پور میں کچھ عرصہ تک وہ فیضی اور مرزا نظام الدین احمد (م ۱۰۰۳ھ) کے ہم نشین رہے تھے؛ لیکن جب وہ حجاز سے واپس آئے تو اُن میں زبردست تبدیلی آچکی تھی۔ اب وہ بالکل مختلف شخص تھے اور ایک عالم کی گوشہ نشیں اور سادہ زندگی کو تمام چیزوں پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے لاہور میں اپنے سابق دوست فیضی سے ملنے تک سے انکار کردیا، حالانکہ فیضی ان سے ملاقات کے لیے بار بار اصرار کرتے رہے۔

تیسرا یا آخری دور تصنیف وتالیف اور دہلی کی خانقاہ قادریہ میں اسلامی علوم بالخصوص علم حدیث کا درس دینے کا زمانہ ہے۔ شیخ عبدالحق نے ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا، جس میں منجملہ دوسرے علوم کے علم حدیث سے متعلق کتابیں بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ جو انہوں نے حرمین میں اپنی تعلیم کے زمانہ میں جمع کی تھیں اور حدیث کی کتابیں عرب کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی منگوائی تھیں۔ حدیث کی نادر وکم یاب کتابیں نقل کرنے کے لیے انہوں نے کاتب بھی رکھے تھے۔ طاہر پٹنی کی مجمع بحار الانوار کے ایک مخطوطہ پر یہ درج ہے کہ یہ نسخہ ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لیے نقل کیا گیا تھا۔ یہ مخطوطہ نول کشور پریس لکھنؤ نے طبع کردیا ہے۔ یہ دور شیخ عبدالحق کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا، اور وہ ایک محدث اور خدا رسیدہ بزرگ کی حیثیت سے اس قدر مشہور ہوگئے تھے کہ شہنشاہ شاہجہاں بھی اُن سے ملاقات کے لیے آیا اور اظہار عقیدت کیا اور ۱۰۲۸ھ/ ۱۶۱۹ء میں دہلی سے کشمیر روانہ ہونے سے قبل اُن کی دُعاؤں کا طلب گار رہا۔ شیخ عبدالحق نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء میں دہلی میں وفات پائی اور حوض شمسی کے قریب ایک مقبرے میں جو خود انہوں نے تعمیر کرایا تھا، دفن کیے گئے۔

تصانیف: شیخ عبدالحق دہلوی بہت زیادہ لکھنے والے مصنف تھے اور انہوں نے حدیث، تصوف، تاریخ، اور سوانح پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھیں ہیں۔ جن میں سے تیرہ کتابوں کا ذکر بروکلمن نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ (علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ: ۱۵۷-۱۵۹)

*** الشيخ المحدث عبد الحق بن سيف الدين الدهلوى (م سنة ١٠٥٢هـ)**

الشيخ العلامة الفقيه شيخ الإسلام و أعلم العلماء الأعلام و حامل راية العلم و العمل في المشايخ الكرام الشيخ عبد الحق بن سيف الدين بن سعد الله البخاري الدهلوى، سافر للحج و الزيارة ٩٩٥ھ فلما وصل إلى أجين أقام بها زماناً و هيأ له مرزا عزيز الدين بن شمس الدين الدهلوى أمير تلك الناحية الزاد و الراحلة، فسافر إلى أحمد آباد و أقام بها زماناً، و أدرك الشيخ و جيه الدين بن نصر الله العلوى الغجراتي و أخذ عنه بعض أذكار الطريقة القادرية و أشغالها، و الشيخ عبد الحق أخذ الحديث عن الشيخ عبد الوهاب بن فتح الله البروجى أحد أصحاب على المتقى و القاضي على بن جار الله القرشى المكى و بالمدينة المنورة عن الشيخ أحمد بن محمد المدني و الشيخ حميد الدين بن عبد الله السندى المهاجر، و أجازوه

إجازة عامة وأثنوا عليه. (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الهند من الأعلام: ۴/۲۱۹ تا ۲۲۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوي کی سند

اخذ الحديث عن كبار محدثيها، و قرأ عليهم الصحيحين، ثم لازم الشيخ عبد الوهاب بن ولي الله المتقي، وقرأ عليه مشكاة المصابيح، ثم صحيح مسلم، وأخذ عن القاضي علي بن جار الله بن ظهيرة المكي، ثم سافر إلى المدينة المنورة، وأخذ الحديث بها عن الشيخ احمد بن محمد بن محمد أبي الحزم المدني و الشيخ حميد الدين بن عبد الله السندي المهاجر الى مكة المشرفة، وأجازوه جميعاً إجازة عامة و اثنوا عليه. (نزهة الخواطر: ۵/۵۸۳، الاعلام للزركلي: ۷/۵۹، ۶۰)

- (عن) عبد الوهاب بن ولي الله المندوى البرهانبوري المهاجر الى مكة. (۱۰۰۱م)

كان الشيخ من العلماء الربانيين، ولد و نشأ بمدينة برهان بور بعد ما انتقل والده من مندو إليها و صار يتيما، فرماه الاغتراب إلى كجرات و إلى ناحية الدكن و جزائر السيلان و إلى سرانديب حتى وصل إلى مكة المباركة سنة ثلاث و ستين و تسعمائة، وأدرك بها الشيخ علي بن حسام الدين المتقي الكجراتي، و كانت بينه و بين أبيه مودة، فأقام بمكة المشرفة، و لازمه اثنتي عشرة سنة، وأخذ عنه العلم و المعرفة، و أسند الحديث عنه و عن غيره من المشايخ.

أخذه عنه الشيخ عبد الحق بن سيف الدين البخارى الدهلوى و خلق كثير من العلماء و المشائخ.

(نزهة الخواطر: ۵/۵۸۳)

- (عن) الشيخ علي بن حسام الدين المتقي البرهانبوري. (۸۸۵-۹۷۵ھ)

أخذ الحديث عن الشيخ ابي الحسن البكري الصديقي، و عن الشيخ محمد بن عبد الرحمن السخاوي، و عن الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمي المكي. (إلاعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام: ۴/۳۵۷)

- (عن) الشيخ ابي الحسن البكري الصديقي الشافعي (۸۹۹-۹۵۲ھ) و الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمي المكي (۹۰۹-۹۷۴ھ).

- (عن) شيخ الاسلام زين الدين زكريا بن محمد بن احمد بن زكريا الانصاري (۸۲۶-۹۲۵ھ).

- (عن) الحافظ احمد بن علي بن حجر العسقلاني (۷۷۳-۸۵۲ھ).

-ح-

-(عن) الشيخ محمد بن عبد الرحمن السخاوي (۸۳۱-۹۰۳ھ).

-(عن) الحافظ احمد بن علي بن حجر العسقلاني (۷۷۳-۸۵۲ھ).

دوسری سند:

قال الشيخ عبد الحق الدهلوي (۹۵۹-۱۰۵۲ھ)

-(عن) الشيخ حميد الدين بن عبد الله السندي المهاجر الى مكة المشرفة. (۱۰۰۹م)

أخذ الحديث بها عن الشيخ أبي الحسن الشافعي البكري، والشيخ أحمد بن حجر الهيتمي المكي، والشيخ نور الدين علي بن العراق الخطيب بالمدينة المنورة، والشيخ نجم الدين محمد بن أحمد الغيطي المصري، والشيخ محمد سالم الطبلاوي المصري، والشيخ محمد العلقمي الشافعي.

(نزهة الخواطر: ۵/۵۲۴)

- (عن) الشيخ ابي الحسن البكري الصديقي الشافعي (۸۹۹ - ۹۵۲ھ) و الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمي المكي (۹۰۹-۹۷۴ھ).

-(عن) شيخ الاسلام زين الدين زكريا بن محمد بن احمد بن زكريا الانصاري (۸۲۶-۹۲۵ھ).

-(عن) الحافظ احمد بن علي بن حجر العسقلاني (۷۳۳-۸۵۲ھ).

-(۱) پہلی سند: قال الشيخ عبد الحق، عن عبد الوهاب البرهانفورى، عن على بن حسام الدين المتقى، عن ابى الحسن البكرى، عن زكريا الانصارى، عن الحافظ ابن حجر العسقلانى.

-ح-

عن السخاوى، عن الحافظ ابن حجر العسقلانى.

(۲) دوسری سند: قال الشيخ عبد الحق، عن الشيخ حميد الدين السندى، عن الشيخ ابى الحسن البكرى و الشيخ ابن حجر هيتمى، عن الشيخ زكريا انصاريط عن الحافظ ابن حجر العسقلانى.

المجدد للألف الثاني مولانا الشيخ أحمد الفاروقي السرهندي (۹۷۱-۱۰۳۴ھ)

أخذ الحديث :عن الشيخ يعقوب المحدث الكشميري- وكان صاحب كبراء المحدثين بالحرمين الشريفين- وأسند الحديث عنهم، وتناقل الحديث المسلسل بالرحمة بواسطة واحدة عن الشيخ: عبد الرحمن بن فهد - من كبراء المحدثين في زمانه بالهند - وتعاطى عنه إجازة كتب التفسير والصحاح الست وسائر مقروءاته.

وروى الحديث المسلسل بالأولية عن القاضي: بهلول البدخشاني عن ابن فهد المذكور، ولعله هو الواسطة في الإجازة بينهما، وفرغ من التحصيل في عمر سبعة عشرة سنة واشتغل بالتدريس. (أبجد العلوم — صديق حسن خان: ص:۲۹۸)

وقد كان الشيخ يعقوب يحمل الإجازة من كبار المحدثين والمؤلفين في الحديث والتفسير، وفي مؤلفاتهم ومجاميعهم، وروى الحديث من العالم الرباني الشهير القاضي بهلول البدخشاني، الذي كان عالي الكعب في علم التفسير والحديث، وتلميذ عالم عصره الشيخ عبد الرحمن بن فهد، وقرأ عليه صحيح البخاري، ومشكاة المصابيح، وشمائل الترمذي، وكتبا أخرى في الحديث، كما أسند عنه ثلاثيات البخاري، والأحاديث المسلسلة، وروى كتب التفسير أيضاً على طريقة المتقدمين بالأسانيد المتصلة، وقرأ فاتحة الفراغ، وهو في السابعة عشرة من سنة. (الإمام السرهندي حياته وأعماله - ابو الحسن على الندوي: ص:۱۲۲)

(عن) الشيخ يعقوب بن الحسن الكشميري الصرفي. (۹۰۸-۱۰۰۳ھ)

اخذ الحديث عن الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمي المكي. (نزهة الخواطر: ۲۶۵/۵)

(عن) الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمي.

(عن) القاضي الشيخ زكريا الانصاري.

(عن) الحافظ ابن حجر العسقلاني.

دوسری سند:

- الشيخ احمد الفاروقي السرهندي. (۹۷۱-۱۰۳۴ھ)
- (عن) الشيخ يعقوب بن الحسن الكشميري الصرفي. (۹۰۸-۱۰۰۳ھ)

- (عن) القاضي بهلول البدخشاني

- (عن) عبد الرحمن بن عبد القادر بن عبد العزيز بن النجم عمر وعمه الشيخ جار الله .(۹۹۵م) أخذ عن عمه جار الله بن فهد، وعن ابن حجر المكى، غير العسقلانى،وعن جماعة. (درة الحجال فى أسماء الرجال:۹۹/۳)

- (عن) أبيهما الحافظ عز الدين عبد العزيز ، عن جده الحافظ الرحلة تقى الدين محمد بن فهد العلوي الهاشمي، والحافظ الحجة شهاب الدين أحمد بن حجر العسقلاني. رحمهم الله تعالى

{وأسند الحديث عن الشيخ يعقوب بن الحسن الصرفي الكشميري، الذي أخذ عن الشيخ شهاب ابن حجر الهيتمي المكي، ثم تناول الحديث المسلسل بالأولية عن القاضي بهلول البدخشي،عن الشيخ عبد الرحمن فهد عن أبيه الشيخ عبد القادر ، وعمه الشيخ جار الله، عن أبيهما الحافظ عز الدين عبد العزيز ، عن جده الحافظ الرحلة تقى الدين محمد بن فهد العلوي الهاشمي، والحافظ الحجة شهاب الدين أحمد بن حجر العسقلاني}. (البدور المضية في تراجم الحنفية - محمد حفظ الرحمن الكملائي: ۳۸۳/۲، لمعات التنقيح: ۳۱/۱)

مجاہدین اسلام ومحدثین

(۱) حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ

پہلا سفر: حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے تین بھائی تھے،(۱)حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ(۲)مغیرہ بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور(۳)حفص بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ،حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو آں حضرت ﷺ نے طائف کا حاکم مقرر کیا تھا،اس وقت سے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کی ابتداء تک آپ طائف کے حاکم رہے؛مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ ہجری میں ان کو طائف کے بجائے بحرین اور عمان کا حاکم بنادیا،حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بحرین وعمان کی تولیت کے ابتدائی دور ہی میں اپنے بھائی حکم کو طائف سے بلا کر بحرین بھیج دیا اور خود عمان پہنچ کر جاں نثاران اسلام کی فوج تیار کی اور اپنے بھائی حکم کو اس فوج کا قائد بنا کر ہندوستان روانہ کیا،اس مہم میں حکم بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو لے کر تھانہ(بمبئی)اور بھروچ(گجرات)دونوں ساحلی مقامات پرحملہ کیا اور فتح یاب ہوئے،اس حملہ کے وقت تھانہ میں وبھی راجاؤں میں سے ''دھروسین دوم'' تخت نشین تھا اور بھروچ میں ''گوجروں'' کا راج تھا؛مگر دکنی چالوکیہ ان تمام کے سردار سمجھے جاتے تھے،نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ رضی اللہ عنہ کو ایک فوج دے کر دیبل (ٹھٹھ،سندھ) بھیجا،یہاں بھی اسلامی فوج فتح ونصرت سے ہم کنار ہوئی اور مظفر ومنصور واپس لوٹی۔

ان مہمات کا تذکرہ مشہور مؤرخ بلاذری نے''فتوح البلدان'' کے باب''فتوح السند''میں یوں کیا ہے:

ولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ البحرین وعمان سنۃ خمس عشرۃ فوجہ اخاہ الحکم الی البحرین ومضی الی عمان ، فاقطع جیشا الی تانہ،فلما رجع الجیش، کتب الی عمر رضی اللہ عنہ علمہ ذلک،فکتب الیہ عمر : یا اخا ثقیف! حملت دودا علی عود ، وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا لأخذت من قومک مثلھم ، ووجہ الحکم ایضا الی بروص ، ووجہ اخاہ المغیرۃ بن ابی العاص الی خور الدبیل فلقی العدو وظفر . (فتوح البلدان،۴۲۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ ہجری میں عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا حاکم بنایا،عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حکم کو بحرین روانہ کیا اور خود عمان پہنچ کر تھانہ کی طرف ایک مہم روانہ کی اور جب لشکر واپس ہوا؛ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس کی اطلاع دی،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا: اے ثقفی بھائی!تو نے گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کردیا ہے،خدا کی قسم!اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی تو تمہاری قوم

سے اس کا بدلہ لوں گا، نیز عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھروچ روانہ کیا اور دوسرے بھائی مغیرہ رضی اللہ عنہ کو دیبل کی کھاڑی کی طرف روانہ کیا، جہاں انہوں نے دشمن سے مقابلہ کر کے فتح پائی۔

بلاذری کے علاوہ حموی اور دوسرے مؤرخوں نے حکم رضی اللہ عنہ کے اس حملہ کا تذکرہ اپنی تاریخوں میں نہیں کیا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ ایک غیر منظم جھڑپ تھی، کوئی مستقل فوج کشی اور جنگ نہیں تھی، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ناپسند فرماتے ہوئے کوئی اہمیت نہیں دی؛ بلکہ شدت سے منع فرمایا تھا، بہر حال گجرات وسندھ بلکہ پورا ہندوستان طائف اور اس کے قبیلہ بنوثقیف کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا ہے کہ اس نے ہندوستان کو اسلام کی روشنی سے منور فرمایا۔ (علماء گجرات کی خدمات حدیث: ۵۵-۶۰)

برصغیر پاک وہند کے مختلف مقامات میں مسلمان بغرض جہاد ۱۵ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آئے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صرف چار سال کا عرصہ گذرا تھا اور وہ صحابۂ کرام کا زمانہ تھا، بندرگاہ تھانہ، بھروچ، دیبل اور مکران کے دور دراز اور اجنبی علاقوں میں جہاد کا قصد دو چار آدمیوں ہی نے تو نہیں کیا ہوگا، ظاہر ہے اگر ہزاروں کی تعداد میں نہیں تو مجاہدین سینکڑوں کی تعداد پر ضرور مشتمل ہوں گے اور وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، ان خوش نصیب حضرات میں وہ بھی ہوں گے، جنہوں نے آں حضرت کی رؤیت وصحبت کی سعادت حاصل کی اور مخضرم اور مدرک صحابی بھی ہوں گے، جہاد، تجارت، محنت مزدوری، کاروبار، تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کے سلسلہ میں صحابۂ کرام مختلف علاقوں اور مختلف بلاد وامصار میں پھیل گئے تھے، ان کا مسکن مکہ یا مدینہ یا عرب کے بعض علاقے ہی نہ رہے تھے، تاریخ کی کتابوں سے ہمیں پچیس صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی کا پتہ چل سکا ہے، جن کے مبارک قدم جہاد کے لئے برصغیر میں پہنچے، ورنہ خیال یہ ہے کہ بہت سے صحابۂ کرام یہاں تشریف لائے ہوں گے، جنہوں نے اس خطۂ ارض کے مختلف مقامات کو اپنا مسکن ٹھہرایا ہوگا۔ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش: ۴۵، ۵۶)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ امیر ومجاہد اور فاتح ہونے کے ساتھ محدث وفقیہ بھی تھے، وہ ان جامع شخصیتوں میں سے تھے جو اسلامی رزم وبزم دونوں میں برابر کے حصہ دار ہیں، آپ اپنے ساتھ علم وعَلم دونوں رکھتے تھے، چنانچہ وہ حاملین علوم نبوت میں سے بھی شمار کئے جاتے ہیں اور ان سے متعدد احادیث مروی ہیں، خاص طور سے اہل مدینہ اور اہل بصرہ نے ان سے روایت کی ہے اور امام حسن بصری ان کے خصوصی شاگرد ہیں، جنہوں نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلل ومعرفۃ الرجال میں لکھا ہے کہ امام حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، ہم ان کے مکان پر جا کر ان سے حدیث کی روایت کرتے تھے۔

امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں تصریح کی ہے کہ عثمان بن ابوالعاص ؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹/احادیث کی روایت کی ہے، جن میں سے تین حدیثیں صحیح مسلم میں ہیں، باقی سنن کی کتابوں میں ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے : **وروی عنه اهلها و اهل المدينة ايضا، و الحسن اروى الناس عنه. وقيل: انه لم يسمع منه.**

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ سے اہل بصرہ اور اہل مدینہ نے روایت کی ہے اور حسن بصریؒ نے ان سے سب سے زیادہ روایت کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حسن بصریؒ نے ان سے حدیث کا سماع نہیں کیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کا بیشتر حصہ بصرہ میں گزارا اور وہیں ۱۱۰ھ میں وفات پائی، حضرت عثمان ثقفیؓ بھی ۲۹ھ میں مستقل بصرہ میں سکونت پزیر تھے اور ان کے انتقال کے وقت حسن بصریؒ کی عمر ۳۰/سال سے زائد تھی، اس زمانہ میں تابعین صحابہ سے ملنے اور ان سے براہ راست حدیث کی روایت وسماع کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے اور حضرت امام محمدؒ نے حسن بصری کے حضرت عثمانؓ سے سماع وروایت کی تصریح خود حسن بصری کی زبانی کی ہے، ان حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ حسن بصریؒ نے عثمان ثقفیؓ سے حدیث کا سماع نہیں کیا ہے، یہ بعید بات معلوم ہوئی۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ سے جن حضرات نے روایت کی ہے ان میں سے ان کے بھائی حکم بن ابوالعاص، بھتیجے یزید بن حکم بن ابوالعاص اور غلام ابوالحکم ہے، ان کے علاوہ علماء رجال نے ان حضرات کے نام ذکر کئے ہیں: سعید بن مسیب، موسی بن طلحہ بن عبداللہ، نافع بن جبیر بن مطعم، محمد بن عیاض، محمد بن سیرین، عبدالرحمن بن جوشن غطفانی، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم۔ ان تمام حضرات میں حسن بصری اپنے شیخ کے علوم ومعارف کے سب سے زیادہ راوی وناشر ہیں۔

(۲) حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، ۱۴/ہجری میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلم بصرہ کا منصب عطا کر کے بصرہ بھیجا اور پھر ایک سال بعد ۱۵/ہجری میں جب انہیں عمان اور بحرین کا والی بنایا تو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جگہ اپنے اس بھائی حضرت حکم بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طائف کا امیر مقرر کر دیا تھا، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طائف سے مدینہ منورہ بلاتے وقت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا تھا کہ جس کو آپ مناسب سمجھیں؛ اپنی جگہ اس کو طائف کا والی بنادیں اور خود میرے پاس تشریف لے آئیں، چنانچہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ طائف کی امارت اپنے بھائی حکم کے سپرد کر کے خود امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

اس سے کچھ عرصہ کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے گئے، حضرت عثمان رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بحرین کا امیر مقرر کیا اور انہوں نے امیر کی حیثیت سے کئی علاقوں پر فوج کشی کی اور فتح یاب ہوئے۔

حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بلاد سندھ و ہند میں سے بندرگاہ تھانہ، بھروچ، دیبل، مکران اور اس کے نواحی علاقوں پر بھی یلغار کی اور جہاں گئے کامیاب رہے۔

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بلاد ہند پر حملہ کے لئے دربار خلافت سے اجازت نہیں لی تھی، فوجوں کی واپسی کے بعد جب انہوں نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی اور اپنی کامیابی سے مطلع فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اتنے دور دراز علاقے پر سمندری حملہ کر کے مجاہدین کی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیا تھا، چنانچہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا، اس خط کے کچھ الفاظ بلاذری نے اپنی کتاب ''فتوح البلدان'' میں درج کئے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں امیر المؤمنین کے نزدیک ہندوستان کو سیاسی اور فوجی اعتبار سے کس درجہ اہمیت حاصل تھی، وہ لکھتے ہیں:

یاأخاثقیف! حملت دو دا علی عود، و انی احلف باللہ ان لو اصیبو الأخذت من قومک مثلھم.

یعنی اے ثقفی بھائی! تو نے کیڑے کو لکڑی پر چڑھا دیا، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ فوجی مارے جاتے تو تجھ سے تیری قوم میں سے اتنے ہی آدمی لے لیتا۔

حضرت حکم بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت زیرک، انتہائی معاملہ فہم، حلیم الطبع، دور اندیش، پیکر عفت، جنگی معاملات سے باخبر اور امور حرب وضرب سے خوب آگاہ تھے، تقوی وصلاحیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ زیاد بن ابو سفیان نے ان کو اپنے یہاں بلایا، ملاقات ہوئی اور باتیں کیں، تو زیاد نے ان کے بارے میں لوگوں سے کہا: ''یہ صالحیت اور تقوی کا مجسمہ ہے، ان کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔''

زیاد نے ان کی زیارت کو اپنے لئے باعث برکت قرار دیا اور انہیں خراسان کا والی مقرر کیا، ہندوستان کے بعض علاقوں میں بغرض جہاد آنے والے یہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے آخری دور میں بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہیں ۴۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ (جمہرۃ انساب العرب، ص:۲۶۶، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش: ۵۲-۵۵)

احادیث کی روایت

حضرت حکم ثقفی رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی طرح امیر ومجاہد اور فاتح ہونے کے ساتھ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی علوم سے بھی حصۂ وافر رکھتے تھے اور بصرہ کے علماء ومحدثین میں شمار کئے جاتے تھے۔

انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع احادیث کی روایت کی؛ مگر بعض محدثین نے ان کی احادیث کو مرسل بتایا ہے۔ ابن عبد البر لکھتے ہیں: **یعد فی البصریین و منھم من یجعل احادیثہ مرسلۃ**، حکم بصرہ کے محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں اور بعض ان کی احادیث کو مرسل قرار دیتے ہیں۔

حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ سے احادیث کی روایت کی ہے اوران سے معاویہ بن قرہ نے روایت کی ہے۔

وفات: حضرت حکم رضی اللہ عنہ بھی اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ۲۴ھ میں بحکم امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معزول ہوکر بصرہ میں مقیم ہوگئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسرے بھائیوں کی طرح ان کو بھی اپنے علاقہ شط میں عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ سے ایک قطعۂ زمین جاگردی جسے حکمان کہتے تھے، آپ نے اسی میں اپنا مکان بنایا اور بودوباش اختیار کی اور بصرہ ہی میں ۲۵ھ کے بعد انتقال کیا۔

اولاد: حضرت حکم کے چارلڑکوں کے نام معلوم ہو سکے، جودرج ذیل ہیں:

(۱) یزید بن حکم ثقفی رضی اللہ عنہ، یہ شاعر تھے اور حجاج بن یوسف نے ان کو اپنی امارت عراق کے زمانہ میں علاقۂ فارس کا حاکم بنایا تھا، انہوں نے اپنے چچا عثمان رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔

(۲) عبدالرحمن بن حکم ثقفی رضی اللہ عنہ (۳) یحییٰ بن حکم ثقفی رضی اللہ عنہ، ان کے پوتے حکم بن ایوب بن یحییٰ ثقفی رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے نائب تھے۔

(۴) یعلی بن حکم ثقفی رضی اللہ عنہ؛ یہ شاعر تھے۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرح ان کے بھائی حکم کی اولاد بھی اعیان واشراف میں شمار ہوتی تھی اور بصرہ میں ان کو بڑا جاہ وجلال حاصل تھا۔

حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی گجرات آمد

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں عمان اور بحرین کی امارت سنبھالی، اسی دور میں آپ اور آپ کے بھائیوں نے ایران اور ہندوستان میں جہاد کیا اور یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ کا شمار صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سید حکیم عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ اپنے بھائی حکم بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کی حکومت پر نامزد کر کے حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوج کشی کریں، حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے کشتیوں کے ذریعہ دریائی سفر کی سخت منزلیں طے کیں اور اپنی فوج کو لئے ہوئے سب سے پہلے سواحل گجرات پر قدم رکھا یا یوں کہنا چاہیے کہ ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس خدائے یکتا پر ایمان لانے والوں کا اور اسی ایک ہستی کو وحدہ لاشریک لہ جاننے اور اسی کو قادر مطلق اور مصرف الامور ماننے والوں کا پاک قدم پہلے اسی سرزمین پر پڑا اور اسی سرزمین کے دشت وجبل ہندوستان میں سب سے پہلے اللہ اکبر کے نعروں سے گونجے۔ (یاد ایام: ص: ۴۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمان میں امارت سنبھالی تھی اور بحرین اپنے بھائی حکم رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تھا، اسی عمان میں انہوں نے متطوعین اور فدائیان اسلام کی فوج تیار کی اور اس کی قیادت اپنے بھائی حکم کو دے کر ہندوستان روانہ کیا، اس مہم میں تھانہ اور بھروچ دونوں ساحلی مقامات پر حکم بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو لے کر حملہ کیا اور فتح پائی، نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابوالعاص کی زیر قیادت ایک رضا کارانہ بحری فوج دبیل کی طرف روانہ کی جہاں سے اسلامی لشکر مظفر ومنصور واپس ہوا۔

قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و کانت تطوعا من غیر اذن عمر رضی اللہ عنہ و علمہ لانہ کان لا یأذن بغزوۃ البحر تأسیا بالنبی ﷺ و ابی بکر حتی أذن بھا فی سنۃ سبع عشرۃ. (العقد الثمین: ص ۴۰، ۴۴، ط: المطبعۃ الحمیدیۃ، اعظم گڈھ)

اس غزوہ میں گمان وظن یہی ہے کہ وہ پاک طینت اور مقدس ہستیاں جو اس لشکر میں موجود تھیں، انہوں نے یہاں جام شہادت نوش فرمایا ہو اور اس خطہ میں ان کے مبارک اجسام کنز مخفی کی طرح محفوظ ہو۔ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> اس حملہ میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا، ان میں غالبا وہ انفاس قدسیہ بھی تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھا تھا اور آپ کی پاکیزہ صحبت وروحانی تعلیم سے بھی مستفید ہو چکے تھے، ان فدائیان اسلام کی قدسی صورتیں اسی سرزمین کی آغوش محبت میں گنج بے رنج کی طرح مدفون ہوئیں؛ اگرچہ ہم کو اس کنز مخفی کا پتہ نہیں؛ مگر یہ یقینی ہے کہ بمبئی اور بھروچ کے گردونواح میں یہ خزانہ سپرد خاک ہوا ہوگا۔ (یاد ایام: ۴۴، ۴۵، ط: مرکز تحقیقات، لکھنؤ)

(۳) شیخ حارث بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ

حارث بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ وہ تابعی تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور وممتاز صحابی حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا، پھر خود مسند تدریس آراستہ کی اور ان سے جو حضرات سماع حدیث کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے، ان میں ان کے بیٹے محمد بیلمانیؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

بیلمان: یہ ''بھیلمان'' کی تعریب ہے، اس زمانہ میں یہ ایک گاؤں یا قصبہ تھا جو سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان کہیں واقع تھا۔

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حارث کس علاقہ اور شہر سے ''بھیلمان'' آئے، کب آئے، کس کام کے سلسلہ میں آئے، کتنا عرصہ وہاں قیام رہا اور ان کی کیا سرگرمیاں تھیں۔ (تہذیب التہذیب: ۹/ ۱۰۴، ۲۹۴، ۲۹۵، بضمن محمد بن الحارث البیلمانی ومحمد بن عبدالرحمن البیلمانی)

(۴) شیخ محمد بن ابراہیم بیلمانی

محمد بن ابراہیم بیلمانی کا تعلق بھی برصغیر سے تھا اور یہ بیلمان کے رہنے والے تھے، ان سے عبید اللہ بن ربیع نجرانی نے روایت حدیث کی، ان کے مفصل حالات نہیں مل سکے۔

(۵) شیخ محمد بن حارث بیلمانی

محمد بن حارث دراصل بھیلمان کے رہنے والے تھے، انہوں نے اپنے والد حارث بیلمانی سے روایت حدیث کی اور پھر ان سے محمد بن حارث نے روایت کی۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ محمد بن حارث حارثی بھیلمانی نے محمد بن عبدالرحمن بیلمانی سے روایت کی۔

محمد بن حارث بیلمانی وہ تبع تابعی تھے، جو سندھ اور ہند سے تعلق رکھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب، ج:۹ص ۱۰۴، ۲۹۳، ۲۹۴، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش: ۲۱۷)

(۶) شیخ عبدالرحمن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ

عبدالرحمن بن ابوزید بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں خمس کے طور پر ان کے حصے میں آئے، انہیں موالی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گردانا جاتا ہے، ان کی کنیت ابوحاتم تھی، یہ وہ تابعی ہیں؛ جنہوں نے صحابہ میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث کی، تابعین کی جماعت میں سے انہوں نے عبدالرحمن اعرج اور نافع بن جُبیر بن مطعم سے روایت کی۔

عبدالرحمن بن ابوزید بیلمانی سے بھی بہت سے حضرات نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا شرف حاصل کیا، جن میں ان کے بیٹے محمد بن عبدالرحمن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ یزید بن طلق، ربیعہ بن ابوعبدالرحمن، خالد بن عمرو، سماک بن فضل اور ایک جماعت شامل ہے۔

عبدالمنعم بن ادریس کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن ابوزید دراصل اہل یمن سے تعلق رکھتے تھے اور بہترین شاعر تھے، حرّان میں ان کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا، انہوں نے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک سے ملاقات کی اور وہ ان سے بہت اچھی طرح پیش آیا، اس کا عہد حکومت ۸۶ رہجری سے ۹۶ رہجری تک دس سال کا ہے، اسی کے عہد میں ان کی وفات ہوئی۔

ترمذی شریف میں طواف وداع کے بارے میں عبدالرحمن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث مروی ہے اور نسائی شریف میں عمرو بن عبسہ سے ان کے قبول اسلام کے متعلق واقعہ بیان کیا گیا ہے، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے: **ضعیف لاتقوم به حجة.** ''یعنی عبدالرحمن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ ضعیف راوی ہیں، ان کی روایات کو قابل حجت نہیں مانا جاسکتا۔''

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولی تھے اور بیلمانی تھے، بیلمان، بھیلمان کا معرب ہے جو سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان ایک قصبہ ہے اور یہ قصبہ جنید بن عبدالرحمن کے ہاتھوں بنوامیہ کے مشہور حکمران ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت میں فتح ہوا۔ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش: ۱۱۴، ۱۱۵)

(۷) شیخ امام حضرت ربیع بن صبیح بصری ہندی رحمۃ اللہ علیہ

گجرات میں انفاس قدسیہ کی پہلی آمد ۱۵ھ میں ہوئی، اس کے بعد گجرات پر مختلف حملوں میں سے ایک حملہ مہدی باللہ عباسی کے دور میں ہوا، جب کہ اس نے بغداد میں باگ ڈور سنبھالی، تو اس نے ۱۵۶ھ مطابق ۷۷۵ میں ایک لشکر کافی ساز و سامان کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ کیا، جن کے قائد وامیر عبدالملک بن شہاب مسمعی تھے، یہ لشکر قدیم تاریخی شہر بھروچ سے تقریبا ۲۰ کیلومیٹر دوری پر واقع مقام ''بھاڑ بھوت'' پہنچا، عربی مؤرخین نے اس کا نام معرب بنا کر ''باربد'' لکھا ہے، اس فوج میں مشہور محدث ابوبکر ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

یہ فوج ۱۶۰ھ میں بھاڑ بھوت پہنچی اور فتوحات عظیمہ حاصل کیں، وہ زمانہ دریا کے چڑھاؤ کا تھا، اترنے کے انتظار میں عبدالملک نے کچھ دنوں وہاں قیام کرنا مناسب سمجھا، یہ اسی انتظار میں تھا کہ دفعۃً ہوا میں عفونت پیدا ہوئی اور ایک ہزار آدمی وبا کا شکار ہو گئے، حضرت ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی بیماری میں انجام بخیر ہو گیا اور اسی زمین میں وہ پیوند خاک ہو گئے، یہ دوسرا شرف اس سرزمین گجرات کو حاصل ہے کہ ایسا شخص اس کی آغوش میں سو رہا ہے جو فن حدیث میں پہلا مصنف ہے؛ بلکہ صاحب کشف الظنون کی رائے میں مسلمانوں میں پہلا شخص ہے جس نے کتاب تصنیف کی ہے۔ (یاد ایام: ص: ۴۶، اضواء علی تاریخ الحرکة العلمیة فی غجرات: ص: ۱۶، ط: مطبعۃ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اول مصنف کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں بھی ربیع بن صبیح رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

> **قال صاحب کشف الظنون: اختلف فی اول من صنف فی الاسلام فقیل: انه الامام عبد الملک بن عبد العزیز البصری المتوفی فی سنة ست و خمسین و مائة، وقیل ابو النصر سعد بن عروفة المتوفی سنة ست و خمسین و مائة و ذکرهما الخطیب البغدادی. وقیل: ربیع بن صبیح المتوفی سنة ستین و مائة، قاله ابو محمد الرامهرمزی.** (سبحة المرجان فی آثار هندوستان: ص: ۶۴، ج: ۱، ط: معهد الدراسات الاسلامیة، علی گڈھ)

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۰ھ کے دو بصری شاگردوں کو ہندوستان سے خصوصی تعلق تھا اور ان کے واسطہ سے آپ کے فیوض و برکات اس ملک میں پھیلے ہیں، ان میں سے ایک حضرت امام ابوحفص ربیع بن صبیح بصری ہندی محدث فقیہ ہیں اور دوسرے حضرت امام موسی اسرائیل بن موسی بصری ہندی محدث ہیں۔

اول الذکر ۱۶۰ھ میں ہندوستان کے علاقہ گجرات میں ایک جہاد میں آئے اور یہیں وفات پائی اور ثانی الذکر کئی بار ہندوستان آئے اور گئے۔

نام ونسب: آپ کا نام ربیع، والد کا نام صبیح اور کنیت ابوحفص اور ابوبکر ہے، مگر ابوحفص زیادہ مشہور ہے، قبیلہ بنوسعد کے آزاد کردہ غلام ہیں، اس لئے سعدی کی نسبت سے متعارف ہیں، صبیح بروزن فعیل ہے۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں: **وھو ابن صبیح بفتح الصاد المھملۃ السعدی البصری.** ربیع کے والد صبیح میں صاد پر فتحہ ہے، وہ بصری اور سعدی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات کبری میں ان کی کنیت ابوحفص بتائی ہے، امام ربیع کی ولاء کا تعلق جس قبیلۂ بنوسعد سے ہے، اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف بنی سعد لکھا ہے اور عام طور سے ان کو بنوسعد بن تمیم بتایا گیا ہے، مگر ابن سعد نے بنی سعد بن زید بن مناۃ بن تمیم لکھا ہے، آپ کا اصلی وطن بصرہ تھا، جس پر تمام تذکرہ نویس متفق ہیں۔

حصول تعلیم اور شیوخ

آپ نے دوسری صدی ہجری کے اوائل میں آنکھ کھولی، جس میں ہر اعتبار سے اسلام ترقی پزیر تھا، سندھ سے لے کر مغرب اقصی تک مجاہدین اسلام کے قافلے رواں دواں تھے، پورا عالم اسلام دینی علوم وفنون کے اساتذہ وتلامذہ سے معمور تھا، آپ کا وطن قبۃ الاسلام بصرہ اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز بنا ہوا تھا، اس ماحول کی برکتوں سے آپ پوری طرح فیض یاب ہوئے اور اس دور کے جلیل القدر علماء سے علم حاصل کیا اور اس زمانہ کی سب سے بڑی اور پر عظمت شخصیت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اسوہ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا، آپ کے شیوخ واساتذہ میں علم دین کے یہ ائمہ واساطین شامل ہیں۔

امام حسن بصری، عطاء بن ابی رباح مکی، یزید رقاشی، قیس بن سعد، حمید الطویل، ابوالزبیر، ابوغالب صاحب امامہ، ثابت بنانی، مجاہد بن جبر وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ امیر ابن ماکولا نے آپ کے شیوخ میں حازم کرمانیؒ اور حبان الصائغ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شمار کیا ہے، یہ تمام اساتذہ وشیوخ اپنی اپنی ذات سے علم دین کی ایک ایک انجمن تھے، جن کے فیوض وبرکات سے پورا عالم اسلام متمتع ہو رہا تھا، اس فہرست میں اس دور کے ہر علم وفن کے ائمہ موجود ہیں، محدث، فقیہ، جرح وتعدیل کے امام، عباد وزہاد اور غازی ومجاہد سب ہی امام ربیعؒ کے اساتذہ میں شامل ہیں، اس سے آپؒ کی جامعیت اور فضل وکمال کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

تلامذہ اور اصحاب: اسی طرح آپؒ کے تلامذہ واصحاب میں اس دور کے ہر طبقۂ علم وفن کے ارباب کمال پائے جاتے ہیں، جن میں سرفہرست حضرت امام محمد بن حسن شیبانی صاحبؒ امام ابوحنیفہؒ کا نام نامی ملتا ہے، آپ نے براہ راست امام

ربیع سے احادیث کی روایت کی ہے، چنانچہ کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ میں مختلف مقامات پر امام محمد نے اخبرنا الربیع بن صبیح البصری کہہ کر ان سے یزید رقاشی اور حسن بصری کی مرویات نقل فرمائی ہیں، ان کے علاوہ امام ربیع کے حلقۂ تلامذہ میں یہ ائمۂ دین پائے جاتے ہیں: سفیان ثوریؒ، عبدالرحمن بن مہدی، عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن جراح، ابوالولید طیالسیؒ، آدم بن ابو ایاسؒ، علی بن عاصمؒ، سلیمان وارانیؒ، محمد بن قاسم اسدیؒ، علی بن جعدؒ، سعید بن عامرؒ اور روحؒ وغیرہم رحمہم اللہ، آپ کے ان شاگردوں میں بھی ائمۂ حدیث وفقہ، جرح وتعدیل اور مجاہد وغازی موجود ہیں۔

علمی اوصاف وکمالات اور ثقاہت

امام ربیع بن صبیح فقہائے محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں، بلاذری نے فتوح البلدان میں ایک موقع پر آپ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے نام کے ساتھ الفقیہ کا لقب استعمال کیا ہے، آپ کے فضائل ومناقب کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ تبع تابعین کے زمرے میں نمایاں شخصیت رکھتے ہیں۔

ابن شاہین نے کتاب اسماء الثقات میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور علماء جرح وتعدیل کے اقوال سے ثقاہت ثابت کی ہے۔

الربیع بن صبیح؛ قال یحیی: ثقة، وقال مرة اخری: ضعیف، وقال: فیه لا بأس به؛ رجل صالح. ربیع بن صبیح کے بارے میں یحیی نے ایک موقع پر ثقہ اور دوسرے موقع پر ضعیف کہا ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ ان سے حدیث کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے، وہ صالح آدمی تھے۔

امام جرح وتعدیل عبدالرحمن بن مہدی آپ کے شاگردوں میں ہے اور بلاتردد آپ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ ابوحفص عمرو بن علی کا بیان ہے: کان عبد الرحمن بن مهدی یحدث عن الربیع بن صبیح. عبدالرحمن بن مہدی ربیع بن صبیح سے حدیث کی روایت کیا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے: لا بأس به؛ رجل صالح. ان سے روایت کرنے میں مضائقہ نہیں، وہ صالح آدمی تھے۔ ابوالولید طیالسی کا قول ہے: ماتکلم احد فیه الا و الربیع فوقه. جو شخص بھی ربیع کی ذات میں کلام کرتا ہے، ربیع اس سے بلند ہے۔ عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے یحیی بن معین سے ربیع بن صبیح کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: لیس به بأس. ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام ربیع بن صبیح کی ثقاہت وعدالت اور جلالت شان پر ائمۂ دین کی یہ شہادتیں شاہد عدل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سے احادیث کے اعاظم رجال نے روایت کی، مگر بعد میں زہد وتقوی، عبادت وریاضت اور جہاد ومرابطت میں ان کی محدثانہ وفقیہانہ حیثیت بعض ائمۂ جرح وتعدیل اور محدثین کے نزدیک اس معیار پر نہ رہی جو ان کے اصول روایت ودرایت کے لئے مقرر ہے اور بہت سے ائمۂ حدیث کو ان سے روایت کرنے میں کلام کی گنجائش نکل آئی، انہوں نے امام

ربیع کی ذات وصفات کا احترام کرتے ہوئے ان کے بارے میں جرح کے الفاظ بھی استعمال کئے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت میں ان کے زہد واتقاء کی نرمی کو غیر معیاری قرار دیا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **کان ربیع بن صبیح رجلا غزّاء، واذا مدح الرجل بغیر صناعته فقد وهص یعنی دقّ.** ربیع بن صبیح کثیر الغزوہ آدمی تھے اور جب کسی شخص کی تعریف اس کی حدیث دانی کے بغیر کرتے ہیں تو اسے تعریف وتوصیف کر کے ختم کر دیتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے ابن المدینی کا قول نقل کیا ہے: **هو عندنا صالح، ولیس بقوی،** ربیع بن صبیح ہمارے نزدیک صالح ہونے کے باوجود حدیث کے معاملہ میں قوی نہیں ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے: **وکان ضعیفا فی الحدیث، وقد روی عنه الثوری واما عفان فترکه فلم یحدث منه.** ربیع بن صبیح حدیث میں ضعیف تھے، ان سے سفیان ثوری نے روایت کی، مگر عفان نے ان سے احادیث کی روایت نہیں کی۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمۂ جرح وتعدیل امام ربیع بن صبیح کے زہد وتقوی، عبادت وریاضت، صداقت وامانت اور صالحیت ونیکی پر متفق ہیں اور اس بارے میں ان کی دورائیں نہیں ہے، مگر زہد وعبادت کے غلبہ کی وجہ سے ان میں سچائی، نیکی، نیک نیتی اور اخلاص کا اس قدر ذوق پیدا ہو گیا کہ اس دور میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کے اصول پر وہ پورے نہ اتر سکے اور علم حدیث سے زیادہ وہ زہد وعبادت اور جہاد ومرابطت کے آدمی بن گئے۔

ان کے ضعیف ہونے کی دوسری وجہ ان کا وہم ہے، جیسا کہ ساجی اور ابن حبان کا قول ہے اور بقول ابن حبان وہ وہم میں پڑ کر منکر حدیثوں کی روایت کر دیتے ہیں؛ مگر ان کو پتہ نہیں چلتا، اس لئے جن احادیث کے تنہا وہی راوی ہے اور دوسرے طرق سے وہ مروی نہیں ہے، ان سے استناد واحتجاج نہیں کرنا چاہئے، یہ وہم بھی دور زہد کا معلوم ہوتا ہے جب کہ وہ عبادان میں مرابطت کر کے رات دن عبادت اور جہاد میں مصروف رہتے تھے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کی احادیث میں قلب ہوتا تھا اور ان کی روایات اور احادیث مقلوب ہوتی تھیں جیسا کہ عفان نے کہا ہے، یعنی ان کی احادیث میں ایک دوسرے کے روات اور متون خلط ملط ہو جاتے تھے، یہ بھی وہم کا ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔

امام ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان تمام اقوال اور جرح وتعدیل کے الفاظ میں حزم واحتیاط اور ادب واحترام کی جو روح پائی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں ضعف، وہم، قلب وغیرہ کے بیانات ان کی صالحیت وصداقت اور ثقاہت وعدالت تسلیم کرنے کے بعد ہیں اور ان کا تعلق آپ کے خاص اوقات اور خاص حالات سے ہے، ان سے ہٹ کر وہ ثقہ، صدوق اور صالح محدث وفقیہ ہیں۔

(۸) شیخ منہاج الدین بنبانیؒ
(نویں صدی ہجری/ پندرہویں صدی عیسوی)

گجرات کے علماء حدیث میں سے جس طرح دمامینی نے ہندوستان کے اولین شارح بخاری ہونے کا شرف حاصل کیا تھا اسی طرح شیخ منہاج بنبانی ایک ایسے عالم حدیث ہیں جنہیں حدیث کے میدان میں مسلم شریف کی ہندوستان میں سب سے پہلی شرح لکھنے کا اور تصوف کے موضوع پر شیخ ابن العربی کی فصوص الحکم کی بھی سب سے پہلی شرح لکھنے کا شرف حاصل ہوا، آپ نے صحیح بخاری کی بھی شرح تصنیف کی تھی۔

شیخ منہاج، احمد آباد کے مشہور بنبانی عباسی خاندان سے تعلق رکھنے والے اور گجرات کے آٹھویں صدی ہجری کے مایۂ ناز مصنف ومفسر قاضی صدرالدین بنبانی کے صاحبزادے تھے، قاضی صدرالدین کی وفات نویں صدی ہجری کے آغاز میں بتائی جاتی ہے، اسی طرح شیخ منہاج بنبانی کا زمانہ بھی نویں صدی کا ہوسکتا ہے، شیخ منہاج الدین کے بھائی کے پوتے اور گجرات کے ایک اور نامور بنبانی عباسی مصنف شیخ فیض اللہ بنبانی نے اپنی کتاب مجمع النوادر میں لکھا ہے کہ شیخ منہاج قریباً اسی (۸۰) کتابوں کے مصنف تھے اور انہوں نے گجرات میں علم حدیث کو مقبول بنایا تھا ہے۔ آپ کی صرف چار کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) شرح مسلم (۲) شرح بخاری (۳) شرح فصوص (۴) شرح عین العلم

(۹) حافظ حدیث شیخ عبدالملک بنبانیؒ

اس خاندان کے شیخ صدرالدین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے گجرات تشریف لائے اور کئی کتابیں تصنیف کر کے شاہان گجرات کے نام معنون کی تھیں، ان کو خاص دلچسپی عربی ادب اور نحو وصرف سے تھی، نحو کی مشہور کتاب ''الوافی'' کی شرح ''الکافی'' انہی کی لکھی ہوئی ہے، جس کو ہندوستان میں ''الکافی'' کی پہلی شرح سمجھا جاتا ہے، شیخ صدرالدین نے قصیدۂ بردہ، قصیدۂ کعب بن زہیر اور قاضی عبدالمقتدر کے قصیدۂ لامیہ کے حواشی اور فن تفسیر میں ایک کتاب ''بحر المعانی'' بھی لکھی تھی، وہ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کے ابتدائی زمانے میں بقید حیات تھے۔

غالباً شیخ منہاج الدین بنبانیؒ ان ہی کے فرزند تھے، جن کو علم حدیث، تصوف اور صرف ونحو سے زیادہ اشتغال تھا، گجرات میں علم حدیث کو مقبول بنانے میں آپ کا بڑا حصہ ہے، چند نحوی مسائل کے بارے میں ایک مصری عالم شیخ بدرالدین دمامینی سے احمد آباد میں ان کا مباحثہ ہوا، تو مصری عالم نے ان کے رد میں ''**الفتح الربانی فی الرد علی البنبانی**''، لکھی، شیخ منہاج کثیر التصانیف (۸۰/کتابوں کے مصنف) تھے، لیکن شروح حدیث میں صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرحوں کے نام ملتے ہیں، مسلم شریف کی شرح اور شیخ ابن العربی کی ''**فصوص الحکم**'' کی اولین شرح لکھنے کا

شرف بھی ہندوستان میں آپ کو ہی حاصل ہے۔

ولادت:

شیخ عبدالملک کی ولادت کا سن معلوم نہیں ہوسکا، قیاس وقرینہ سے کہا جاسکتا ہے کہ نویں صدی کے اختتام یا دسویں صدی کے آغاز میں ان کی پیدائش ہوئی ہوگی۔

مولد:

مولانا حکیم سید عبدالحی نے شیخ عبدالملک کو احمد آبادی لکھا ہے،(نزہۃ الخواطر:ج:۴،ص:۲۱۸)اور ڈاکٹر سید باقر علی ترمذی لکھتے ہیں: شیخ عبدالملک زین البلاد احمد آباد میں پیدا ہوئے،(ماہنامہ: معارف، ج:۶۶،عدد:۴،اکتوبر ۱۹۵۰ء ص:۲۸۳)مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان کو گجرات کے باشندے لکھا ہے،(مقالات:ج:۲،ص:۱۳)اس میں اور اول الذکر دونوں میں کوئی تضاد نہیں، شیخ کا مولد ووطن احمد آباد ہی تھا۔

حفظ وذہانت:

ذہانت وجودت طبع میں یکتائے روزگار تھے، مولانا حکیم سید عبدالحی سابق ناظم: ندوۃ العلماء لکھنؤ کا بیان ہے ’’**وکان عبدالملک مفرط الذکاء وجید القریحۃ۔**‘‘(نزہۃ الخواطر:ج:۴،ص:۲۱۸)

عبدالملک غیر معمولی ذہین اور طباع تھے، حافظہ غضب کا تھا، قرآن مجید کی طرح صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث کے حافظ تھے۔

حدیث شریف میں کمال وامتیاز:

مولانا عبدالملک کی خاص شہرت اسی فن میں کمال وامتیاز کی بناء پر ہے، ان کے حالات زندگی تو ناپید ہیں، مگر ایک مشہور گجراتی محدث کی حیثیت سے اب تک لوح جہاں میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر سید باقر علی ترمذی فرماتے ہیں: ’’حدیث میں بڑا کمال کیا اور استاذ زمانہ کے رتبہ اعلی پر فائز ہوئے۔‘‘ حدیث کے درس وتدریس میں اپنی عمر گزاری، انہیں قرآن مجید کی طرح صحیح بخاری شریف پوری زبانی یاد تھی اور اس کے معانی ومطالب کے بھی پورے حافظ تھے، زبانی بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب نے لکھا ہے:

’’**وکان حافظا للقرآن الحکیم وصحیح البخاری لفظاً ومعناً وکان یدرس عن ظهر قلبه**‘‘ یعنی وہ قرآن مجید اور صحیح بخاری کے الفاظ ومعانی کے حافظ تھے اور زبانی ہی درس بھی دیتے تھے۔(نزہۃ الخواطر:ج:۴،ص:۲۱۸)

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور صحیح بخاری کے علاوہ دوسرے علوم اور درسیات کی کتابیں بھی زبانی یاد تھیں، ڈاکٹر سید باقر علی ترمذی لکھتے ہیں:

’’صحیح بخاری ازبر تھی، تمام علوم کا درس زبانی دیا کرتے تھے۔‘‘(معارف:اکتوبر،۱۹۵۰ء ص:۲۸۴)

مولانا عبدالملک کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہوسکا، لیکن مولانا حکیم عبدالحی صاحب کے ایک بیان سے خیال ہوتا ہے کہ درس وتدریس سے لوگوں کو مستفید اور فیض یاب کرنے کے علاوہ ان کو تصنیف وتالیف سے بھی اشتغال رہا ہوگا، فرماتے ہیں:

''مولانا عبدالملک عباسی کا شمار محدثین کرام میں سے ہے، جنہوں نے ساری عمر اسی فن شریف کی خدمت میں صرف کی۔'' (یادایام:ص:۵۵)

لیکن اگر قرطاس وقلم کا مشغلہ نہ بھی رہا ہو تو کیا یہ کم ہے کہ وہ درس حدیث میں بڑے ممتاز اور فائق تھے اور ان کے درس وتدریس کی وجہ سے احادیث کی بڑی نشرواشاعت ہوئی۔

وفات:

شیخ عبدالملک کی وفات کا سن متعین طور پر معلوم نہیں ہوسکا، لیکن کہا جاتا ہے کہ ۹۷۰ھ/ مطابق ۶۲-۱۵۶۳ء کے قریب وفات پائی، اسی لحاظ سے ان کا سن ولادت دسویں صدی ہجری کے آغاز یا نویں صدی کا آخر قرار دیا ہے۔

*** الشيخ العالم المحدث عبد الملك بن عبد اللطيف بن عبد الملك العباسي الأحمد آبادي الغجراتي**

أحد العلماء البارعين في الحديث، أخذ عن المفتى قطب الدين النهر والى المكي وأخذ عنه إبراهيم بن الحسن الكورانى المدنى، أجازه مكاتبة وذكره في إيقاظ الهمم، وأخذ عنه أبو الأسرار حسن بن على العجيمي المكي، وقد ذكره الشيخ محمد بن الطيب الفاسى فى عيون موارد السلسلة في الأحاديث المسلسلة فى رواية المسلسل بالمشارقة، وروى عنه بسنده عن الشيخ عبد الملك، وبه إلى داود الطائي، عن نعمان بن ثابت الكوفى، عن عطاء بن أبي رباح، عن أبى هريرة، عن النبي ﷺ إذا ارتفع النجم رفعت العاهة عن كل بلد (أخرجه الطبرانى فى المعجم الصغير، وفى الإعلام اتضع مكان ارتفع وهو تصحيف، والله اعلم). . انتهى. (الإعلام بمن ورد فى تاريخ الهند من الأعلام: ۵/۲۸۲)

(۱۰) شیخ عبداللطیف بن شیخ جمال پٹنی (رحمۃ اللہ علیہ)

(نویں صدی ہجری/ پندرہویں صدی عیسوی)

شیخ عبداللطیف احمد آباد کے سہروردی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت برہان الدین قطب عالم (متوفی ۸۵۷/ ۱۴۵۳) کے مرید اور خلیفہ تھے اور آپ ہی کے حکم سے شیخ عبداللطیف نے ایک رسالہ عربی میں بہ نام منیۃ الفحول لکھا تھا جس میں تعدد ازدواج کے وجوہ بتائے گئے ہیں اور ان کی تائید احادیث نبوی سے کی ہے۔ مصنف نے اس رسالہ میں تعدد ازدواج مفید اور ضروری ہونے کے ایک سو وجوہ بتائے ہیں۔

شیخ عبداللطیف بن جمال الدین بن حمید الفتنی ،نہروالہ (پٹن) میں ایک خانقاہ اور مدرسہ چلاتے تھے،بقول ڈاکٹر باقر علی آپ گیارہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔

شیخ عبداللطیف بن شیخ جمال پٹنی دیگر عربی کتابوں کے مصنف ہیں؛ مثلا:

(۱) **منیة الفحول** (موضوع، تعدداز دواج) قلمی نسخے کے لئے دیکھئے: پیر محمد شاہ لائبریری،احمد آباد، وضاحتی فہرست،جلد:۱،مخطوطہ نمبر:۳۶۴۔

(۲) **لطائف البرهانیه فی وظائف الاعتکاف والاربعینه**، پیرمحمد شاہ لائبریری،وضاحتی فہرست،جلد:۲،مخطوطہ نمبر:۶۱۶۔

(۳) **زادالعاشقین فی سبیل الصادقین** (موضوع: تصوف) پیرمحمد شاہ لائبریری،وضاحتی فہرست،جلد:۵،نمبر 1468-2،مندرجہ بالا میں سے **لطائف البرهانیه** کے مخطوطے میں سال تصنیف ۸۵۴ھ بتایا ہوا ہے،اس کے علاوہ خود شیخ عبداللطیف کے بیان کے مطابق یہ تینوں کتابیں ،انہوں نے اپنے پیرومرشد حضرت برہان الدین قطب عالم بخاری (مدفن: بٹوہ،احمد آباد) کے حکم اور ایماء پر لکھی تھیں،حضرت قطب عالم کا سال وفات ۸۵۷ھ ہے اور آپ احمد آباد میں مقیم ہونے سے پہلے نہروالا پٹن میں رہائش پزیر تھے،یہ باتیں محقق ہیں،ان شواہد کی موجودگی میں شیخ عبداللطیف کا زمانہ نویں صدی ہجری قرار پاتا ہے،نہ کہ گیارہویں صدی ہجری،جیسا کہ ڈاکٹر باقر علی نے یہاں بتایا ہے۔

شرح المواهب:

ابراہیم بن موسی الطّر ابلسی (۹۲۲-۸۴۳ھ) کی فقہ کے موضوع پر لکھی گئی مختصر تالیف **مواهب الرحمن** کی شرح ہے،غالبًا اس کا واحد قلمی نسخہ بانکی پور میں محفوظ ہے۔ڈاکٹر زبید احمد نے بھی اس شرح کا ذکر کیا ہے۔(نزہۃ الخواطر:۳/ ۹۴،عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ:ص:۲۳۶،۲۳۷)

(۱۱) شیخ عمر بن محمد بن عارف نہروالی پٹنی (رحمۃ اللہ علیہ)

(نویں صدی ہجری/ پندرہویں صدی عیسوی)

گجرات کے ابتدائی دور کے عالم حدیث عمر بن محمد بن عارف نہروالی پٹنی کے بارے میں تاریخیں خاموش ہیں، آپ کی حدیث کے موضوع پر صرف ایک تصنیف کا قلمی نسخہ لندن میں محفوظ ہے،اصول حدیث کے موضوع پر لکھی گئی اس کتاب کا نام **الفیض النبوی في اصول الحدیث وفهارس البخاری** ہے۔اس میں ایک مقدمہ اور چار ابواب شامل ہیں۔مقدمہ میں مصنف نے اصول حدیث کی وضاحت کی ہے اور بعد کے ابواب میں حدیث کے اقسام، راویوں کے معیار کے مقرر کرنے کے اصول اور حدیث کی سماعت وروایت کے شرائط وغیرہ بیان کئے ہیں۔ان کے علاوہ امام بخاری اور ان کی تصنیفات صحیح بخاری کے تمام ابواب کا جائزہ،احادیث کی تعداد اور خاص طور پر راویوں کے حروف تہجی کے مطابق

فہرست جیسے امور بھی شامل کئے ہیں، غرض یہ ایک عالمانہ کتاب معلوم ہوتی ہے، اس کا ایک مخطوطہ ہمارے کرم فرما مولانا محمد صاحب روکڈ (بولٹن) ولنوی صاحب نے پی ڈی ایف کی شکل میں بھیجا ہے۔

اسی طرح انہوں نے ''فضائل شہور'' کے ایک غیر معمولی موضوع پر عربی رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کا نام ''منهل الصائمين و معراج المخلصين'' ہے (بحوالہ :PML، وضاحتی فہرست، جلد ہفتم، مخطوطہ نمبر:C-2183، حضرت پیر محمد شاہ لائبیریری، احمد آباد) (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۳۶۴)

اس رسالے کو جماعت رضائے مصطفے، برطانیہ، یوکے والوں نے مہذب ومحقق انداز میں نشر کیا ہے، فجزاہم احسن الجزاء۔

(۱۲) شیخ غوث الدین گجراتی

یہ بلند پایہ عالم وفقیہ تھے، بغداد سے سلطان محمود ثانی کے دور میں گجرات آئے اور احمد آباد کو اپنا مسکن بنایا اور ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور اسی میں خدمت خلق ودین میں مشغول ہو گئے، ایک طویل زمانہ تک درس وتدریس میں مشغول رہنے کے بعد حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج وزیارت سے فراغت کے بعد پھر گجرات واپس لوٹے۔

آپ بلند پایہ عالم، محدث اور فقیہ تھے، درس وافادہ ہی مشغلہ تھا، آپ کے تلامذہ میں شیخ یعقوب بن خوندمیر گجراتی کا نام ملتا ہے، ان کے علاوہ اور بھی لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔آپ کی وفات ۲۲ر صفر المظفر ۸۹۵ھ میں ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۳/ ۸۴)

عرب وگجرات کے درمیان علمی روابط تو بہت پرانے ہیں، جیسا کہ ابتداء میں معلوم ہو چکا اور کئی ایک حضرات عرب سے گجرات تشریف لائے جن سے لوگ فیضیاب ہوئے؛ لیکن گجرات سے عرب تحصیل علم اور افادہ واستفادہ کی غرض سے جانے کی ابتداء کب ہوئی؟ وہ کون ہے جو پہلے مذکور غرض سے عرب تشریف لے گئے؟ اس کا علم نہ ہوسکا، ہاں! بہت سے افراد یہاں سے عرب تشریف لے گئے، اس کے بعد کچھ حضرات وہیں افادہ واستفادہ کے لئے مقیم رہے اور بعض حضرات وطن میں تشریف لائے اور علوم دینیہ سے تشنہ لوگوں کو سیراب کیا، اس طرح گجرات سے عرب جانے والوں میں ایک راجح بن داود گجراتی ہیں۔

(۱۳) شیخ راجح بن داود گجراتی

ولادت اور نام ونسب: آپ کی ولادت ۹ر صفر المظفر ۸۷۱ھ میں احمد آباد میں ہوئی، آپ کا نام ونسب یہ ہے، راجح بن داود بن محمد بن عیسی بن احمد گجراتی، مسلکاً آپ حنفی ہیں۔

حصول علم اور اساتذہ: اپنے ہی شہر میں علی محمود بن محمد مقری حنفی سے نحو، صرف، منطق وغیرہ علوم پڑھے، علی مخدوم بن برہان الدین سے معانی اور بیان پڑھا اور علی محمد بن تاج حنفی سے ہیئت وکلام پڑھا اور علوم وفنون میں ممتاز وماہر ہو گئے، جودۃ فہم کا حال یہ تھا کہ اشعار میں بھی ان کو ملکہ حاصل تھا۔

حصول علم کے لئے مکہ میں: یہاں سے پھر عرب پہنچے اور مکہ مکرمہ میں علامہ سخاوی سے ملے، علامہ سخاوی فرماتے ہیں: وہ مجھے ۸۹۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ملے، ان کے ساتھ ان کے بھائی قاسم اور ان کے چچا بھی حج کے لئے آئے ہوئے تھے، حج کے بعد بغرض زیارت مدینہ منورہ تشریف لے گئے، جب مدینہ سے واپسی ہوئی تو شرح الفیۃ الحدیث پڑھی اور میں نے انہیں اجازت بھی لکھ دی۔

انہوں نے بدرد مامینی کے حالات دریافت کئے، جن کی وفات ہند میں ہوئی تھی تو وہ بھی میں نے بتائے، نیز میں نے علماء بخاری حنفی کے حالات سے بھی انہیں واقف کیا، جو ابن عربی اور ان کے معتقدین کے بارے میں کفر کا مسلک اور رائے رکھتے ہیں، تا کہ وہ ہندوستان میں لوگوں کو صحیح حال سے باخبر کریں خاص کر وہ حضرات جو ان سے معتقد ہیں اور ان کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں۔

وفات: ۹۰۴ھ میں احمد آباد میں واصل بحق ہوئے، مگر افسوس کہ اب کوئی یہ بھی نہیں جانتا ہے کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ (یاد ایام: ص: ۹۵، نزھۃ الخواطر: ۴/ ۹۷، ۹۸)

آپ کی مکہ مکرمہ سے گجرات آمد کب ہوئی؟ نیز آپ نے گجرات میں کتنے سال اور کہاں فیض پہنچایا اور آپ سے فیض حاصل کرنے والے کون ہیں؟ یہ تمام گوشے ایسے ہیں جس پر مؤرخین اور سوانح نگار خاموش ہیں، ان کے حالات کے اس حصہ کی معلومات دست یاب نہ ہوسکی۔

*** الشيخ العالم المحدث راجح بن داود بن محمد الغجراتي تلميذ السخاوي**

إنه أول من شهد له التاريخ بسفره من غجرات إلى مكة المكرمة وحضوره في مجلس الإمام الحافظ المحدث العلامة محمد بن عبد الرحمن السخاوي رحمه الله والانتهال من منهله العذب الصافي المورود وأخذ الحديث النبوي الشريف منه، فقد سافر إلى الحرمين الشريفين سنة ۸۹۳ھ، وكان معه أخوه قاسم بن داود وعمهما، فأدركوا الحج ثم توجهوا إلى المدينة المنورة ثم عادوا ولقوا بالإمام السخاوي رحمه الله في مكة في ربيع الأول سنة ۸۹۴ھ.

فقال الإمام السخاوي نفسه في كتابه الضوء اللامع (الضوء اللامع: ۳/ ۲۲۳، ۲۲۲) **: لقيني في أوائل سنة ۸۹۴ھ بمكة وكان قد قدم هو وأخوه قاسم وعمهما للحج فأدركوا الحج في التي قبلها ... ثم توجه لزيارة النبوية ثم عاد وقرأ على جميع شرحي الألفية الحديث من نسخة حصلها الثلاثة بخطوطهم وانتهى من قراءته في ربيع الأول ... وكتبت له إجازة حائلة مشتملة على أمور مهمة في نحو ثلاث كراريس... ولازمني في غضون قراءته هو وأخوه حتى سمعا على من أول البخاري إلى قبيل قصة عكل وعرينة.. وكذا من الصيد والذبائح ... إلى باب خواتيم الذهب، واختص هو بسماع المسلسل من لفظي بشرطه، وبثلاثة**

أحاديث من عشارياتي، وبحديث عن أبي حنيفة، وبمصنفي في ختم البخاري، وأعطيت منه نسخة، وبسماعة بقراءة غيره لبعض شرحي لتقريب النووي وغير ذلك.

وقد شهد له السخاوي رحمه الله وقد استدللت حين قراءته ومخالطته على مزيد براعته وبديع تصوره ومنيع تعرفه في تنويعه وتدبره وتأسفه على عدم طول المدة ليحظى ببلوغه من هذا الشأن قصده ولكنه على كل خير مانع ورب مكثر فاقه من هو بما أتقنه قانع وقد استفاد وأفاد واستعاد ما قد يخفى فيه المراد وحقق وتوثق واغتبط وارتبط وانشد في غضون ذلك والدخول في هذه المسالك طائفة ممن حضر معه وصور الفضيلة التي شاهدها منه أبياتا امتدح بها المصنف بليغة في معناها للعارف المنصف فكان ذلك من تتمات فضائله ومهمات الدلائل على لطفه وحسن شمائله بحيث اشتهرت بالمسجد الشريف فضيلته، وتقررت أوصاف وفطنته.

وقال السيد عبد الحي الحسني في رجوعه إلى غجرات: فاستقبله الناس استقبالا عظيما فدرس وأفاد حتى توفي في سنة ٩٠٤ھ. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ١٠٠/٤)

(١٤) شیخ ہبۃ اللہ

شیخ ہبۃ اللہ عرف شاہ میاں میر غیاث الدین کی ایران میں ولادت ہوئی، شیراز کے سلامی سادات خاندان سے آپ کا تعلق تھا، آپ مولانا جلال الدین دوانی (م ۹۰۸ھ، ۱۵۰۲ء) کے ہم عصر اور میر صدر الدین محمد شیرازی کے ہم نشین وہم درس تھے۔ سلطان محمود بیگڑا کے عہد میں آپ گجرات تشریف لائے اور چانپانیر میں سکونت اختیار کرلی، گجرات میں تصنیف وتدریس کے ذریعہ علوم نبویہ کے پیاسوں کو سیراب کرتے رہے۔ (گجرات کے علماء حدیث وتفسیر: ۵۱، بحوالہ گلزار ابرار: ۲۱۵، ۲۱۶)

آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱- لب اللباب في اصول الحديث: یہ رسالہ محمد بن حسینی بن محمد الطیبی کی کتاب "الخلاصة" کا اختصار ہے، اس کتاب کا واحد قلمی نسخہ کتب خانہ پیر محمد شاہ، احمد آباد میں محفوظ ہے۔

۲- لوامع القرآن في قدم القرآن۔

۳- أسنی الکواشف فی شرح المواقف

۴- شرح فارسی ہیئت

۵- محاکمہ شرح شمسیہ

۸۹۸ھ، ۱۴۹۳ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

* الشیخ هبة الله الشيرازي رحمة الله

الشيخ الفاضل العلامة هبة الله عطاء الله بن لطف الله بن سلام الله بن روح الله الحسيني الشيرازی المشهور بشاه مير، كان من كبار العلماء، ولد ونشأ بشيراز وقرأ العلم على أساتذة الشيخ صدر الدين الشيرازی صاحب الأسفار الأربعة مشاركا له في الأخذ والقراءة، وأخذ الحديث عن جده لأمه نور الدين أبی الفتوح الطاؤسی، ولبس منه الخرقة ولازمه زماناً، ثم دخل غجرات ۸۹۸ھ فی أيام السلطان محمود شاه الكبير وسكن بـ جانبانير (Chanpaner)، فهجم عليه المحصلون ووفدوا عليه من بلاد شاسعة الخ. (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الهند من الأعلام: ۴/ ۳۴۶)

(۱۵) شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ)

(زمانہ دسویں صدی ہجری/سولہویں صدی عیسوی)

حافظ سخاوی کے تلامذہ میں سے ایک قابل ذکر عالم حدیث شیخ رفیع الدین شیرازی ہیں جو اولا گجرات آئے اور پھر سلطان سکندر لودھی (۹۳۲-۹۱۵/ ۱۵۲۶-۱۵۱۰) کی شہرت سن کر گجرات سے دہلی تشریف لے گئے، گجرات میں آپ کی علمی خدمات اور مشغلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے البتہ شمالی ہند میں ان کے کارناموں سے سب واقف ہیں شمالی ہند کے ایک ہم عصر قمطراز ہیں:

وہ شخصیت جن کے پرتو کمال سے اس سرزمین شمالی وجنوبی دونوں حصوں کو منور ہونا مقدر تھا وہ رفیع الدین صفوی شیرازی کی ذات ہے، حدیث کا فیض انہوں نے حافظ سخاوی سے حاصل کیا اور حدیث کے خزینہ سے سینہ کو معمور کر کے اولاً گجرات اور پھر سلطان سکندر لودھی کی قدردانی علم کی شہرت سن کر گجرات سے دہلی پہنچے، سلطان نے حسن عقیدت سے خیر مقدم کیا، سلطان ہی کی اجازت سے آگرہ میں قیام پذیر ہوئے اور درس وتدریس کی مجلس آراستہ کی، پروانے دور دور سے آ کر اپنی قسمت کے مطابق خیر وبرکت حاصل کرتے رہے۔

* الشيخ المحدث رفيع الدين الشيرازي (م ۹۵۴ھ)

الشيخ العالم المحدث رفيع الدين بن مرشد الدين الحسيني الصفوی الشيرازي ثم الهندی، أحد العلماء المشهورين فی الهند، أخذ عن العلامة المحقق جلال الدين محمد بن أسعد الصديقی الدوّانی، ثم سافر إلى الحرمين الشريفين، فحج وزار وأخذ الحديث عن الشيخ شمس الدين السخاوی، وصحبه زمانا، ثم قدم الهند ودخل آگره في أيام السلطان سكندر بن بهلول اللودی، فأكرمه غاية الإكرام، فسكن بـ آگره. (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الهند من الأعلام: ۴/ ۱۰۴)

وقال المؤرخ الكبير السيد سليمان الندوی رحمه الله تعالى في مقالاته: ودرس وروى الأحاديث أخذ الطالبون عنه ما قدر الله لهم، فلعل الشيخ الشيرازي أول محدث دوّى صوته بـ قال قال رسول الله

صلى الله عليه وآله وسلم في جوامع الهندي ومجامعها عبر تاريخ الهند الخالصة. (مقالات سليماني: ۱۲/۲)

وتوفي بـ آگره سنة ۹۵۴ھ. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۱۰۵/۴)

(۱۶) شیخ ابوالقاسم بن احمد مکی

نام ونسب اورولادت: ابوالقاسم بن احمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن فہد شریف محمد بن محمد بن المحب ابوبکر بن تقی ہاشمی شافعی مکی، وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح ابن فہد سے معروف تھے،ان کی ولادت ۸۴۶ھ، ۱۲/ربیع الاول، یوم شنبہ بوقت عشاء مکۃ المکرمہ میں ہوئی۔

علمی سفر اور ہندوستان آمد

انہوں نے حصول علم کے لئے رخت سفر باندھا اور قاہرہ دمشق پہنچے، وہاں حصول علم میں لگے رہے؛ تا آں کہ اجازت سے سرفراز ہوئے،اس کے بعد گجرات میں تشریف آوری ہوئی، یہاں وہ طویل مدت تک لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے اور آخری عمر میں مندو چلے گئے اور آخری سانس تک وہیں مقیم رہے۔

محمد بن عمر آصفی نے ذکر کیا ہے کہ جب وہاں ہندوستان تشریف لائے تو ان کے پاس ان کے والد محترم اور چچا کے ہاتھوں لکھا ہوا بخاری کا نسخہ تھا جو کسی سلطان کے سامنے پیش کیا تھا۔

وہ محمود شاہ بیگڑہ کی وفات کے وقت گجرات میں تھے،اس کے بعد مندو چلے گئے اور ۹۲۵ھ میں واصل بحق ہوئے، وقت وفات ان کی عمر ۸۰/سال سے کچھ زائد تھی۔ (نزہۃ الخواطر: ۱۲/۴، ط: مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد، اضواء علی تاریخ الحرکۃ العلمیۃ فی غجرات: ص: ۶۵)

* الشيخ أبو القاسم بن أحمد المكي (م ۹۲۵ھ)

الشيخ العالم المحدث أبو القاسم بن أحمد بن محمد المكي ويعرف كسلفه بابن فهد، ثم قدم الهند وسكن غجرات مدة طويلة، وقال الآصفي في ظفر الواله: إنه دخل الهند ومعه فتح الباری بخط أبيه وعمه ،قدمه لبعض ملوكهم،وبعد موت محمود شاه بيكره وصل إلى مندو. (منطقة تاريخية بولاية ايم بي، قامت هناك حكومة إسلامية في القرن العاشر الهجری) ومات بها في سنة ۹۲۵ھ. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۱۴/۴، ۱۵)

(۱۷) سلطان مظفر شاہ حلیم

محمود شاہ کے بعد اس کا فرزند رشید نعم الخلف نعم السلف کا صحیح مصداق مظفر شاہ حلیم تاج وسریر کا مالک ہوا علوم وفنون میں یہ علامہ محمد بن محمد الایجی کا شاگرد تھا، اور حدیث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بحرق سے پڑھی تھی،قرآن مجید کے حفظ کر لینے کا شرف ایسی عمر میں اس کو نصیب ہوا تھا جس کی نسبت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں: ''در ایام جوانی چناں کہ افتند دانی'' اس فضل وکمال کے ساتھ تقویٰ اور عزیمت کی دولت بھی اس نے خداداد پائی تھی،تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا ہمیشہ باوضو

رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے شراب ناب کو بھی منہ سے نہیں لگایا کبھی کسی پر بے جا سختی نہیں کی بدزبانی سے کبھی اپنے منھ کو گندہ نہیں کیا، عجیب تر یہ کہ اس پیکر تقدس میں سپہ گری اور ملک داری کی صفتیں بھی علی وجہ الکمال مجتمع تھیں مالوہ کی فتوحات عظیمہ تاریخوں میں پڑھیے اور ان سے اس کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ کیجیے اس نے کم وبیش چودہ برس حکومت کرنے کے بعد ۹۳۲ھ میں حیات جاوید حاصل کی۔

*** السلطان العادل المحدث الفقيه مظفر بن محمود**

قرأ على مجد الدين محمد بن محمد الإيجي وعلى غيره من العلماء، وأخذ الحديث عنه وعن الشيخ المحدث جمال الدين محمد بن عمر بن المبارك الحميري الحضرمي وكان يقتفي آثار السنة في كل قول وفعل، ويعمل بنصوص الأحاديث النبوية (م ۹۳۲). (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۳۱۶/۴ إلى ۳۲۵)

(۱۸) شیخ محمد بن محمد مالکی مصری

نام وولادت: آپ کا نام ونسب: محمد بن محمد بن عبد الرحمن بن حسن بن جلال الدین ہے، وطنا مصری اور مسلکا مالکی ہے، اپنے اسلاف کی طرح ابن سوید سے مشہور ہوئے، آپ کی ولادت ۱۶/شعبان المعظم ۸۵۶ھ میں ہوئی۔

حصول علم واساتذہ: چوں کہ آپ کی والدہ ام ولد تھیں، اس لئے اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی، قرآن کریم حفظ کیا، کافیہ، شروح کافیہ اور الفیۃ النحو پڑھی، باپ کے انتقال کے بعد بہت کچھ میراث میں پایا تھا، مگر بہت ہی کم وقت میں ادھر ادھر خرچ کر کے تنگ دست ہو گئے۔

اس کے بعد آپ صعید (مصر) ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ چلے گئے اور علامہ سخاوی سے موطا، مسند امام شافعی، سنن ترمذی اور ابن ماجہ پڑھی، نیز شرح الفیہ اور علامہ سخاوی کی دیگر تصانیف کی سماعت کی اور طویل مدت تک ان سے استفادہ کرتے رہے، اسی لئے علامہ سخاویؒ نے اپنے اس شاگرد کی بہت ہی اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے؛ لکھتے ہیں: **وكان صاحب ذكاء وفضيلة في الجملة واستحضار وتشدق في الكلام.** البتہ آپ پر ان الفاظ میں کچھ تنقید بھی کی: **وكانت سيرته غير مرضية.**

تدریس وگجرات آمد: اس کے بعد آپ یمن پہنچے اور ''زبید''میں تدریس وخدمات حدیث میں مشغول ہو گئے، وہاں سے گجرات کی طرف متوجہ ہوئے اور کھنبایت اترے، جہاں آپ کا خیر مقدم کیا گیا۔

جار اللہ بن فہد نے آپ کے گجرات کے حالات تفصیل سے تحریر کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''بلاد گجرات میں آپ کی خوب تکریم وتعظیم ہوئی اور بڑا درجہ پایا، سلطان وقت محمود شاہ کے مقربین میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ کی معرفت حدیث اور فصاحت وبلاغت کی بنیاد پر بادشاہ نے آپ کو ملک المحدثین کا لقب دیا تھا، اس علاقہ میں یہ لقب پانے والے آپ پہلے شخص ہیں، اسی وجہ سے گجرات میں آپ کا درجہ اور عظمت بڑھ گئی؛ حتی کہ اکابر علماء آپ

کے مطیع ومنقاد ہو گئے اور آپ کا گھر طلبہ کے لئے پناہ گاہ اور ٹھکانہ بن گیا۔“

اہل حکومت سے روابط کی بنیاد پر اہل حرمین شریفین کو عطایا برابر بھیجتے رہے، لیکن جب محمود شاہ کی وفات ہوگئی اور ان کا بیٹا مظفر شاہ تخت نشین ہوا، تو بعض وزراء کے حسد کی بنا پر آپ سے بعض وظائف واپس لے لئے گئے، پھر بھی آپ انتقال تک دینی خدمات میں مشغول رہے۔

ظفر الوالہ میں آصفی نے لکھا ہے: علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی بیس الگ الگ مشائخ سے مروی چالیس احادیث جمع کی ہے، ان احادیث کی سند بڑی عالی ہے اور اس کا نام ”فتح المبین“ ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۹۲۹ھ میں احمد آباد میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے؛ لیکن آج ان کے مدفن سے کسی کو واقفیت نہیں ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۲۷۹/۴، گجرات کے علماء حدیث وتفسیر: ۲۵، مشائخ احمد آباد: ۴۸)

*** الشیخ محمد بن محمد المالکی المصری المعروف بابن سوید (م ۹۲۹ھ)**

الشيخ العلامة محمد بن محمد بن عبد الرحمن بن حسن المالكي المصري الشيخ جلال الدين بن وجيه الدين، قال عبد القادر الحضرمي: كان مولده في سنة ٨٥٦ھ وأمه أم ولد ونشأ في كنف أبيه فحفظ القرآن وابن الحاجب الفرعي والأصلي وألفية النحو... وذهب إلى مكة وقرأ هناك على الحافظ شمس الدين السخاوي رحمه الله الموطأ ومسند الشافعي وسنن الترمذي وابن ماجه، وسمع عليه شرحه للألفية وغير ذلك من تصانيفه ولازمه مدة... ثم توجه إلى كنباية (غجرات) وأقبل على صاحبها، قال الشيخ جار الله بن فهد: وقد عظم صاحب الترجمة في بلاد الهند وتقرب من سلطانها محمود شاه ولقبه بـ ملك المحدثين لما هو مشتمل عليه من معرفة الحديث والفصاحة، صرح الآصفي أنه توفي سنة ٩٢٩ھ بأحمد آباد. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۲۸۰/۴، ۲۷۹)

(۱۹) شیخ جمال الدین محمد بن عمر بحرق حضرمی

ولادت اور نام ونسب: ان کی ولادت ۸۶۹ھ میں ۱۴ر شعبان المعظم کی شب کو حضر موت میں ہوئی، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک بن عبداللہ بن علی حمیری حضرمی، جو بحرق ہی سے مشہور ہو گئے، پروفیسر محبوب حسین عباسی کا خیال یہ ہے کہ بحرق یمن میں ایک جگہ کا نام ہے، جو ان کی جائے ولادت ہے، جب کہ دیگر سوانح نگاروں کے مطابق یہ علامہ کا عرف ہے۔

حصول علم اور اساتذہ: ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی، وہیں حفظ قرآن کریم کیا، اس کے بعد معظم الحاوی اور الفیۃ النحو حفظ کر لی، اس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابیں پڑھیں اور حضر موت کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا۔

اس کے بعد عدن چلے گئے اور عبداللہ بن احمد مخرمہ کے یہاں حاضر خدمت ہو کر زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان کی صحبت میں

رہتے ہوئے فقہ، اصول فقہ اور لغت عربی میں خوب فائدہ اٹھایا؛ نیز ان کے پاس سیرت ابن ہشام اور الفیۃ ابن مالک مکمل پڑھی اور فقہ میں الحاوی الصغیر کا خاصہ حصہ ان سے پڑھا، ان کے علاوہ شیخ محمد بن احمد بافضل سے بھی استفادہ کیا۔

پھر آپ زبید تشریف لے گئے اور وہاں علماء حدیث وفقہ سے استفادہ کیا، اس کے علاوہ اور بھی علوم وفنون پڑھے اور تعمق پیدا کیا، چنانچہ زبید میں زین الدین محمد بن عبداللطیف شرجی سے علم حدیث، محمد بن ابوبکر صائغ سے علم اصول تفسیر، نحو وغیرہ حاصل کئے اور انہیں سے ابوزرعہ کی شرح بهجة الوردية پڑھی اور جب ۸۹۴ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے، تو وہاں حافظ سخاوی سے سماعت کی اور علمی پیاس بجھائی۔

خدمات دینیہ اور گجرات تشریف آوری: مختلف علوم وفنون میں علمی مہارت حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوئے اور فتوی بھی دینے لگے، جو پسندیدہ نظر سے دیکھے جانے لگے اور میدان تصنیف وتالیف میں بھی قلمی جولانیاں دکھائی۔

اس کے ساتھ مقام شحر (زبید) میں عہدۂ قضاء پر بھی فائز ہوئے، بعد میں کسی وجہ سے خود ہی اس منصب سے علیحدگی اختیار کرلی، پھر عدن تشریف لے گئے، جہاں قبول عام نصیب ہوا اور امیر بھی آپ کو چاہنے لگا، لیکن امیر کے انتقال کے بعد عدن سے دل اچاٹ ہوگیا تو ہندوستان کا رخ کیا اور گجرات کے سلطان مظفر شاہ دوم کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے آنے کا موقع ملا، سلطان نے بھی آپ کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ان کے شایان شان سلوک کیا، حتی کہ سلطان نے علامہ سے حدیث بھی پڑھی، خلاصہ یہ کہ دربار شاہی میں ایک عالم اور ایک امیر کی حیثیت سے کافی مقبولیت حاصل کرلی۔

تالیفات: چوں کہ آپ علماء راسخین اور ائمہ متبحرین میں سے تھے، جمیع علوم وفنون میں آپ کو ید طولی حاصل تھا، وہ تحقیق، جودت فکر اور باریک بینی میں بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے، اکثر فنون میں آپ کی تالیف اس کی شاہد ہے، جو ان کے علمی اور کثرت مطالعہ پر دلالت کرتے ہیں، سوانح نگاروں نے تقریباً ۳۰ر تالیفات کا تذکرہ کیا ہے۔

وفات: شیخ بحرق نے گجرات آنے کے بعد ایک سال کے عرصہ میں نہ صرف یہ کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عمدہ کتاب لکھ کر اپنی قابلیت کا سکہ منوایا؛ بلکہ بادشاہ کی نظروں میں مقرب ہوگئے اور بادشاہ آپ کی خوب تعظیم وتکریم کرنے لگا، یہی چیز آپ کی شہادت کا باعث بنی اور بعض وزراء نے آپ سے حسد کیا اور آپ کو زہر پلا دیا جس کی وجہ سے آپ ۲۰ر شعبان المعظم ۹۳۰ھ کو راہ گزین حیات جاویدانی ہوگئے۔ (شذرات الذهب: ۷/ ۲۶، ۶۵، ۱۷۷، الضوء اللامع: ۳/ ۲۵۳، گجرات کے علماء حدیث وتفسیر ۲۵، ۲۶، ۶۵، مشائخ احمد آباد: ۵۱-۶۰)

* الشيخ محمد بن عمر بحرق الحضرمي المحدث (م ۹۳۰ھ)

الشيخ العلامة المحدث جمال الدين محمد بن عمر بن مبارك بن عبد الله بن على الحميري الحضرمي الشافعي الشهير بـ بحرق، كان من العلماء المحققين و الفضلاء المدققين، ذكره الآصفي قال: كان مولده سنة ۸۶۹هـ بحضرموت ونشأ فيها وأخذ عن علمائها و ارتحل إلى زبيد وأخذ عن علمائها

الحديث عن زين الدين محمد بن عبد اللطيف الشرجي، والأصول عن الفقيه جمال الدين محمد بن أبي بكر الصائغ . . . حج في سنة ۸۹۴ھـ فسمع من شمس الدين الحافظ السخاوی، ثم عزم إلى الهند و وفد على السلطان مظفر بن محمود بيكره فعظمه و قام به (هكذا في الأصل... وقام به، والصحيح وقام له كما لا يخفى على من لديه ذوق سليم بالعربية.) **وقدمه و وسع عليه و التفت إليه و أخذ عنه فاشتهر بجاهه، توفى سنة ۹۳۰ھ بغجرات كما في ظفر الواله.** (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۲۷۴/۴ إلى ۲۷۵)

(۲۰) شیخ میر سید عبدالاول الحسینی (رحمۃ اللہ علیہ)

(متوفی ۹٦۸/۱۵٦۰ء)

آپ احمد آباد کے صف اول کے وہ عالم حدیث ہیں جن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے بخاری شریف کی جو شرح ،فیض الباری کے نام سے تصنیف کی تھی ، اسے ہندوستان میں اس نوع کی واحد تصنیف شمار کی گئی ہے، آپ کی یہ شرح ناپید ہے لیکن اس کے حصۂ اول کے چند اقتباسات عثمان بن ابراہیم سندی کی کتاب **غیاث التوضیح للجامع الصحیح** میں محفوظ ہیں۔

میر سید عبدالاول کے آباواجداد شمالی ہند میں جونپور کے مضافات میں واقع زید پور کے رہنے والے تھے جہاں سے وہ ہجرت کر کے دکن چلے گئے تھے، عبدالاول کی ولادت دکن میں ہوئی تھی لیکن وطن کی نسبت پر انہیں زید پوری بھی کہا جاتا ہے، آپ نے حدیث کا درس اپنے دادا علاء الدین الحسینی سے حاصل کیا تھا جو حصن حصین کے مصنف علامہ شمس الدین جزری کے ایک شاگرد الحسین الفتحی کے تلامذہ میں سے تھے۔ دسویں صدی کے آغاز میں دکن میں شیعہ شورش کی بنا پر آپ وہاں سے پہلے گجرات آئے اور بعد میں حدیث کی اعلی تعلیم کے لئے حرمین شریفین چلے گئے ، آپ ۹۴۱ / ۱۵۳۴ کے قریب احمد آباد واپس آئے اور پچیس سال کے طویل عرصہ تک حدیث کی اشاعت کے کام میں لگے رہے، بڑی عمر میں آپ کا رجحان تصوف کی طرف بھی ہو گیا تھا، آپ خانخان بیرم خان کے ایماء پر دہلی گئے (۱۹٦٦ / ۱۵۵۸) لیکن دو سال کے بعد ہی پہلے آپ کا ۹٦۸ / ۱۵٦۰ میں اور کچھ ہی مدت کے بعد آپ کے سرپرست بیرم خان کا بھی انتقال ہو گیا۔ احمد آباد کے قیام کے دوران سید عبدالاول نے سیرۃ النبی پر مبنی ایک رسالہ منتخب کتاب **سفر السعادت** لکھا تھا، فارسی میں لکھے گئے اس رسالہ کا دوسرا نام احوال پیغمبر بھی درج ہوا ہے، مجد الدین فیروز آبادی (۸۱۷ / ۱۴۱۴) کی کتاب سفر السعادۃ میں سے اقتباسات کا یہ انتخاب ہے۔ اس میں دس باب ہیں اور اسے احمد آباد میں ۹۴۱ / ۱۵۳۴ میں دو وجہوں سے تحریر کیا گیا تھا: (۱) گجرات کی طرف بڑھتی ہوئی ہمایوں کی افواج سے حفاظت اور (۲) گجرات میں پھیلی ہوئی طاؤن کی وبا سے حفاظت، آپ نے شیخ محی الدین ابن العربی کی فصوص الحکم کی بھی شرح لکھی تھی ۔ آپ نے ایک رسالہ معرفت نفس بھی فارسی میں لکھا تھا۔

* الشيخ المحدث عبد الأول الجونفوری (م ۹٦۸ھ)

الشيخ العالم المحدث عبد الأول بن علی بن العلاء الحسيني الجونفوری، أحد كبار الفقهاء الحنفية، ولد و نشأ بأرض دكن ولازم جده علاء الدين، وأخذ عنه الحديث عن الشيخ حسين الفتحی عن محمد بن محمد الجزری صاحب الحصن الحصين عن أبي عبدالله محمد بن عبدالله الصفوی وغيره...ثم دخل غجرات وسكن بها زمانا، ثم سافر إلى الحرمين الشريفين فحج وزار، ورجع إلى الهند، فأقام بأحمدآباد مدة من الزمان ودرس وأفاد أخذ عنه الشيخ طاهر بن يوسف السندی وخلق كثير، وقدم دهلی فی آخر عمره فعاش بها سنتين وتوفی سنة ۹٦۸ھ.

وله مصنفات عديدة وتعليقات شتى، منها فيض الباري شرح صحيح البخاري، منظومة فی المواريث وشرح بسيط عليها، ومختصر في السير لخصه من سفر السعادة للفيروز آبادي. (الإعلام بمن ورد فی تاريخ الهند من الأعلام: ۴/۱۴۹)

وهو أول عالم هندی شرح الجامع الصحيح للإمام البخاری. (مقالات سليمانی: ۲/۱۳)

(۲۱) شیخ خداوند خاں

طبقۂ وزرا میں آپ خداوند خان کو پائیں گے، ان کا نام مجد الدین محمد بن محمد الایجی تھا، محمود شاہ اول کے زمانہ میں یہ گجرات آئے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے روشناس ہوئے، اول رشید الملک خطاب پایا مظفر شاہ حلیم نے ان کو خداوند خاں خطاب دے کر قلمدان وزارت عنایت کیا، چودہ برس تک وزیر رہے بہادر شاہ کے زمانہ میں وزارت سے بھی ترقی کی، وکالت مطلقہ جس سے بڑا کوئی عہدہ نہ تھا عطا ہوا اور پندرہ برس تک اس عہدہ پر سرفراز رہے، حدیث ورجال میں ان کو ایسی دستگاہ تھی کہ بڑے بڑے علما ان کی معلومات سے مستفید ہونے کو اپنی خوش نصیبی سمجھے تھے ہمایوں بادشاہ نے گجرات پر دسترس حاصل کرنے کے بعد ان سے حدیث کی سند لی اور اپنے ہمراہ آگرہ لایا عرصہ تک آگرہ میں رہے، شیر شاہ نے جب قابو پایا تو ان کے اصرار بلیغ پر اجازت دی کہ یہ گجرات واپس جائیں یہاں پہنچ کر محمود شاہ دوم کے زمانہ میں رحلت فرمائی۔

* الشيخ العلامة المحدث محمد بن محمد الإيجي

الشيخ العلامة المحدث مجد الدين محمد بن محمد الإيجی كان من العلماء المشهورين بمعرفة الحديث، قدم غجرات فی عهد محمود شاه الغجراتي الكبير فعظمه وقام به ووسع عليه، وجعله معلما لولده المظفر ولقبه بـرشيد الملك...وكان من كبار العلماء له مشاركة جيدة فی الحديث والرجال، مات في عهد محمود شاه الصغير، رحمه الله. (الإعلام بمن ورد فی تاريخ الهند من الأعلام: ۴/۲۷۸)

(۲۲) شیخ محمد بن عمر آصفی گجراتیؒ

محدث محمد بن عمر آصفی مکۃ المکرمہ میں پیدا ہوئے اور وہیں علماء سے علم حاصل کیا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ شیخ نے شیخ عزالدین عبدالعزیز زمزمی اور شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی سے بھی علم حاصل کیا تھا؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

''وإني أظن أنه قرأ على الشيخ عز الدين عبد العزيز الزمرمي والشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي، لأنهما كانا من موظفين من تلقاء السلطان محمود الغجراتي ومن المدرسين في مدرسته بمكة"

نیز گجرات تشریف آوری سے متعلق لکھتے ہیں:

قدم الهند ولا أدري في أى سنة كان قدومه بالهند وأظن أنه رجع سنة إحدى وثمانين.

آپ ہندوستان کب تشریف لائے اس کا صحیح علم تو نہیں ہے، البتہ میرا خیال ہے کہ ۹۸۱ھ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ۳۶۱/۵)

* الشيخ محمد بن عمر الآصفي الغجراتي

الشيخ العالم المحدث محمد بن عمر الآصفي الألغ خاني المكي . أحد العلماء المبرزين في الحديث والعلوم الأدبية، له كتاب في تاريخ غجرات بالعربي، طبع منه قسط في مدينة لندن، وإنى أظن أنه قرأ على الشيخ عز الدين بن عبد العزيز الزمزمي، والشيخ شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي لأنهما كانا من الموظفين من تلقاء السلطان محمود الغجراتي، ومن المدرسين فى مدرسته بمكة، وبالجملة فإنه حصل وأقام بمكة مدة طويلة، ثم إنه رجع إلى الهند مع والده وأقام بغجرات، ومنقوله في غجرات:

غجرات من ألقى عصاه بها يجد   عنها بهند ما يسوء بمعزل
مرآة فردوس لذلك سلوة   فيها لآدم كان أول منزل

(الإعلام بمن ورد فى تاريخ الهند من الأعلام: ۳۸۰/۵ إلى ۳۸۲ ملخصا)

(۲۳) شیخ احمد بن محمد نہروالی

نام ونسب اور ولادت: آپ کا نام ونسب اس طرح ہے: احمد بن محمد بن قاضی خان بن بہاء الدین بن یعقوب بن اسماعیل بن علی بن قاسم بن محمد بن ابراہیم بن اسماعیل عدنی خرقانی ابوالعباس علاؤالدین احمد نہروالی گجراتی۔

یہ مفتیٔ مکۃ المکرمہ علامہ قطب الدین نہروالی کے والد ہیں اور جدامجد قاضی خان سے مراد صاحب فتاوی (قاضی خان) نہیں ہے، آپ کی ولادت ۸۷۰ھ میں ہوئی۔

حصول علم اور اساتذہ: اپنے وطن ہی میں چند ممتاز علماء سے علم حاصل کیا، اس کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے، وہاں عزالدین عبدالعزیز بن نجم الدین عمر بن فہد اور دیگر ائمۂ حدیث سے حدیث پڑھی، آپ کی صحیح بخاری کی سند بہت ہی

عالی ہے، جو آپ نے حافظ نورالدین ابوالفتوح احمد بن عبداللہ طاؤسی سے حاصل کی، شیخ مذکور گجرات بھی تشریف لائے ہیں، صلاح وتقوی میں مشہور تھے، انہوں نے (شیخ طاؤسی نے) شیخ یوسف ہروی سے بخاری کی سماعت کی ہے، شیخ ہروی سہ صد سالہ سے مشہور تھے، یعنی انہوں نے ۳۰۰ر سال کی عمر پائی تھی، شیخ ہروی نے شیخ محمد بن شاد بخت فرغانی سے سماعت کی، شیخ فرغانی بھی معمرین (طویل العمر لوگوں) میں سے ہے، انہوں نے شیخ ابولقمان یحییٰ بن عمار بن مقبل بن شاہان ختلانی سے سماعت کی ہے، ان کا شمار سمرقند کے ابدال میں ہوتا ہے اور یہ بھی معمرین میں سے ہے، انہوں نے ۱۴۳ر سال کی عمر پائی، انہوں نے محمد بن یوسف فربری سے سماعت کی اور شیخ فربری نے صاحب صحیح، محمد بن اسماعیل بخاری سے۔

اوصاف: آپ صاحب صلاح، متقی اور پرہیزگار تھے، مکۃ المکرمہ کا سفر کیا اور وہیں ٹھہر گئے، آخری عمر میں بینائی ختم ہوچکی تھی۔ علامہ عبدالحی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ مکۃ المکرمہ میں مدرسۂ احمد شاہ گجراتی میں دینی خدمات کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور وہیں وہ تدریس وافادہ میں مشغول رہے۔

وفات: آپ کی وفات ۹۴۹ھ میں مکۃ المکرمہ میں ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۲)

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحبؒ نے ان کے بارے میں مزید تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: ''ان کی ولادت ۸۷۱ھ میں نہر والا میں ہی ہوئی، انہوں نے اپنے والد اور دادا نیز بہت سے علماء سے علم حاصل کیا، جن میں شیخ محمود بن ادریس زیادہ مشہور تھے، جب علوم اسلامیہ میں کمال حاصل کرلیا تو سلطان محمود شاہ نے ان کو گجرات کا منصب قضاء سپرد کیا۔''

۸۹۹ھ میں شیخ احمد نے نہر والا سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور حج ادا کر کے مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہوئے اور مکہ مکرمہ اور دیگر اسلامی شہروں سے روابط پیدا کئے، علامہ سخاوی کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بھی کسب فیض فرمایا۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے الضوء اللامع میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ ۹۰۰ھ میں شیخ احمد نہر والا تشریف لائے؛ مگر دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ گئے اور احمد شاہ گجراتی کے بنا کردہ مدرسہ میں مدرس ہوگئے تھے، آخری عمر میں بنائی سے محروم ہوگئے تھے، ۹۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ (علامہ قطب الدین نہروالی مختصر حالات وخدمات: ص: ۵، ۶)

✽ الشیخ العالم المحدث أحمد بن محمد النهر والي (م ۹۴۹ھ)

وهو والد المفتی قطب الدین محمد النهر والی مفتی مكة المكرمة، أخذ الحديث عن الشيخ عز الدين عبد العزيز بن نجم الدين عمر بن فهد، وعن جماعة من أئمة الحديث، وله سند عال لصحيح البخاری، أخذه عن الحافظ نور الدين أبي الفتوح أحمد بن عبد الله الطاؤسی نزيل غجرات، وكان موصوفا بالصلاح، سمع من الشيخ يوسف الهروی المشهور بـ سه صد ساله (أی المعمر ثلاث مائة سنة) عن محمد بن شاد بخت الفرغاني، وكان من المعمرين بسماعه لجميعه عن الشيخ أحد الأبدال بسمرقند

أبي لقمان يحي بن عمار بن مقبل بن شاهان الختلاني المعمر مائة وثلاثا وأربعين سنة، وقد سمع جميعه عن محمد بن يوسف الفربري، عن جامعه محمد بن إسماعيل البخاری رحمه الله.) (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۴/۲۴، ۲۵)

(۲۴) قاضی عبداللہ سندھی

احمد آباد شہر حدیث کی تعلیم کا مرکز اور محدثین کے جمع ہونے کا ممتاز مقام تھا، اس حقیقت نے سندھ کے ایک محدث عبداللہ بن سعد المدنی السندھی کو بھی احمد آباد کی طرف متوجہ کیا تھا، آپ نے شیخ علی متقی کے ہمراہ حدیث پڑھی تھی، زندگی کے شروع سالوں ہی میں آپ حرمین شریفین منتقل ہوگئے تھے اور کچھ وقت کے بعد ہندوستان لوٹ کر احمد آباد میں مقیم ہوگئے تھے یہاں آپ نے حدیث کا درس دینا شروع کیا تھا۔ دہلی کے شیخ بہلول بھی اسی زمانہ میں احمد آباد آئے اور آپ سے نیز آپ کے رفیق شیخ رحمت اللہ سندھی سے حدیث کا درس لینے لگے تھے، شیخ بہلول تعلیم مکمل کرنے کے بعد دہلی واپس ہوئے اور حدیث کی تعلیم کو بڑا فروغ دیا، شیخ عبداللہ دوسری بار بھی مکہ گئے اور وہیں ۹۸۴ھ ۱۵۶۷ء میں انتقال کر گئے۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے ایک شرح العوارف خاص اہمیت رکھتی ہے، نور السافر کے مصنف نے اس کا ذکر کیا ہے؛ لیکن اس کے مخطوطہ کا کہیں پتہ نہیں۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۱۴۳، ۱۴۴)

* الشيخ عبد الله المتقى السندى (م سنة ۹۸۴ھ)

الشيخ العالم المحدث عبد الله بن سعد الله المتقى السندى المهاجر إلى المدينة المنورة، لم يكن فى زمانه أعلم منه بالحديث والتفسير، رحل إلى غجرات صحبة القاضي عبد الله بن إبراهيم السندى سنة ۹۴۷ھ ثم سافر معه إلى الحرمين الشريفين وسكن بالمدينة مدة طويلة، ثم رجع إلى الهند صحبة الشيخ رحمة الله السندى سنة ۹۷۷ھ وأقام بغجرات زماناً، وكان يدرس ويفيد أخذ عنه خلق كثير من العلماء إلخ. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۴/۱۸۴)

(۲۵) علامہ محمد بن طاہر پٹنی

نام ونسب اور ولادت: نام محمد، مجد الدین لقب اور شیخ الاسلام خطاب ہے اور بعض لوگوں نے مجد الدین کے بجائے جمال الدین لکھا ہے۔ النور السافر میں ہے: ”جمال الدین محمد طاہر ملک المحدثین ہندی، پدر بزرگوار کا نام طاہر اور دادا کا نام علی بن الیاس خواجہ ہے“۔ نسب مندرجۂ ذیل ہے:

محمد بن طاہر بن علی بن الیاس بن ابوالنصر داود بن ابوعیسی عبدالملک بن ابوالفتح یونس شامی مؤلف جامع القصص، ابن عمر شامی بن عبداللہ بن ابوالعطا حسین مفتی بن ابوالحامد احمد غریب بن ابوقاسم محمد ابوالصلاح محمد بن ابوالفیض عبداللہ بن ابو الرضا عبدالرحمن بن ابوالبقا قاسم بن محمد عباس بن ابوالنصر محمد طیفور شامی بن ابوالمجد خلف بن ابوالمجد احمد بن ابوالوجود

شعیب بن ابوطلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کی ولادت بمقام پٹن ۹۱۴ھ میں ہوئی، النور السافر کے مطابق سال ولادت ۹۱۳ھ ہے، صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی ۹۱۳ھ ہی ذکر کیا ہے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم آپ نے گھر میں ہی حاصل کی، آپ ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے تقریباً ۹۲۴ھ میں قرآن مجید بھی حفظ کرلیا، اس کے بعد آپ نے دوسرے علوم وفنون کی طرف توجہ فرمائی، آپ پندرہ سال میں معقول ومنقول، اصول وفروع یعنی اس عہد کے مروجہ علوم سے فارغ ہوگئے۔

چوں کہ آپ بہت فہمیدہ اور ذہین تھے، اس لئے مدرسہ میں جس طالب علم سے بحث ہوتی وہ ہارتا جاتا اور کسی مسئلہ میں آپ سے گفتگو کا حوصلہ نہ پڑتا، اس کے علاوہ آپ میں کچھ امارت کی شان بھی ہوگی، جس کے سبب آپ دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہوں گے، اس لئے طالب علم آپ سے حسد رکھتے ہوں گے اور ہر طرح سے آپ کو تکلیف دیتے ہوں گے، اس لئے بعض مرتبہ مصیبت اور پریشانی اٹھانی پڑتی، اسی تجربہ سے آپ نے اسی زمانہ میں عہد کرلیا کہ اگر مجھ کو خدا نے درس دینے کی توفیق دی تو طالب علموں کو بڑی عزت سے رکھوں گا اور ان کے ساتھ خاص مہربانی سے پیش آؤں گا۔

"النور السافر" میں ہے کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے تحصیل علوم کے زمانہ میں طالب علم وغیرہ سے سخت تکلیفیں اٹھائی تھی، اس لئے انہوں نے نذر مانی تھی کہ وہ جب صاحب علم ہوں گے تو صرف خوشنودئ خدا کے لئے علم پھیلائیں گے، چنانچہ جب وہ اس قابل ہوگئے تو نذر پوری کی، پھر تو ہر ایک طالب علم نے ان سے فائدہ اٹھایا؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، والد صاحب کے انتقال پر جو دولت ہاتھ آئی، اس کو طلبۂ علم پر صرف کرتے تھے اور کسی طالب علم کو علم سے محروم نہ رکھا، اسی لئے ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع نظر آتا تھا۔

ہندی اساتذہ: آپ کے ہندی اساتذہ میں مشہور نام مولانا شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین سمہودی اور یداللہ سوہی کا ہے اور جس استاد کی خدمت میں اختتام تعلیم کی ان کا نام ملامتھ یا مٹھ ہے اور ممکن ہے کہ "کہتہ" ہو۔

غرض پندرہ سال کی عمر میں علوم نقلیہ وعقلیہ سے فارغ ہوکر صاحب درس ہوگئے، دنیا میں بہت کم؛ بلکہ مخصوص ہستیاں ایسی ہوئی ہیں، جو اس کم سنی کے باوجود صاحب درس ہوگئے ہوں، اسی سے ان کی قابلیت اور لیاقت کا پتہ چلتا ہے اور یہ کہ علوم وفنون میں ان کا مرتبہ کتنا بلند تھا، یہی سبب ہے کہ ان کے وسیع شاگردوں میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی ہیں، جو ملک کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکے۔

وہ اپنے ہم عصروں سے اس طرح بڑھ گئے کہ فن حدیث میں گجرات کے علماء میں سے کوئی ان کا مقابل پیدا نہ ہوسکا، وہ صالح، متقی اور علم کے سمندر تھے، فن حدیث میں ان کی متعدد تالیفات ہیں، آپ پٹن میں پندرہ برس تک تعلیم دیتے رہے۔

زیارت حرمین شریفین وحج بیت اللہ: ۹۴۴ھ میں آپ کو حرمین شریفین کا اشتیاق دامن گیر ہوا، آپ پٹن سے

کھنبایت تشریف لے گئے اور بہت ممکن ہے کہ بندر دیو سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہوں، کیوں کہ بندر گاہیں صرف دو ہی تھیں، جہاں سے مسافروں کا جہاز بکثرت باہر جاتا تھا، کھنبایت اور دیو؛ دیگر بندر گاہوں سے کم۔

آپ پہلے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ پہنچے اور زیارت قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے، پھر آپ مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے، یہ زمانہ سلطان محمود ثانی بن لطیف خان بن مظفر خان ثانی کا ہے۔

مکہ مکرمہ سے آپ کا علمی رابطہ: ۹۴۴ھ میں جب زیارت مدینہ سے فارغ ہوکر تشریف لائے تو اس وقت وہاں ایسے استادوں کا مجمع تھا کہ جن کی صحبت کو غنیمت جان کر کچھ عرصہ کے لئے وہاں مقیم ہوگئے تاکہ تکمیل تعلیم ہوجائے اور چوں کہ حدیث کی طرف آپ کی طبیعت زیادہ مائل تھی، اس لئے مخصوص طور پر اس علم کو حاصل کرنے کے لئے وہاں کے ماہرین فن استادوں کی طرف آپ نے توجہ کی اور ان سب سے فائدہ اٹھایا، چنانچہ مکی استادوں میں مندرجۂ ذیل استادوں سے مستفید ہوئے۔

ابوعبیداللہ زبیدی، سید عبداللہ عیدروس عدنی، شیخ عبیداللہ حضرمی، شیخ جاراللہ بن فہد مکی، شیخ خود دار سندھی، شیخ ابوالحسن بکری مکی، شیخ علی بن عراق مدنی۔

شیخ ابن حجر ہیتمی مکی اور شیخ علی متقی دو مشہور محدث تھے، آخری تکمیل انہیں دونوں بزرگوں سے کی، ابن حجر مکی حدیث میں اور علی متقی تصوف میں بڑی شہرت رکھتے تھے، شیخ علی متقی کا پایۂ حدیث بھی کچھ کم نہ تھا، وہ عامل بالحدیث تھے، ان کی صحبت سے لوگ بہت متأثر ہوتے تھے اور اسی لئے علامہ محمد بن طاہر ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

وطن واپسی اور تعلیمی وتدریسی مشغلہ: حضرت شیخ مکہ سے کب واپس تشریف لائے اس کا صحیح طور پر پتہ نہیں چلا، محض قیاس سے چار پانچ برس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یعنی ۹۵۰ھ میں وطن میں تشریف لے آئے۔

وطن پہنچ کر انہوں نے تدریس وتعلیم کا کام شروع کیا، اپنے بزرگ والد صاحب سے ورثہ میں بہت کچھ پایا تھا؛ مگر سب طلبۂ علوم نبوت پر خرچ کرڈالا۔

تصانیف: (۱) مجمع بحار الانوار:

جو منشی نول کشور مطبع لکھنؤ سے متعدد بار طبع ہوئی تھی؛ مگر ان نسخوں میں غلطیاں بکثرت تھیں، بعد میں محدث شہیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نسخوں کا مقابلہ کرکے تصحیح کے ساتھ طبع کروایا، اب عام طور پر یہی نسخہ متداول ہے۔

علامہ نے اس میں ہر غریب لفظ کی تشریح کی ہے؛ بلکہ یہ کتاب غریب الفاظ کی لغات میں صحاح ستہ کی شرح ہے، تمام اہل علم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس تصنیفی عمل سے ان کا اہل علم پر بہت ہی بڑا احسان ہوا۔

مجمع بحار الانوار کی چند خصوصیات: (بندہ کے عربی مقالہ سے مأخوذ ہے)

مزایا هذا الكتاب:

معلوم لدى اهل الحديث ان الشيخ محمد بن طاهر الفتني قد اعتمد في كتابه هذا كثيرا على ما في

النهاية كما مر فيما سبق ورمز للنهاية بـ"نه". والمؤلف الف هذا الكتاب والتزم فيه ان لايغادر شيئا مما في النهاية الا ما ندر او شاع بينهم واشتهر.

ويضم الى ذلک ما وجده في ناظر عين الغريبين من الفوائد، فجاء كتابه جامعا لما الف قبله فى غريب الحديث، وزاد عليه انه تعرض لما لم يتعرض له من صنف قبله الا نادرا، وهو خواص تراكيب الحديث ولطائفها والوجوه الغريبة فيها. وقد ذكر الشيخ حبيب الرحمن الاعظمي مزاياه فى تقديم هذا الكتاب، وقد ذكر الشيخ العلامة الأعظمي مثالا واحدا وانا ازيد عليه امثلة اخرى، واذكر بعد عبارات الاعظمي رقم الصفحة والجزء، وبعد امثلة اخرى اذكر ان هذا المثال في اي مادة وقع، ورقم الصفحة والجزء، ان كان صحيحا فمن الله وان كان غيره فاستغفره.

(١) ان الناظر في غيره من الكتب بعد وقوفه على المعنى الوضعي ربما عنّ له اشكال فى معنى الحديث فيحتاج الى الكشف عنه في شروح الكتب، وان هذا الكتاب يغنيه عن الرجوع اليها، لان المؤلف يسرد فيها ما ذكروه في الشروح. مثال ذلک "ويل للمتألّين" اقتصر ابن الأثير على بيان معنى "المتألي" وعقبه المؤلف ببيان السبب الداعي الى إحباط عمل المتألي، فان الطالب ربما يشكل عليه هذا۔ (تقديم مجمع بحار الأنوار: ١/ ١٣)

والإسلام ليأرز الى المدينة، اقتصر ابن الأثير على بيان معنى "يأرز" اي ينضم اليها ويجتمع بعضه الى بعض فيها. ولم يذكر: في ایّ مكان يكون هذا او وقع هذا في الزمن السابق، وإن كان الراء بالكسر فما معنى صفة الايمان اولا وآخرا، وقد ذكره المؤلف الفتني. (مادة: ارز، ص: ٢٦، ج: ١)

و: موت الفجأة اخذة أسِف للكافر، ذكر ابن الأثير معناه: اى اخذة غضب او غضبان، ومنه الحديث: انهم ان كانوا ليكرهون اخذة الأسف، ولم يذكر بأىّ طريق يظهر اثر غضب الله او غضبانه، وعقبه المؤلف الفتني ببيان طريق اثره. (مادة: اسف، ص: ٥٧، ج: ١)

(٢) ومنها انه ربما تكون الكلمة معلوما مشهورا معناها الوضعي فيهملها اصحاب الغريب ولكن المؤلف يوردها لانها اطلقت في الحديث بنوع من التاويل فينقل من المصادر الموثوق بها ما قالوا في تأويلها، مثال ذلک: "فيأتيهم الله" اهمله ابن الاثير، وذكره المؤلف ونقل عن الكرمانى ان معناه "يظهر لهم". (تقديم مجمع بحار الأنوار: ١/ ١٣)

وكذا "اتقوا" (مادة: بنا، ص: ٢٢٧، ج: ١) ذكره المؤلف ونقل عن الطيبي ان معناه: "احترزوا".

(٣) وربما ذكر المؤلف ما هذا شأنه يتذرع بذكره إلى شرح معنى الحديث. مثاله كلمة "إلا" زادها الشارح وشرح الأحاديث التى وقعت فيها، وكانت تحتاج إلى شرح. (تقديم مجمع بحار الأنوار: ١/ ١٢)

وكذا "أمْ" (ص:۹۷،ج:۱) و "إنْ" (ص:۱۲۰،ج:۱) و "أوْ" (ص:۱۲۶،ج:۱).

(۴) ومنها ان ابن الاثير أهمل ضبط الكلمة في الأغلب، والمؤلف لايتركه الا نادرا، مثال ذلك، "ابهر" اهمل ضبطه ابن الاثير، وضبطه المؤلف. (تقديم مجمع بحار الأنوار:۱/۱۲)

و"ارنب" بنون موحدة، (ص: ۷۰،ج:۱) و"اسكف" (مادة: اسک، ص:۷۶،ج:۱). وكذا "اطم والإطام" اهمل ضبطهما ابن الاثير، وضبطهما المؤلف، و"اعمق". (مادة:اعم، ص:۸۴،ج:۱)

و"إفک وأفک" ضبط ابن الاثير اعرابا واحدا، وضبطه المؤلف ضبطا تفصيليا، فقال: الإفک والأفک، الأول بكسر فساكن، والثاني بفتحتين يريد انهما واحد وهو كالكذب، وقيل: بفتحتين جمع أفوک، وإفكهم بكسر فسكون. (مادة: افک، ص:۸۵،ج:۱)

(۵) ومنها ان المؤلف في بعض الاحيان يورد الكلمة بهيئتها التي وردت بها في الحديث تيسيرا على الطلبة او اعتقادا منه بأن الكلمة وضعت بهذه الهيئة بديّا، ولم تشتق من أي كلمة أخرى، مثاله: "اجادب" و"إثمد". (تقديم مجمع بحار الانوار:۱/۱۲)

و"أحبش" (مادة:احب، ص:۴۸،ج:۱) و"ارفد" (مادة: ارف، ص: ۶۸،ج:۱) و "اسوار" (مادة اسو، ص:۷۸،ج:۱) و "إشفا" (مادة: اشف، ص: ۷۹،ج:۱) و"اظفر واظفار" (مادة: اظف، ص:۸۴،ج:۱) ذكره ابن الأثير في مادة "ظفر" والمؤلف في مادة "اظف". و"أكدر" (مادة:اكد، ص:۸۷،ج:۱)

(۶) ومنها ان المؤلف يضيف الى ما ذكره ابن الأثير في مادة، ما لم يذكره من مشتقات تلك المادة وتصريفاتها مما ورد في الحديث، ومثاله ان ابن الاثير لم يذكر في مادة "برأ": "استبرأ لدينه" فاستدركه المؤلف، وكذا استدرک "أبرأ الى الله" و"فتبرئكم يهود". (تقديم مجمع بحار الانوار:۱/۱۲)

وكذا لم يذكر في مادة "احد": "أحد الثلاثة" و"أحُد" جبل شهير، فاستدركهما المؤلف.

وكذا في مادة "أخذ"، لم يذكر "تأخذ" و"مأخذها"، فاستدركهما المؤلف الفتني.

وفي مادة "اذن"، لم يذكر ابن الأثير "مؤذنين" و"استأذنوكم" و "يوذن" و"لاتاذن" وذكره الشيخ الفتني.

وفي مادة "بشر" استدرک العلامة الفتني "تباشر" و"البشرى" و"ابشروا" و"بشارة" و"بشِّروا" و"يباشرني".

واستدرک في مادة "بصر": "بصيرة" و"تبصره" و"مبصرا" و"لم يبصروا".

واستدرک في مادة "بعث": "يبعث" و"لاتبعثون"

واستدرک في مادة "بغي": "مهر البغي" و"لاتبتغي" و"ابتغوا" واستدرک فى مادة "ترجم":

"أترجم" و "ترجمة الباب".

(۷) وكثيرا ما يزيد على ابن الأثير فى تفسير الكلمة، كما زاد عليه في تفسير "أبرأ" من عندي النووي. (تقديم مجمع بحار الانوار: ۱/ ۱۲)

وزاد في تفسير "أزق: اي السهر، هو مفارقة النوم بوسوسة او خوف او نحوها، من شرح المشكوة للطيبي.

لمثل هذه الميزات والخصائص قد نال الكتاب شرفا عظيما وقبولا عاما فى أوساط العلم والدين و حلقات العلماء والطلاب، تتداوله ايدى العلماء والطلاب الى يومنا هذا، و في الزمن الذي صنف فيه المصنف هذا الكتاب ايضا نال قبولا عاما والتفاتا خاصا بشكل واضح ملموس، فانتشرت عدد كبير من نسخ هذا الكتاب في بلاد الهند وخارجها، ولهذا الكتاب منة عظيمة وفضل كبير على كل من طلب العلم واستفاد من فن الحديث النبوى، وقد استطرد سماحة المحدث الكبير حبيب الرحمان الاعظمي قائلا: ان جهابذ العلماء صرفوا عنايتهم الى هذا الكتاب صرفا بالغا، بهذا السبب نال الكتاب قبولا عاما شاملا في زمن التأليف نفسه وانتشرت النسخ والنقول الى اقصى البلاد. وقد مال اهل الهند الى هذا الكتاب واهتموا به حيث لم توجد اية مكتبة اسلامية لم تحتوي على هذا الكتاب الجامع. قد يراجع جميع أهل العلم والفن هذا الكتاب عند ما تمس الحاجة اليه وقد يحتمل مكانة مرموقة فى المصادر والمراجع وأرباب العلم ينقطعون الى الاستفادة منه.

سبب تأليف مجمع بحار الأنوار:

وقد ذكر المحدث الفتني رحمه الله تعالى الاوضاع والظروف التى اعترته قبل التشاغل فى بداية كتاب حيث قال ذكرا عن تاليف الكتاب: وقد عنّ لخاطري الفاتر أن همم أهل البلاد اليه فاترة، والاعمار قاصرة، والعدة معهم يسير والامر خطير، فمقتضى احوالهم ان يكون الكلام مقتصرا على حل الغرائب للقرآن والاخبار، ومتضمنا لما فيها من الرموز والاسرار، مشتملا على وجوه العبر ونظم الفرائد، محذوفا عنه ما لايحظي الا من تبحر في هذا الفن وتأهل لتلك الزوائد، مرتبا على ترتيب حروف التهجى ليسهل الوصول الى المعانى، ويسقط التكرار، ويبين المواضع والمباني، فحركني ذلك أن أصرف زبدة أوقاتي بعد مباحثة أصحابي الى ذلك الجناب، ليكون ذلك من قنية عمري ذخيرة للمآب، واسوّد على ذلك المنهج شرحا للصحيحين وجامع الاصول، وآخر للمشكاة ليسهل الوصول، ثم استطلت أن احمل الخلة رفعها، واكلفهم جمعها، كراهة ما فيها من الاشياء المعادة، وان كانت لاتخلو عن الافادة، فاردت ان استصفى منها المختصر، وانقى عن كل ماتكرر، فجعلت كتاب النهاية لابن الاثير أصلا له فلا اذكر منها الا

مالیس له تعرض دونه، ولم اغادر منه الا ماندر، أوشاع بینهم وانتشر، وأضم الی ذلک ما فی ناظرعین الغریبین من الفوائد، وماعثرت علیها من غیر تلک الکتب من الزوائد لیکون للطالب فی أکثر الاحادیث و معظمها کافیا، بل لحل العوائد فی فنون العلم وغرائب القرآن وافیا، واذامایسر الله تعالی اتمامه علی هذا المنهج أتوسل الی خدمة ذلک الجناب العالی شیخی الشفیق المشفق ذی المفاخر والمعالی قطب الاوان، وغوث الزمان، وصفوة الرحمن، نزیل الحرمین، مجاور بیت الله، مربي الانام، مرشد الکرام، اعني الشیخ علي المتقي ابن حسام افاض الله فیض تقواه علی الداني والقاصي علي الدوام لیکون ذریعة لشفاعته یوم الفزع الاکبر في ذلک المقام ولاخذ الید في یوم تزل فیه الاقدام.

(۳) تذکرۃ الموضوعات، (۴) قانون الموضوعات۔

اول الذکر بھی حضرت علامہ کی مشہور کتابوں میں شمار کی جاتی ہے، یہ کتاب بیروت سے متعدد بار طبع ہو چکی ہے، کل صفحات کی تعداد ۲۲۹ ر ہے، ہر صفحہ ۲۴ رسطور پر مشتمل ہے۔

اس کی کتابت پر ابھارنے والا محرک وسبب ذکر کرتے ہوئے تذکرۃ الموضوعات کے مقدمہ میں خود تحریر فرماتے ہیں: مجھے اس کی طرف ابھارنے والا سبب یہ ہے کہ عام شہروں میں صغانی اور دیگر حضرات کی موضوعات پر لکھی ہوئی کتابیں مشہور ہو چکی ہیں اور میرے خیال میں ان تمام کا مواد ومقتدا ابن الجوزی کی کتاب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ابن الجوزی کسی بھی حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں خوب افراط سے کام لیتے ہیں، اسی لئے بعض علماء افاضل نے ان کا تعاقب کیا۔

اور شروع میں ذکر کیا ہے کہ علماء ناقدین کے اقوال جمع کئے ہیں، جو وضع اور ضعیف حدیث کے بارے میں منقول ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے تو وہ متفق علیہ ہے یا کسی کے سہو وخطا کے نتیجہ میں حدیث پر یہ حکم لگایا گیا ہے۔

یہ اقوال جمع کئے اور یہ محنت اس لئے کی ہے تا کہ کسل مند لوگ کسی ایک ہی آدمی کے قول کو مدنظر رکھ کر وضع کا حکم نہ لگائیں اور کوئی غافل کسی ایک کے قول سے دھوکہ میں آکر کسی حدیث پر صحت کا حکم لگانے میں سرعت سے کام نہ لے، خلاصہ یہ ہے کہ لوگ افراط یا تفریط کے شکار ہیں۔ (اس لئے یہ اعتدال قائم کیا گیا۔)

اس کتاب کا سن طباعت بندہ کو نہ مل سکا، ہاں! مترجم مولانا ابوظفر ندوی صاحب نے سن طباعت ۹۵۸ھ ذکر کیا ہے، ہوسکتا ہے کسی دوسرے نسخہ میں یہ سن موجود ہو، جس سے مولانا ابوظفر ندوی صاحب نے استفادہ کیا ہو۔

اسی کتاب کے آخر میں ثانی الذکر کتاب مسمی بہ "قانون الموضوعات والضعفاء" ملحق ہے، جو صفحہ نمبر ۲۳۰ سے ۳۱۰ یعنی ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، مقدمہ میں حضرت علامہ نے لکھا ہے کہ یہ کتاب تذکرۃ الموضوعات سے فراغت کے بعد بعض اعزہ اور دوستوں کے اصرار پر لکھی ہے۔

اس کتاب میں ان رواۃ کو جمع کیا ہے، جو صفت کذب اور وضع وافتراء سے متصف ہیں اور اس تالیف اور جمع کی غرض

یہ ہے کہ اخبار موضوعہ کی معرفت اور ضعفاء ووضعین کا ضبط وتحقیق ہوجائے اور یہ ان کی معرفت میں قانون بن جائے۔
اس کتاب کے شروع میں رموز دیئے ہیں، بعدہ حروف تہجی کے اعتبار سے رواۃ کا ذکر کیا ہے اور آخر میں دو فصلیں کنیتوں اور نسب کے بیان میں ہے۔

(۵) مقاصد جامع الاصول مشتمل باحادیث ستہ۔

(۶) مقاصد الاصول، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح (ان چاروں) پر حاشیہ۔

(۷) عدۃ المتعبدین۔

وفات: سن ۹۸۶ھ میں علامہ نے فرقۂ مہدویہ کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا، یہ ان سے مسلسل مناظرہ کرکے ان کو گمراہی سے راہ حق پر لانا چاہتے تھے اور اپنی مجالس میں ان کا سختی سے رد کرتے اور ان کو دین سے خارج قرار دیتے، اس فرقہ کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے حاکم وقت سے مدد چاہی، لیکن مہدوی لوگوں نے اس سے پہلے چال بازی سے شہید کردیا۔
یہ واقعہ شہادت اجین کے قریب ایک گاؤں میں ۶ رشوال المکرم ۹۸۶ھ میں پیش آیا، بعد میں آپ کی لاش کو پٹن میں لاکر دفن کیا گیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۶۵، النور السافر: ۲۹۴، گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر: ص: ۳۴، تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی: ۱۰/ ۲۸- ۳۲، ۸۹، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ص: ۷۳، ۸۲، ۱۸۳، ۲۸۱، ۳۹۸)

(۲۶) محدث امین بن احمد نہروالی

آپ نے علامہ طاہر پٹنی (صاحب مجمع بحار الانوار) جیسے بلند مرتبہ محدث سے علم حدیث حاصل کیا، ۹۸۲ھ میں مندو تشریف لائے، ایک سال مندو میں رہنے کے بعد اجین کا سفر کیا اور شیخ راجی محمد قادری، شیخ عبد الغفور اور شیخ جمال بن احمد وغیرہ سے تصوف وسلوک کا رابطہ رکھا، ایک مدت اُجین میں سکونت اختیار کرکے زہد وتقویٰ اور قناعت وغناء کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہے، اس کے بعد آپ برہان پور تشریف لے گئے اور اخیر عمر تک وہیں رہے، ربیع الاول ۱۰۱۷ھ میں آپ نے وفات پائی اور برہان پور ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۸۷)

٭ الشيخ العالم الكبير المحدث أمين بن أحمد النهر والى الغجراتي

الفاضل المشار اليه بسبعة علوم، تخرج على الشيخ محمد بن طاهر بن على الفتنى...... وأخذ الحديث عنه (م ١٠١٧ ه). (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الهند من الأعلام: ۵/ ۹۷)

(۲۷) شیخ عبد الوہاب بھروچی

عالم صالح عبد الوہاب بن فتح اللہ بھروچی گجراتی، آپ شیخ علی متقی کے فیض یافتگاں میں سے ایک ہے، مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا اور طویل مدت تک شیخ علی متقی کی صحبت میں رہ کر ان سے حدیث پڑھی اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے، نیز شیخ محمد بن افلح یمنی اور دیگر کئی علماء سے کسب فیض کیا، آپ کے تلامذہ میں شیخ عبد الحق بن سیف الدین دہلوی کا نام ملتا ہے،

ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے استفادہ کیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۸۹)

آپ کے مفصل حالات، تاریخ ولادت ووفات اور احوال وخدمات دستیاب نہ ہو سکے، ہاں! شیخ علی متقی سے فیض یافتہ لوگوں میں سے ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دسویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔

* الشيخ العالم الصالح عبد الوهاب بن فتح الله البروجي الغجراتي

أحد أصحاب الشيخ علي المتقي، سافر إلى مكة المباركة، ولازم الشيخ المذكور ملازمة طويلة، وأخذ عنه وحج وزار، وأخذ الحديث عنه وعن الشيخ محمد بن أفلح اليمني وعن غيره من العلماء، أخذ عنه الشيخ عبد الحق بن سيف الدين الدهلوي وخلق آخرون. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۵/ ۲۸۹)

(۲۸) شیخ عبد المعطی با کثیر مکی

نام ونسب اور ولادت: آپ کا نام ونسب اس طرح ہے: عبد المعطی بن حسن بن عبد اللہ با کثیر مکی احمد آبادی، آپ کی ولادت رجب المرجب ۹۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

حصول علم واساتذہ: مکہ مکرمہ ہی میں علمائے کرام کی ایک جماعت سے منقولات ومعقولات کا علم حاصل کیا، کئی ایک علوم میں مہارت حاصل کی، شعر وادب میں بھی فنکاری پائی جاتی تھی۔

آپ نے قاہرہ میں اپنے والد کی معیت میں حدیث کا درس شیخ الاسلام زکریا انصاری سے لیا تھا، آپ کے والد حدیث کی قرأت کرتے اور آپ سماعت فرماتے اور انہی سے سماعی سند حاصل کی؛ چوں کہ شیخ زکریا حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کرتے تھے، اس لئے صاحب تذکرہ اپنے معاصرین پر سند عالی کے ذریعہ فائق ہو گئے، لوگوں نے ان سے سند لینے کے لئے بھی ہجوم کیا۔

صاحب ''النور السافر'' فرماتے ہیں: میں نے اپنی کم سنی میں ان سے بخاری شریف سنی ہے اور انہوں نے مجھ کو اس کی اجازت بھی دی تھی، چوں کہ یہ اجازت زبانی دی تھی تو والد صاحب نے ان سے خواہش کی کہ اس کا اجازہ لکھ دیں، تاکہ دیگر قصائد کے ساتھ رکھ لیا جا سکے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی مہلت نہ دی۔

تالیف: آپ نے ایک ضخیم کتاب ''اسماء رجال البخاری''، لکھی، جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ سے حدیث کے راوی صحابی تک کا حال درج کیا ہے، لیکن یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی اگر تکمیل پا جاتی تو دو جلدوں میں ہوتی۔

اوصاف وکمالات: علمائے حدیث میں آپ بلند مقام رکھتے تھے، اس کے ساتھ عربی کے کہنہ مشق شاعر بھی تھے، طبیعت میں ظرافت تھی اور مرتے دم تک زہد وتقوی آپ کا شعار رہا، آپ کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ ایک ہی مجلس میں کتاب الشفاء کی قرأت کر لیتے تھے، یہ قرأت صبح کی نماز سے لے کر ظہر کی نماز تک ہوتی تھی۔

گجرات میں تشریف آوری: آپ رحمۃ اللہ علیہ ۹۶۳ھ سے قبل ہندوستان تشریف لائے اور سب سے پہلے سورت

میں رجب خداوندخان نامی امیر کے ساتھ اور بعد میں احمد آباد میں مشہور عیدروسی خاندان سے منسلک ہوئے۔

وفات: احمد آباد میں ۲۷/ذوالحجۃ الحرام ۹۸۹ھ شب سہ شنبہ میں وفات پائی، احمد آباد کے علاقہ لال دروازہ میں واقع سیدی سعید کی جالی والی مشہور تاریخی مسجد کے بانی سیدی سعید سلطانی بھی شیخ عبدالمعطی کے ہم عصر اور دوستوں میں سے تھے، سیدی سعید کی وفات ۹۸۴ھ میں ہوئی تو انہیں خود اپنی بنائی ہوئی مسجد میں دفن کیا گیا اور پھر چند ہی سال کے بعد ۹۸۹ھ میں شیخ عبدالمعطی کا انتقال ہوا تو انہیں بھی سیدی سعید کی مسجد میں اپنے مرحوم دوست کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۱۸۸، گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر: ۳۰، ۳۱، النور السافر: ۳۹۶، ۳۹۷)

* الشیخ عبد المعطی باکثیر المکی (م سنة ۹۸۹ھ)

الشيخ العالم الكبير المحدث عبد المعطى بن الحسن بن عبد الله باكثير المكي ثم الهندی الغجراتي أحد العلماء المحدثين.

ذكره عبد القادر الحضرمي في النور السافر، قال كان مولده سنة ۹۰۵ھ بمكة ونشأ بها ولقى جماعة من العلماء الفاضلين وشارك في المعقول والمنقول، وتفنن في كثير من العلوم، ودخل الهند وأقام بها وكان حسن المحاضرة لطيف المحاورة له ملح ونوادر لم يزل على قدم الصلاح والتعفف إلى أن مات.

من شيوخه شيخ الإسلام زكريا الأنصاري لأنه سمع عليه صحيح البخاري بقراءة والده وهو يرويه عنه سماعاً كما في اصطلاح أهل الحديث، والشيخ زكريا يرويه عن شيخ الإسلام الحافظ ابن حجر العسقلاني، ولهذا اشتهر صاحب الترجمة في زمنه بالسند العالي وتميز عن أقرانه بذلك، فازدحم الناس على الأخذ منه وصار له من الحظ بسبب ذلك مالا مزيد عليه توفي بأحمد آباد غجرات سنة ۹۸۹ھ فدفن بها رحمه الله. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۴/ ۱۹۱، ۱۹۲)

* الشيخ أحمد بن عبد المعطى باكثير المكي ثم الغجراتي

الشيخ العلامة أحمد بن عبد المعطى باكثير المكي أحد الأدباء الفاضلين والشعراء المفلقين أخذ عن والده وتفنن في الفضائل عليه وعلى غيره من العلماء، وكان والده ممن سمع صحيح البخاري بقراءة والده على شيخ الإسلام زين الدين زكريا الأنصاري المصري. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۵/ ۶۶، ۶۷)

(۲۹) علامہ محمد بن محمود طارمی

خراسان کے شہر ''طارم'' میں آپ کی پیدائش ہوئی اور وہیں آپ کی نشوونما ہوئی، علم حاصل کرنے کے لیے مختلف جگہوں کا آپ نے سفر کیا اور عظیم المرتبت علماء حدیث سے علم حاصل کیا، علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی الدوانی جیسے کثیر التصانیف عالم سے بھی آپ نے کسب فیض کیا۔

دسویں صدی ہجری میں آپ گجرات تشریف لائے اور پٹن (نہروالا) کے مدرسہ میں درس حدیث سے طلبہ حدیث کو مستفیض فرمایا، آپ کے مکتب حدیث سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا، شارح عظیم علامہ وجیہ الدین گجراتی اور قاضی علاء الدین عینی بھی آپ کے مکتب حدیث کے فارغین میں سے تھے۔ ۹۴۱ھ میں آپ نے گجرات ہی میں وفات پائی۔

(نزہۃ الخواطر: ۴/۲۸۰)

(۳۰) شیخ بن عبداللہ عیدروس

ولادت: جزیرۃ العرب کا مشرقی علاقہ حضرموت (یمن) جو ایک مردم خیز خطہ ہے، اسی میں واقع ایک آبادی ''تریم'' میں ۹۱۹ھ میں ولادت ہوئی۔

تَرِیم، حضرموت کے ایک حصہ کا نام ہے، اس کے دوشہروں میں سے یہ ایک شہر ہے، اصل میں یہ ایک قبیلہ کا نام تھا، اسی سے شہر کا نام ہوگیا۔ (معجم البلدان: ۲/۲۸، باب: ت، ط: دار صادر)

نام ونسب: شیخ بن عبداللہ عیدروسی حسینی حضرمی ہے، حضرموت کا عیدروسی خاندان بھی علوم اسلامیہ کی تاریخ میں شہرت عام رکھتا ہے، ہندوستان میں عیدروسی خاندان کی مختلف شاخیں احمد آباد، سورت وغیرہ میں پروان چڑھیں، جو سادات عیدروسیہ کہلاتی ہیں۔

حصول علم اور اساتذہ: حفظ قرآن کے بعد حصول علم میں مشغول ہوئے، اپنے والد، امام شہاب الدین بن عبدالرحمن اور شیخ عبداللہ بن محمد باقشیر سے علم حاصل کیا، پھر یمن تشریف لے گئے اور عدن پہنچے، وہاں شیخ محمد بن عمر باقضام اور دیگر حضرات سے کسب فیض کیا، اس کے بعد اپنے والد کی معیت میں ۹۳۸ھ میں حجاز پہنچے اور حج سے فراغت کے بعد ابوالحسن بکری سے علم حاصل کیا اور مدینہ ہوتے ہوئے تریم واپس لوٹے، ۹۴۱ھ میں تنہا دوسرا حج کیا اور ۳/سال تک طلب علم وعبادت میں لگے رہے اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی، عبداللہ بن احمد فاکہی، عبدالرؤوف بن یحیی، محمد بن الخطاب مالکی سے استفادہ کیا، حتی کہ تفسیر، حدیث، فقہ، عربیت، تصوف اور فرائض وحساب میں ماہر ہوگئے، اس کے بعد زبید میں حافظ عبدالرحمن بن دیبع سے اور شحر میں احمد بن عبداللہ بافضل الشہید سے کسب فیض کیا۔

آپ کو اکثر مشائخ نے اپنی کتب ومرویات میں اجازت عامہ دی اور بہت سوں سے آپ نے خرقہ بھی پہنا، اس کے بعد تریم میں آپ ۱۳/سال تک مقیم رہے۔

گجرات میں تشریف آوری وخدمات: ۹۵۸ھ میں آپ یہاں تشریف لائے، احمد آباد میں وزیر عماد الملک کے یہاں آپ کو خوب مقبولیت وشہرت ملی؛ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو نفع رسانی اور تدریسی خدمات میں ہی لگائے رکھا، یہاں مدت اقامت ۳۲/سال ہے، اس لئے آپ سے کسب فیض کرنے والے بھی بے شمار ہوئے، ان لوگوں میں سے کچھ نام یہ ہیں: ان کے بیٹے عبدالقادر، پوتا محمد بن عبداللہ سورتی، سید بن علی، احمد بن علی بسکری، عبداللہ بن احمد فلاح، محمد بن احمد

فاکہی، حمید بن عبداللہ سندی۔

تصانیف: آپ نے کئی ایک مفید کتابیں تحریر فرمائی ، ان میں سے چند یہ ہیں:(۱) **العقد النبوی و السیر المصطفوی** (۲) **الفوز و البشری** (۳) قصیدۃ تحفۂ مرید کی دو شرحیں، ایک چھوٹی اور ایک بڑی، بڑی شرح کا نام حقائق التوحید اور چھوٹی شرح کا نام سراج التوحید ہے (۴) مولود شریف، یہ بھی ایک چھوٹی، ایک بڑی ہے (۷) الحزب النفیس (اوراد میں) (۸) نفحات الحکم علی لامیۃ العجم نامکمل (اصطلاحات تصوف میں)۔

وفات: ۱۰؍رمضان المبارک ۹۹۰ھ ہفتہ کی شب میں احمد آباد میں واصل بحق ہوئے، انتقال کے بعد آپ کو اپنے مکان کے صحن ہی میں دفن کیا گیا، جہاں پر آپ کے بیٹے شیخ محی الدین عبدالقادر نے ۹۹۹ھ میں گنبد تعمیر کروایا۔ (النور السافر :ص:۲۹۹، گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر:ص:۱۳۱، نزہۃ الخواطر: ۴/ ۱۲۸، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ:ص:۱۸۲)

*** الشیخ الکبیر شیخ بن عبداللہ العیدروسی الحضرمي ثم الأحمد آبادی**

أخذ عن الشیخ شھاب الدین أحمد بن حجر الھیتمي و العلامة عبد اللہ بن أحمد الفاکھی، و أخیه عبد القادر ، و العلامة عبد الرؤف بن یحیی، و العلامة محمد بن الخطاب المالکي، و لازم ھؤلاء المذکورین حتی برع في التفسیر و الحدیث (م ۹۹۰ھ) (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الھند من الأعلام: ۴/ ۱۶۵ إلی ۱۷۳)

(۳۱) علامہ قطب الدین نہروالی

گجرات کا علاقہ چوں کہ عرب کے قریب واقع ہوا ہے، بحر عرب اور خلیج عمان کے سوا اور کوئی علاقہ حائل نہیں ہے، اس لئے گجرات کے شہروں میں آمدورفت کثرت سے رہتی تھی، خصوصا اشاعت اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام اور علم پرور سلاطین کے سبب بہت سے عرب خاندان گجرات آکر بس گئے۔

گجرات کے اس خطے میں نہروالا (جو آج کل پٹن کے نام سے مشہور ہے) بھی ہے، ہندوستانی تاریخ کی بعض کتابوں میں اسے انہل واڑہ لکھا گیا ہے، نہروالا کی سرزمین بہت مردم خیز واقع ہوئی، یہاں اکابر علماء مشائخ اور اصحاب طریقت مقیم رہے۔

قطبی خاندان گجرات میں

تقریبا ساتویں صدی ہجری میں عدن کے باشندوں میں سے ایک عالم گجرات آئے، جن کا اسم گرامی محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن عمر بن محمد تھا، انہوں نے نہروالا (موجودہ پٹن) کو اپنا وطن بنایا، پورے علاقہ میں ان کے تقوی اور پرہیزگاری کا شہرہ تھا۔

ان کے بعد ان کے خاندان کے دوسرے افراد بھی ہجرت کر کے گجرات آنے لگے، ان میں سے ایک شخص علاء الدین ابوالعباس احمد بن شمس الدین محمد بن قاضی خان بہاء الدین محمد بن یعقوب بن حسن بن علی بن محمد العدن رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، ان کی ولادت ۸۷۱ھ میں نہروالا میں ہی ہوئی۔

اسی طرح شیخ محمد بن شیخ احمد کی ولادت بھی ہندوستان میں ہوئی اور وہ بھی اپنے والد کی طرح نہروالی سے مشہور ہوئے، ان کی ولادت ۹۱۷ھ میں مقام لاہور میں ہوئی، جیسا کہ انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے۔

ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ یہ حجاز کب گئے، البتہ علامہ سخاویؒ و دیگر مؤرخین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندان نہروالا میں رہا، مگر ان کے خاندان کے بعض افراد مختلف زمانوں میں ہجرت کرتے رہے۔

ولادت ونام ونسب: علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۱۷ھ میں ہوئی۔ علامہ عبدالحی حسنیؒ فرماتے ہیں:

الشیخ العالم محمد بن احمد بن محمد بن محمود الحنفی النهروالی المفتی قطب الدین المکی صاحب الاعلام باعلام بیت الله الحرام ، کان من العلماء المبرزین فی الحدیث والفقه والأصلین والانشاء والشعر ولد بلاهور سنة سبع عشرة وتسع مائة واشتغل علی والده بالعلم الخ۔۔۔ (الإعلام بمن ورد فی تاریخ الهند من الأعلام: ۴/۴۰۴)

صاحب معجم المصنفین بھی ان کا تذکرہ فرماتے ہیں:

محمد بن احمد بن محمد بن محمود النهروالی الهندی المکی الحنفی قطب الدین مؤرخ فقیه مفسر عالم بالعربیة ناظم من تصانیفه البرق الیمانی الاعلام باعلام بیت الله الحرام ، طبقات الحنفیة ومناسک الحج. (معجم المؤلفین عمر رضا کحالة: ۹/ ۱۷، ۱۸)

علامہ خیر الدین زرکلی رحمۃ اللہ علیہ نے سن ولادت کا ذکر نہیں کیا اور سن وفات بھی ۹۸۸ھ لکھی ہے، مگر زیادہ تر تذکرہ نگار ۹۹۰ھ میں وفات لکھتے ہیں۔ (الاعلام لخیر الدین الزرکلی ج: ۲، ص: ۲۳۴)

بعض مصنفین نے ان کی نسبت النہروانی لکھی ہے، حالانکہ صحیح النہروالی ہے، (لام کے ساتھ) نہروان گجرات میں نہیں ہے۔ (معجم البلدان: ج: ۵، ص: ۳۲۴، ۳۲۷) نہروالا جس کو انہل واڑہ کہا جاتا تھا، گجرات ہندوستان میں ہے، جو آج کل پٹن سے مشہور ہے۔

علامہ قطبی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم: ان کے والد کا شمار بڑے حنفی علماء میں ہوتا تھا اور گجرات کی اسلامی حکومت میں سلطان محمود شاہ ۸۶۳ھ-۹۱۶ھ کے دور میں منصب قضاء پر فائز تھے، علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد مکرم سے علم حاصل کیا، نہروالا سفر کرنے سے پہلے انہوں نے فارسی زبان سیکھی اور اس میں اتنی قابلیت پیدا کی کہ فارسی اشعار کہنے لگے اور بعض کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔

ان کے مکہ مکرمہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں ترکی سلطان کا حجاز پر غلبہ ہو چکا تھا، سلطان امیر الحج کی حیثیت سے اپنے بعض نمائندوں کو مکہ مکرمہ بھیجتے تھے اور فوجی قائدین بھی مکہ آتے رہتے تھے، علامہ قطبی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے ساتھ روابط ہونے لگے، تو انہوں نے ترکی زبان بھی سیکھ لی اور اس میں اتنی مہارت پیدا کرلی کہ ترکی زبان میں شعر گوئی اور تصنیف وترجمہ

پر قادر ہو گئے اور ترکی کے دو مرتبہ سفر کرنے کے سبب اس میں مزید پختگی پیدا ہو گئی؛ بلکہ علامہ جب مصر میں بغرض تعلیم مقیم تھے تو وہاں بھی ترکی زبان میں علم کے حصول میں مدد ملی ہو گی، اس لئے کہ اس زمانہ میں مصر میں عثمانی حکومت ہی کا دور تھا۔

ان کی عربی تعلیم کا سلسلہ اس طرح ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی اپنے والد مکرم سے حاصل کیا اور مکہ مکرمہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں پہنچے؛ کیوں کہ ان کی عمر ابھی پندرہ سال سے بھی کم تھی کہ یہ سفر ہوا تھا، مکہ مکرمہ میں بعض مشاہر علماء سے شرف تلمذ حاصل ہوا، مثلاً شیخ محب الدین محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن محمد بن فہد الہاشمی المکی رحمۃ اللہ علیہ، جو مکہ کے مشہور مؤرخ تھے، نیز شیخ محب الدین احمد بن محمد النویری العقیلی رحمۃ اللہ علیہ جو مسجد حرام کے خطیب تھے، ان کے علاوہ دیگر علماء سے بھی استفادہ فرمایا، علاوہ ازیں مؤرخ یمن شیخ عبدالرحمن جو صاحب تصانیف عالم تھے؛ ان کے اساتذہ میں ہے۔

پھر ۹۴۳ھ میں جب کہ آپ کی عمر چھبیس سال کے قریب ہوئی تو طلب علم کے لئے مصر روانہ ہوئے، اس دور میں مصر علماء وفضلاء سے بھرا پڑا تھا اور وہاں بڑے بڑے مشائخ کے چشمۂ فیض جاری تھے، علامہ قطبی کے الفاظ میں **کانت مصر مشحونة بالعلماء العظام مملوئة بالفضلاء الفخام میمونة بیمن برکات المشائخ الکرام کأنها عروس تتهادی بین اقمار و شموس**، مصر بڑے بڑے علماء اور نامور فضلاء سے بھرا ہوا تھا اور بڑے بڑے مشائخ کی برکتوں سے معمور تھا، گویا کہ مصر ایک دلہن تھی، جو چاند اور سورج کے درمیان چل رہی تھی۔

مصر میں انہوں نے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا، ان کے اساتذہ میں شیخ عبدالحق السنباطیؒ، شیخ محمد تونسی، شیخ ناصر الدین اللقانیؒ وغیرہ ہیں اور مشائخ میں شہاب الدین احمد بن موسی بن عبدالغفار المغربی ثم المصری نزیل حرمین شریفین، (ان کے والد سلطان غوری کے دیوان میں ارباب قلم میں تھے) شیخ احمد نے قہوہ کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، الجزیری حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جس کا اختصار بھی کیا تھا۔

شیخ قطبی رحمۃ اللہ علیہ ۹۶۴ھ میں ترکی کے سفر کے درمیان ملک شام سے بھی گزرے ہیں اور وہاں کے مشاہر علماء سے ملاقات کر کے استفادہ کیا، ان میں شیخ الاسلام الغزی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، ان سے پہلے مکہ میں کسب فیض کیا اور پھر شام میں بھی استفادہ کیا، ان کے علاوہ علاء الدین بن عماد الدین اور قاضی کمال الدین الحمزاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بھی فائدہ اٹھایا۔

اس طرح استنبول میں بہت سے ترکی علماء سے ملاقات کر کے استفادہ فرمایا، فارسی، ترکی اور عربی زبانوں میں مہارت اور مختلف ممالک کے مشاہر علماء سے استفادہ کے سبب علامہ قطبی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت میں کافی گہرائی اور ثقافت وسیع ہو گئی تھی اور وہ علم میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کی طرف نظریں اٹھنے لگیں، دینی علوم میں کمال کے سبب ان کو مکہ مکرمہ میں منصب افتاء سپرد ہوا اور بالآخر وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، ان خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے مکہ مکرمہ کی ایک ایسی تاریخ لکھی جو آج ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں جو آپ کی وسعت علم اور گہری معرفت کی شہادت دے رہی ہیں، ترکی زبان کی واقفیت کے سبب اس عہد کے ترکی حکام کے ہاں بھی ان کو بلند

مرتبہ حاصل تھا اور انہوں نے بعض ترکی کتابوں کا عربی ترجمہ بھی کیا، مثلاً ترکوں کے یمن فتح کرنے کی تاریخ عربی میں منتقل کی، یہ کتاب فاتح یمن سنان پاشا نے ان کی خدمت میں پیش کی تھی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عربی ترجمہ کیا؛ بلکہ اس میں مفید معلومات کا اضافہ بھی فرمایا، اسی طرح ترکی وزیر لطفی پاشاؒ نے شرح الفقہ الاکبر کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا، تو علامہ قطبی نے پہلے اس کا عربی ترجمہ کیا اور پھر وزیر موصوف کی خواہش پر اس کو فارسی زبان میں منتقل کیا، وزیر موصوف بہت خوش ہوئے اور شیخ کے ساتھ انعام واحسان کا معاملہ فرمایا۔

ان کے یہ تصنیفی اور تالیفی نقوش ان کے علمی مقام ومرتبہ کا پتہ دے رہے ہیں، نیز شیخ نے ان کتابوں کے ذریعہ اپنے دور کے طلبہ وعلماء اور حکام کی علمی پیاس بجھانے کی کوشش کی ہے۔

بیرونی اسفار: مصر کے اسفار: علامہ قطب الدین نے مصر کے متعدد سفر فرمائے، سب سے پہلا سفر گجرات کے وزیر عمدۃ الملک کے ساتھ ۹۴۴ھ میں ہوا، پھر دوبارہ بغرض تعلیم مصر تشریف لا کر مقیم رہے، اس کے بعد ۹۵۴ھ میں سفر ہوا، پھر رمضان المبارک ۹۶۵ھ میں قسطنطنیہ سے واپسی میں چند روز تشریف لائے اور حاجیوں کے قافلے کے ساتھ ساحلی راستہ سے ۳/ذوالحجۃ الحرام کو مکہ مکرمہ واپسی ہوئی۔

شام کے اسفار: اسی طرح ملک شام کے بھی چند سفر ہوئے، ۹۶۵ھ میں قسطنطنیہ جاتے ہوئے ۱۶/محرم الحرام کو مدینہ منورہ سے عازم سفر ہوئے اور ۱۵/صفر المظفر کو دمشق پہنچے، ۱۲/ربیع الاول تک دمشق میں قیام رہا، اس مدت میں وہاں کے علماء اور مشاہر ادباء سے ملاقاتیں رہیں۔

۱۶/ربیع الاول کو حمص میں وارد ہوئے، دو روز قیام فرما کر علماء، مشائخ وادباء سے ملاقاتیں فرمائیں، پھر وہاں سے حلب کا رخ کیا، وہاں علماء وادباء سے ملے، وہاں ان کا بہت اعزاز واکرام ہوا۔

علامہ قطبی جس شہر میں بھی تشریف لے جاتے وہاں کے علماء وادباء سے ملاقات فرماتے، ان کے ساتھ علمی مذاکرہ ہوتا اور ادباء کے ساتھ شعری نشستیں ہوتیں۔

تالیفات: علامہ قطب الدین نے مذہب، ادب اور تاریخ وغیرہ مختلف موضوعات اور فنون کی کتابیں تالیف فرمائی تھیں، ان میں سے کچھ دستیاب ہیں اور بعض ناپید ہو چکی ہیں، بعض تالیفات اور رسائل تو ان کی زندگی میں ہی آگ میں جل کر خاکستر ہو گئے تھے۔

(۱) الاعلام بأعلام بیت اللہ الحرام.

یہ کتاب مکہ مکرمہ کی تاریخ ہے، اس کے اخیری صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سلطان مراد بن سلیم کے زمانہ میں لکھی گئی ہے، (۹۸۲-۱۰۰۳ھ) اگرچہ کتاب مکہ مکرمہ کی تاریخ ہے، مگر اخیری قسم میں سلاطین عثمانیہ کی مفصل تاریخ ابتداء سے سلطان مراد تک لکھ دی گئی ہے۔

(۲) البرق الیمانی فی الفتح العثمانی.

(۳) تاریخ مرتب علی سنین.

(۴) تذکرۃ النہروالی.

اس کتاب کے بارے میں سید محمد بن عبداللہ حسنی معروف بکبریت نے اشارہ فرمایا ہے ''ولہ تذکرۃ جامعۃ''۔ مقدمین کے نزدیک ''تذکرہ'' وہ کتاب ہوتی تھی، جس میں کوئی عالم اہم اور ضروری باتیں لکھ دیتے تھے، جس کو ضرورت کے وقت دیکھا جائے اور اس کی طرف رجوع ہوسکے۔

علامہ قطب الدین کا تذکرہ ان کے قلم سے لکھا ہوا موجود ہے، اس تذکرہ میں ان کے مدینہ منورہ کے متعدد سفر، استنبول کا سفر وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے، اس کے علاوہ اس میں بہت سے تاریخی واقعات اور ان کے عربی فارسی قصائد، نیز دیگر شعراء کے اچھے قصائد جمع کر دیئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے پاس ایک بڑا دفتر تھا، جس میں وقتاً فوقتاً نوادرات ومعلومات بغیر ترتیب کے لکھتے تھے۔

(۵) التمثیل والمحاضرۃ بالابیات المفردۃ النادرۃ.

یہ ادب کی کتاب ہے، خطیب اور مقرر کو جن ابیات کی ضرورت پیش آتی ہے اور علمی مجالس میں جن اشعار سے استشہاد کیا جاتا ہے، ایسے اشعار عرب شعراء کے دیوانوں سے منتخب کرکے جمع کر دیئے ہیں، اس کتاب کا نام ''تمثال الامثال النادرۃ'' بھی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۰۶۳ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کے حاشیہ پر بعض تعلیقات ہیں، دارالکتاب المصریہ میں موجود ہے۔

(۶) الجامع لکتب السنۃ الستۃ فی الحدیث.

علامہ شریف ابومحمد مصطفی بن سنان بن احمد ہاشمی، جو حنابی سے مشہور ہیں؛ انہوں نے اپنی کتاب تاریخ الحنابی میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۷) زیادات علی دستور الاعلام.

اصل کتاب ابن عزم کی ہے، جس میں علامہ قطب الدین نے کچھ اضافے کئے ہیں، اس کا ایک نسخہ حرم مکی کے مکتبہ میں اور دوسرا استنبول میں موجود ہے۔

(۸) طبقات الحنفیۃ.

علامہ نے حنفی علماء کے حالات میں یہ کتاب لکھی تھی، یہ کتاب آگ میں جل گئی، جیسا کہ مصنف ''الکواکب السائرۃ'' نے لکھا ہے، تاریخ الحنابی میں لکھا ہے کہ یہ کتاب چار جلدوں میں تھی۔

(۹) الفتوحات العثمانیۃ للأقطار الیمانیۃ.

ترکی سلطنت نے یمن کی فتح کے لئے جو فوج کشی کی تھی اس کا تذکرہ علامہ نے اس کتاب میں کیا ہے، اس کو لکھ کر سلطان سلیم خان کی خدمت میں پیش کی تھی، پھر اس کا نام تبدیل کر کے **البرق الیمانی في الفتح العثماني** رکھ دیا، اس کتاب کا عمدہ نسخہ ۹۷۶ھ کا مصنف کی حیات میں لکھا ہوا ''ویانا'' کی پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

(۱۰) الفوائد السنیة فی رحلة المدینة والرومیة.

یہ کتاب علامہ کی اہم تالیفات میں شمار کی جاتی ہے، اس میں مختلف ومتنوع معلومات ہے اور علم ومعرفت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، مختلف شہروں اور مقامات کا تذکرہ اور مؤلف کے مشاہدات درج ہیں، اسی طرح مختلف شہروں کے علماء، ادباء اور ان کے آثار کا تذکرہ کیا گیا ہے، ۹۶۵ھ کے ترکی کے سفر کے دوران یہ کتاب لکھی گئی ہے، ایک صفحہ میں تقریباً ۳۵ رسطریں باریک فارسی رسم الخط میں ہے اور نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

(۱۱) کنز الذکاء فی فن العمی.

یہ بھی ادبی کتاب ہے، اس کتاب کے نسخے اسکوریال، برلن اور جامعة الحکمہ بغداد (عراق) کے کتب خانہ میں ہے۔

(۱۲) معیار المریدین.

اس کتاب کا ایک نسخہ مکتبہ الفاتح استنبول میں ہے، یہ کتاب ۴۵ رصفحات میں ہے، ہر صفحہ ۱۵ رسطروں پر مشتمل ہے اور بہترین خط نسخ میں موجود ہے۔

(۱۳) مناسک الحج.

علامہ نے مناسک حج کے موضوع پر یہ کتاب تالیف فرمائی ہے، ان کے علاوہ ان کی دیگر تالیفات عربی اور فارسی زبان میں ہے۔

وفات: عبدالملک عصامی، جو مکہ مکرمہ کے مؤرخ ہیں اور دیگر مؤرخین نے آپ کی تاریخ وفات بروز ہفتہ بوقت اذان فجر بتاریخ ۲۶ رربیع الثانی ۹۹۰ھ لکھی ہے، بعض مکی فضلاء نے **قدمات قطب الدین اجل علماء مکه** سے نکالی ہے، جس سے ایک سال زائد معلوم ہوتا ہے، اس لئے بعض لوگوں نے سن وفات ۹۹۱ھ شمار کیا ہے۔ (علامہ قطب الدین نہروالی، مختصر حالات وخدمات: ص: ۵-۲۴، ط: مجلس معارف کاپودرا)

(۳۲) شیخ محمد بن احمد الفاکہی

وسیع علم لے کر گجرات میں آنے والے شیخ فاکہی کی شخصیت بھی نمایاں ہے۔

نام ونسب اور ولادت: آپ کا اسم گرامی ونسب اس طرح ہے: **محمد بن احمد بن علی حنبلی فاکہی مکی ابوالسعادات گجراتی**، آپ کا سن ولادت ۹۲۳ھ ہے۔

حصول علم اور اساتذہ: آپ کو تمام علوم میں مہارت حاصل تھی اور چاروں مسالک کا علم رکھتے تھے، علامہ ابوالحسن

بکری، شیخ الاسلام ابن حجر ہیتمی اور شیخ محمد الخطاب آپ کے شیوخ ہیں، ان کے علاوہ مکہ، حضرموت اور زبید کے علماء سے بھی حصول علم کیا، کہتے ہیں کہ آپ کو اجازت دینے والے اساتذہ کی تعداد ۹۰/ سے بھی اوپر ہیں۔

الاربعین للنووی، عقائد نسفی، فقہ حنبلی کی المقنع، اصول فقہ کی جمع الجوامع، الفیہ ابن مالک نحو میں، تلخیص المفتاح معانی و بیان میں، قرأت میں شاطبیہ، سیر میں ابن سید الناس کی نور العیون از بر تھیں، قرآن مجید سبع قرأت سے حفظ کیا تھا، نظم و نثر دونوں میں آپ کو مہارت تھی۔

تصانیف: کئی ایک مفید رسالے آپ نے نظم و نثر میں لکھے، انہیں میں سے ایک رسالہ آیت الکرسی پر لکھا جو بہت ہی مفید ہے، اس کے علاوہ فقہ شافعی میں نور الابصار شرح مختصر الانوار، ایک رسالہ لغت میں اور ایک جلیل القدر کتاب جو سلاطین میں سے کسی سے منسوب ہے، اپنے زمانہ میں مذکورہ کتابوں کو بڑی پزیرائی حاصل ہوئی۔

اوصاف حمیدہ: طبیعت میں سخاوت اور فیاضی تھی، چنانچہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم نے ان سے زیادہ سخی نہیں دیکھا، کسی کا قول ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ وارد ہندوستان ہونے والے اشراف عرب میں ہر ایک پر ان کا کچھ نہ کچھ احسان ہے، ان کی عادت تھی کہ روپیہ پیسہ اپنے پاس روکے نہ رکھتے تھے، اس لئے قرض لینے کی نوبت آتی تھی، مزاج میں گرمی تھی، اپنے اصحاب کے ساتھ اتنی تواضع سے پیش آتے تھے کہ خوشامد کی حد کو پہنچتی تھی، سادات آل باعلوی سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے، ان حضرات سے ملاقات کی غرض سے حضرموت کا سفر کیا اور ان کے اکابر سے ملاقات کر کے حصول برکت کیا، ان سے یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا کہ اللہ سے انس نور کامل ہے اور لوگوں سے انس سم قاتل ہے۔

گجرات میں آپ کی آمد: آپ کی گجرات میں ۲/ مرتبہ تشریف آوری ہوئی، پہلی مرتبہ آپ کی آمد ہوئی تو ایک طویل مدت تک مقیم رہے، لیکن یہ تشریف آوری کب ہوئی، اس کا تذکرہ نہیں ملتا، البتہ ۹۵۷ھ سے پہلے آئے تھے اور پھر ۹۵۷ھ میں اپنے وطن مکہ مکرمہ لوٹ گئے۔

اسی سال آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، پھر مدینۃ المنورہ پہنچ کر زیارت سے مشرف ہوئے، پھر اس کے بعد والے سال دوسرا حج کیا۔

۹۶۰ھ میں یہاں تشریف لائے اور تاحین حیات گجرات ہی میں رہے اور احمد آباد ٹھہرے پھر ۹۶۳ھ میں سورت چلے گئے اور محبوب حسین عباسی کے بقول وفات تک وہیں رہے۔

وفات: آپ کی وفات ۲۱/ جمادی الاولیٰ بروز جمعہ ۹۹۲ھ میں ہوئی، صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول وفات احمد آباد میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۵۲-۲۵۴، النور السافر: ۳۰۹، ۳۱۰، گجرات کے علماء حدیث وتفسیر: ص: ۳۲، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں: ۳۱۳)

✻ الشيخ محمد بن أحمد الفاكهي الحنبلي المكي (م ۹۹۲)

الشيخ الفاضل العلامة محمد بن أحمد بن على الحنبلي الفاكهي المكي أبو السعادات الغجراتي كان من كبار العلماء، ذكره عبد القادر الحضرمي في النور السافر قال: إنه ولد ۹۲۳ھ وكانت له اليد الطولى فى جميع العلوم وإنه قرأ فى المذاهب الأربعة، ومن شيوخه الشيخ الكبير المحقق العلامة أبو الحسن البكرى وشيخ الإسلام ابن حجر الهيتمى والشيخ محمد بن الخطاب فى آخرين من أهل مكة وحضر موت وزبيد يكثر عددهم ويقال: إن الذين أخذ عنهم يزيدون عن التسعين وأجازوه، ومقروآته كثيرة جداً لا تنحصر دخل الهند وأقام بها مدة مديدة ثم رجع إلى وطنه مكة المشرفة ۹۵۷ھ وعاد إلى الهند سنة ۹۶۰ھ فأقام بها إلى أن توفى رحمه الله.

توفى بمدينة أحمد آباد غجرات ۹۹۲ھ فدفن بها، وصاحبه الشيخ الفاضل عبد اللطيف الدبير مدحه بقصيدة منها قوله:

يا علامة الدنيا ويا عالم غدا — يقصر عن غاياته في العلا البدر
ومن لاح مثل الصبح فضل كماله — فضاء به الأقطار وافتخر العصر
ويا أيها البحر الخضم لعلمه — وبالرفق للطلاب يا أيها البر
وفاكهة الدنيا ينهاه ذا إلهنا — وجمع علوم فاح من طيبها النشر
أب لسعادات و أصل محامد — فمن أمه بالنجح آل كذا اليسر
تباهت له غجرات لما ثوى بها — فإن فخرت يوما يحق لها الفخر

(الإعلام بمن ورد فى تاريخ الهند من الأعلام: ۲۵۲/۴ إلى ۲۵۴)

عرب سے گجرات میں تشریف لاکر لوگوں کی علمی پیاس بجھانے اور نور اصلاح وہدایت کو جلا بخشنے والوں میں سے ایک شہاب الدین احمد مصری ہیں، یہ دسویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔

(۳۴) شیخ شہاب الدین احمد بن بدر الدین مصری

نام ونسب اور ولادت: آپ کا نام: احمد بن بدر الدین عباسی مصری، لقب: شہاب الدین اور مسلکاً شافعی ہیں، ۹۰۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔

حصول علم اور اساتذہ: جب حصول علم کی عمر کو پہنچ گئے تو اپنے زمانہ کے علماء وشیوخ سے اخذ علم کیا، ان میں سے شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ برہان الدین بن ابوشریف، شیخ نور الدین مکی، شیخ کمال الدین طویل، شیخ زین الدین غزی اور شیخ نور الدین ملتجی ہیں؛ نیز آپ نے ۹۶۳ھ میں شیخ ابو العباس طبندا وی بکری سے زبید میں اخذ علم کیا۔

فقہ میں نووی کی منہاج، قرأت میں شاطبیہ، حدیث میں مقدسی کی العمدہ حفظ کی تھیں، اس کے علاوہ اربعین نووی، الاجرومیہ (فی النحو) اور مختصر ابوشجاع یاد تھیں۔

آپ صاحب تصانیف تھے،شاہان گجرات کے نام پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں،علم حرف وفلکیات اور میقات میں ید طولی حاصل تھا۔

اوصاف: نہایت ہی متقی و پرہیز گار تھے،لوگوں سے بہت کم اختلاط اور میل جول رکھتے تھے،کتاب وسنت کومضبوطی سے تھامنے والے اور سلف صالحین کے طریقہ پر گامزن تھے۔

وفات: ۴؍صفر المظفر کی شب کوعلامہ کا احمد آباد میں انتقال ہوا، بوقت وفات عمرقریب ۹۰؍سال تھی ،اپنے شاگرد اور رفیق محمد بن عبدالرحیم عمودی کے مزار کے قریب تربت العرب میں دفن کئے گئے،استاذ شاگرد میں بیحد محبت تھی گویا ایک جان دو قالب تھے۔(النور السافر:ص:۳۰۸،نزہۃ الخواطر:ج:۴،ص:۱۶،۱۷،یادایام:۷۴)

شیخ احمد مصری کی وفات احمد آباد میں ہوئی،اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے آخری عمر گجرات میں ہی گزاری،ان کی گجرات آمد کب ہوئی؟ان سے کن حضرات نے کسب فیض کیا،اس پر سوانح نگار حضرات نے روشنی نہیں ڈالی ہے،لیکن ۹؍۱۰ویں صدی میں گجرات میں علم بام عروج پر تھااور گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھااور علوم وفنون وخدمات حدیث میں وہ شیراز ویمن کا مماثل بن چکا تھا،اس لئے یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سے متعدد حضرات نے کسب فیض اوراخذ علم کیا ہوگا۔

*** الشيخ العالم المحدث شهاب الدين أحمد بن بدر الدين المصری (م ۹۹۲ھ)**

الشيخ العالم المحدث شهاب الدين أحمد بن بدر الدين العباسي الشافعي المصری ثم الغجراتی أحد العلماء العاملين وعباد الله الصالحين، ذكره عبد القادر الحضرمی فی النور السافر قال: وكان مولده سنة ۹۰۳ھ بمصر واشتغل بالعلم وأخذ عن شيوخ عصره، منهم شيخ الإسلام زين الدين زكريا الأنصاری، والشيخ العلامة برهان الدين بن أبي شريف، والشيخ الإمام نور الدين المكي، والشيخ كمال الدين الطويل، والشيخ زين الدين الغزّی، والشيخ نور الدين الملتجي، واجتمع بشيخ الإسلام أبی العباس الطنبداوی البكری بزبيد سنة ۹۳۶ھ وأخذ عنه، دخل الهند وأقام بمدينة أحمد آباد، توفی ليلة الجمعة لأربع خلون من رمضان سنة ۹۹۲ھ بمدينة أحمد آباد فدفن بها. (الإعلام بمن ورد فی تاريخ الهند من الأعلام: ۴/۱۹،۱۸)

(۳۴) مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوریؒ

(وفات:۹۹۱ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۵۸۳ء)

عالم کبیر عبداللہ ابن شمس الدین انصاری سلطان پوری مشہور بہ مخدوم الملک کا وطن ٹھٹھ صوبہ سندھ ہے، جہاں سے ان کے دادا نے ترک اقامت کے بعد جالندھر میں اقامت ڈالی،شیخ عبداللہ کا مولد سلطان پور صوبہ پنجاب ہے۔

سلطان پور ہمایوں نے آپ کوشیخ الاسلام کی سند پر فائز فرمایا،سلطان ہمایوں کے بعد سلطان اکبر نے بھی آپ کے لئے یہ منصب برقرار رکھا،سلطان شیر شاہ نے آپ کوصدرالاسلام کا خطاب دیا تھا،اکبر نے مخدوم الملک کا خطاب دیا اور

آپ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ پیش کرتا، کئی سال تک یہی سلسلہ رہا۔

پھر جب مبارک ابن خضر ناگوری نے اکبر کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ آپ تو خود مجتہد ہیں، آپ کو کسی صدر اور قاضی کی تقلید ضروری نہیں، تو اکبر نے مخدوم الملک کو حجاز روانہ کردیا، شیخ عبداللہ جب مکہ مکرمہ کے سرائے میں داخل ہوئے تو شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی آپ کی تعظیم کے لئے آگے بڑھے، حجاز سے واپسی ۱۵۸۲ء ۹۹۰ھ میں آپ احمد آباد پہنچے۔

بدایونی لکھتے ہیں کہ آپ فقہ، تاریخ، حدیث بلکہ جملہ علوم نقلیہ میں تبحر اور اہل بدعت خصوصاً شیعیت کے خلاف شدید متعصب تھے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: کشف الغمہ، منہاج الدین، عصمت الانبیاء، شرح العقیدہ الحافظیہ، رسالہ فی تفضیل العقل علی العلم، فقہ میں رسالہ فی الصباح، شرحُ شرحِ الجامی، شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۹۹۱ھ میں احمد آباد میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ کا علمی پایہ: مقالات شیرانی میں ہے کہ آپ عہد اکبری کے مشہور عالم ہیں، انہوں نے دہلی میں مولانا ابراہیم بن معین حسینی ایرجی سے حدیث پڑھی تھی، شیخ مبارک جیسے ملاحدہ کے زیر اثر اکبر نے ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء میں انہیں حرمین بھیج دیا، تو وہاں کے علماء نے -- جن میں ابن حجر ہیتمی بھی شامل تھے -- ان کا بڑی عزت واحترام کے ساتھ استقبال کیا، بدایونی نے لکھا ہے کہ یہ فقہ، اصول، حدیث وغیرہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے سردار شمار ہوتے تھے۔

(دربار اکبری: ص: ۳۱۸، گلزار ابرار: ص: ۴۹۵، نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۳۴)

(۳۵) مولانا شیخ رحمت اللہ سندھیؒ

(وفات: ۹۹۴ھ مطابق ۱۵۸۶ء)

شیخ عالم کبیر، محدث رحمت اللہ ابن قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری، سندھی، مہاجر مدنی دربیلہ سندھ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد قاضی عبداللہ سندھی سندھ سے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو چند دنوں تک احمد آباد میں قیام کیا، اسی زمانہ میں حضرت شیخ علی متقی گجرات میں مقیم تھے، اور حجاز مقدس کے لئے پا بہ رکاب تھے، قاضی صاحب نے شیخ کی صحبت اختیار کرلی، اس سفر میں قاضی رحمت اللہ بھی ساتھ تھے۔

شیخ رحمت اللہ نے سفر سے واپسی پر ۹۷۷ھ میں بعض مجبوریوں کی بناء پر احمد آباد میں قیام فرمالیا، اور کئی سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے، آخر عمر میں مریض ہوئے اور اسی حالت میں دوبارہ حجاز روانہ ہوگئے، مکہ معظّمہ پہنچ کر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۹۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ رحمت اللہ نے مناسک حج میں دو رسالے لکھے اور ان میں سے جو اہم اور ضخیم ہے اس کا نام ''**جمع المناسک ونفع الناسک**'' ہے، جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمدللہ الذی اکمل الحمد علی ماھدانا الاسلام.

اس کتاب کی شرح نورالدین علی بن سلطان محمد قادری ہروی نے ۱۰۱۲ھ میں کی ، اوراس کا نام ''**المسک المقسط فی النسک المتوسط**'' رکھا۔

دوسری تصنیف ''**لباب المناسک**'' ہے، اس کی شرح ملاعلی قاریؒ نے لکھی ہے، جس کا نام ''**المسلک**'' ہے، اس کا تذکرہ چلپی نے کشف الظنون میں کیا ہے، شیخ علی بن محمد الخطیب کی مشہور کتاب '' **تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ**'' کی تلخیص بھی موصوف نے کی ہے۔

شیخ رحمت اللہ سندھی کی تصنیف: **مجمع المناسک و نفع الناسک** (قاہرہ ۳/ ۲۷۰،سلیمانیہ) کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، اس کتاب میں انہوں نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ فقہ حنفی کی رو سے فریضۂ حج کے احکام اور مسائل بیان کئے ہیں، اس کتاب کی تصنیف سے وہ ۲۲ر صفر المظفر ۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۳ء میں فارغ ہوئے۔

اپنی کتاب کی اہمیت اور موضوع کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

لما کان الحج من اعظم الطاعات، تکثرت فی بابہ المصنفات، غیر ان منہا ما یمل و منہا ما یخل، وقد قصرت الھمم عن المطولات فھدانی ذلک ان اجمع کتابا وسطا ناقلا من الکتب المعتبرۃ المعتمدۃ.

چوں کہ حج بڑی عبادات میں سے ایک ہے، اوراس کے بارے میں بہت سی کتابیں موجود ہیں، لیکن ان کتابوں میں بعض ملال اور خلل سے خالی نہیں، پھر طویل کتابوں سے لوگوں کی ہمتیں بھی قاصر ہوگئی ہیں، سو اسی بات نے مجھے آمادہ کیا کہ ایک درمیانہ حجم کی ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں حج کے متعلق تمام معتبر اور معتمد علیہ کتابوں کا مواد نقل کر دیا جائے۔

تیسری کتاب: **لباب المناسک و عباب المسالک**'' (معجم مخطوطات بانکی پور،۱۷۶، آصفیہ:۱/ ۱۱۰۲، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ:۳۰۰)

آپ گجرات میں اخیر عمر میں بیمار رہنے لگے، اس لئے مکہ معظّمہ چلے گئے، اور ۹۹۴ھ ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۵ء۱۵۸۶ء میں مکہ معظّمہ میں انتقال فرمایا۔ (النور السافر:۴۳۹، طبقات کبری:۲/ ۵۰۶)

*** الشیخ رحمۃ اللہ السندی (م سنۃ ۹۲۴ھ)**

الشیخ الکبیر العالم المحدث رحمۃ اللہ بن عبد اللہ بن إبراھیم العمری السندی المھاجر إلی المدینۃ المنورۃ، ولد بـ دربیلہ من أعمال السند و نشأ بھا علی فضل عظیم، و رحل إلی غجرات مع أبیہ، ثم سافر إلی الحرمین الشریفین و أخذ الحدیث عن الشیخ علی بن محمد بن غریق الخطیب المدنی صاحب تنزیہ الشریعۃ، وعن غیرہ من أئمۃ الحدیث، ثم عاد إلی الھند و معہ الشیخ عبد اللہ سعد اللہ السندی، فأقام

بغجرات و كانت له كالوطن لطول اللبث و امتداد الإقامة بها قبل الرحلة إلى المشعر الحرام، فدرس بها أعواماً و أخذ عنه خلق لا يحصون بحد و عد إلخ. (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۱۰۲/۴، ۱۰۱)

(۳۶) سید غضنفر بن جعفر نہروالی

(م ۱۵۹۱)

گجرات میں نہروالہ پٹن کے باشندے سید غضنفر بن جعفر بھی اپنے ہم عصر مفتی بہاء الدین عبد الکریم کی طرح یہاں سے ہجرت کر کے حجاز میں بس گئے تھے۔ آپ نے مکہ میں میر کلاں محدث اکبرآبادی جیسے جید عالم حدیث سے مشکاۃ المصابیح کا درس لیا تھا۔ ملا علی قاری اس درس میں آپ کے ہم جماعت تھے۔ سید غضنفر نے تعلیم سے فراغت کے بعد مکہ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی تھی۔ وہاں کے آپ کے تلامذہ میں شیخ احمد شہناوی، مفتی حرم شیخ عبد الرحمن اور شیخ عبد القادر المکی کا شمار ہوتا ہے۔

(۳۷) شیخ ابراہیم سرہندی

آپ نے ابتدائی تعلیم مفتی ابو الفتح بن عبد الغفور تھانیسری اور دیگر علماء سے حاصل کی تھی، اس کے بعد حرمین کا سفر کیا، حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی کی کتب حدیث سے فیضیاب ہوئے، جب ہندوستان تشریف لائے تو اکبر نے آپ کو گجرات کا والی بنا کر بھیجا (نزہۃ الخواطر: ۴/۴) قیاس کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی اس دیار میں علم حدیث کی اشاعت کی ہوگی، اپنی گورنری کے دور میں رشوت کے الزام میں ۹۹۳ھ میں قلعہ سے گرا کر قتل کر دیے گئے۔

(۳۸) ملک محمود بن پیارو گجراتیؒ

(م ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۲ء)

گجرات کے علم دوست بادشاہ تھے، آپ کے والد ماجد برہان پور میں وزیر تھے۔ كان جيد المشاركة في الفقه و الحديث. احمد آباد میں مدفون ہیں۔ (نزہۃ الخواطر: ۳۳۵/۴)

(۳۹) شیخ عبد الوہاب متقی قدس سرہ

(متوفی ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۹۲ء)

عبد الوہاب نام تھا، متقی لقب، والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا، اصل وطن مانڈو تھا، ان کے والد ہندوستان کے اکابر صوفیاء صلحاء سے تھے، نیز مانڈو کے امراء میں سے تھے، ترک وطن کر کے برہان پور آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ عبد الوہاب نے ابتدائی تعلیم برہان پور میں حاصل کی، بیس سال کی عمر میں سیاست اختیار کی، گجرات احمد آباد، سیلون ہوتے ہوئے مکہ معظّمہ پہونچے، اور شیخ علی متقی کی خدمت میں بارہ سال رہ کر علوم و معرفت کا وافر حصہ حاصل کیا، چوں کہ آپ خوش نویس تھے، اس لئے شیخ علی متقی نے آپ سے اپنی تمام تصنیفات لکھوائیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں ان کے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہوں گے، وہ ایک زندہ قاموس تھے، سب کچھ انہیں یاد تھا، فقہ، حدیث کا بھی یہی حال تھا، اور صرف ونحو اور ادب بھی کفایت سے زیادہ جانتے تھے، برسوں تک حرم شریف میں ان علوم کا درس دیا۔ (اخبار الاخیار:۲۶۵)

شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان کے ان عدیم المثال علماء حدیث وفقہ میں سے تھے، جنہوں نے مکہ مکرمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، اور اپنے تبحر علمی کا سکہ اہل حجاز ویمن، مصر وشام سے منوایا تھا۔

(۴۰) شیخ بہلول دہلوی

آپ کا نام بہلول اور آپ کے والد کا نام کبیر تھا، آپ اصلا شکار پور کے رہنے والے تھے، بعد میں دہلی منتقل ہو گئے اور مفتی جلال الدین دہلوی سے علم حاصل کیا، پھر گجرات کا سفر کر کے شیخ عبداللہ بن سعداللہ اور شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ سے علم حدیث حاصل کیا، ان حضرات سے علم حدیث حاصل کرتے ہوئے آپ نے ایک طویل عرصہ گجرات میں گزارا اس کے بعد پھر آپ دہلی منتقل ہو گئے اور درس وتدریس کے ذریعہ اپنا فیض جاری کرتے رہے۔

شیخ کو تفسیر وحدیث اور فقہ میں غیر معمولی دسترس حاصل تھی، تاہم حدیث سے آپ کا اشتعال زیادہ تھا، چنانچہ نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے:

إنه جد في الاشتغال بالحديث و مهر و أدرك الكبار من أهل الفقر و الغناء و ذاق حلاوة المعرفة ، و وفق للاستقامة، وهو مكب على الاستقامة و الإفاضة منذ مدة طويلة لا يلتفت إلى الدنيا .

(نزہۃ الخواطر:۵/۹۵، بحوالہ منتخب التواریخ)

آپ نے علم حدیث میں خوب محنت کی اور مہارت حاصل کی، اہل فقر وغنا کی صحبت پائی اور معرفۃ الٰہی سے لطف اندوز ہو کر راہ سلوک میں مستقیم رہے، مدت طویلہ دنیا سے بے رغبت ہو کر فیض جاری کرتے رہے۔

۱۴/رجب ۱۰۰۷ھ میں دہلی میں آپ نے وفات پائی۔

(۴۱) شیخ ضیاءاللہ اکبرآبادی

محدث ضیاءاللہ بن محمد غوث شطاری گوالیری نے تحصیل علم کے لیے بچپن ہی میں گجرات کا سفر کیا اور شیخ وجیہ الدین سے علم حاصل کیا پھر علم حدیث کے لیے شیخ طاہر پٹنی کی شاگردی اختیار کی اور دس سال تک شیخ سے علم حدیث حاصل کرتے رہے۔

۹۷۰ھ میں اپنے والد کے انتقال کے بعد آپ گوالیر چلے گئے اور وہاں ۳۵/ سال درس وتدریس میں گزارے تفسیر وحدیث کے دقائق میں آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی، آپ کے علم کی وجہ سے امراء بھی آپ کی بڑی خاطر تواضع کرتے تھے، ۳۰/ رمضان ۱۰۰۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر:۵/۱۷۸)

* الشيخ ضياء الله الأكبر آبادي المحدث (م ۱۰۰۵ هـ)

الشيخ العالم الفقيه المحدث ضياء الله بن محمد غوث الشطاري الكواليرى كان من ذرية الشيخ فريد الدين العطار صاحب تذكرة الأولياء، سافر في صغر سنه إلى غجرات وقرأ العلم على الشيخ وجيه الدين العلوى الغجراتي، وأخذ الحديث عن الشيخ محمد بن طاهر بن على الفتنى الغجراتى ولازمه عشر سنين، كان شيخاً وقوراً عظيم الهمة عارفاً بدقائق التصوف والتفسير والحديث وأقوال المشايخ، حلو الكلام يدرس في علوم عديدة، حصل له القبول التام. إلخ. (الإعلام بمن ورد فى تاريخ الهند من الأعلام: ۱۹۹/۵ إلى ۲۰۱)

(۴۲) شیخ طاہر بن یوسف سندھی

محدث طاہر بن یوسف بن رکن الدین بن معروف بن شہاب سندھی کی ولادت گجرات میں ”کچھ“ کے قریب شہر ”پتری“ میں ہوئی، آپ صغرسنی سے ہی شیخ شہاب الدین کے پاس آکر علم حاصل کرتے رہے اور ”منہاج العابدین للغزالی“ کا درس لیا، آپ ان سے منطق بھی پڑھنا چاہتے تھے، لیکن شیخ نے انکار کر دیا، ۹۵۰ھ میں آپ احمد آباد تشریف لائے اور شیخ عبدالاول حسینی سے درس حدیث حاصل کیا، اس کے بعد آپ تصوف کی طرف مائل ہوئے اور مشہور بزرگ، عارف باللہ حضرت غوث گوالیاری کے حلقہ تصوف میں شامل ہوگئے، پھر مولانا طیب سندھی کے ساتھ برہان پور چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

آپ کی بیش قیمت تصانیف میں سے چند یہ ہیں:

* تلخیص شرح اسماء رجال البخاری للکرمانی
* ملتقط جمع الجوامع (یہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کا انتخاب ہے)

(الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، باب مصنفات اہل الہند فی الحدیث از عبدالحی حسنیؒ)

* ریاض الصالحین: یہ کتاب تین روضات پر مشتمل ہے روضۂ اول مستند احادیث کا انتخاب روضہ ثانی: مقالات صوفیاء، روضہ ثالث: ملفوظات اہل توحید۔
* مجمع البحرین في تفسیر القرآن الکریم: اس کتاب میں صوفیانہ طرز پر قرآن کریم کی تفسیر کی گئی ہے۔
* شرح البخاری: یہ کتاب قسطلانی کی ”ارشاد الساری فی شرح البخاری“ پر مبنی ہے۔

۱۰۰۴ھ ۱۵۹۵ء میں آپ نے وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۱۸۹/۵۔ ۱۹۳، علم حدیث میں برعظیم ہندو پاک کا حصہ: ۱۶۲/۱)

(۴۳) شیخ تاج الدین گجراتیؒ

شیخ تاج الدین بن اسماعیل بن محمود بن ابراہیم قادری پٹنی کے سن ولادت اور تعلیم و تعلم کے متعلق مفصل حالات تو معلوم نہیں ہو سکے، البتہ مولانا عبدالحی حسنی آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”أحد العلماء المعززين في الفقه والحديث“

فقہ وحدیث کے ماہر علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔(نزہۃ الخواطر:۵/۱۰۰)

نیز لکھتے ہیں:

''ان شیخا صالحا معمرا محدثا یحفظ الصحاح الستة''

آپ عمر دراز نیک صفت بزرگ تھے، آپ کو صحاح ستہ بھی یاد تھی۔(نزہۃ الخواطر:۵/۱۰۰)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ کو علم حدیث میں غیر معمولی صلاحیت حاصل تھی، علم حدیث کے ساتھ دلچسپی اور اس گہری وابستگی کے باوجود آپ نے گجرات میں نشر حدیث کے لیے کوئی کوشش نہ کی ہو یہ بعید از قیاس ہے؛ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں:

''كان له أربعة أبناء، جمال، أحمد، إسحاق، إبراهيم قام مقامه أصغرهم إبراهيم فتني''

آپ کے چار بیٹے تھے، جمال، احمد، اسحاق، ابراہیم ان میں سے چھوٹے بیٹے ابراہیم پٹنی نے آپ کی نیابت کی۔

(نزہۃ الخواطر:۵/۱۰۰)

۱۱/ جمادی الاولی ۱۰۰۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔

(۴۴) شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوریؒ

محمد بن فضل اللہ بن صدرالدین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خاندان سے ہیں، گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی، مکۃ المکرمہ کا سفر کر کے شیخ علی متقیؒ کے پاس رہ کر ۱۲ سال تک مستفیض ہوتے رہے، پھر احمد آباد کا سفر کر کے علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے مکتب حدیث سے ۱۲ سال علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد برہانپور جا کر تدریس وافادہ میں مشغول ہو گئے۔

آپ بڑے متورع، زاہد اور متقی تھے، ہندوستان کے مشہور علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ پر خشیت الٰہی کا غلبہ ہوتا ہر روز دن کے آخر میں اپنا محاسبہ کرتے۔

آپ کی چند تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) الوسیلۃ الی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کتاب میں آپ نے قاضی عیاض کی کتاب ''الشفاء'' اور امام ترمذی کی ''کتاب الشمائل'' کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

(۲) شرح اللوائح للجامی

(۳) رسالۃ في المعراج

۲/ رمضان بروز پیر ۱۰۲۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔(نزہۃ الخواطر:۵/۳۶۲)

(۴۵) شیخ کمال محمد عباسیؒ (شیخ وجیہ الدین علوی کے خلیفہ)

(۱۲/شعبان ۱۰۱۳ھ یکم جنوری ۱۶۰۵ء)

آپ کی ولادت احمد آباد گجرات میں ہوئی، شیخ وجیہ الدین احمد علوی کے شاگرد اور خلیفہ ہیں، عالم، عارف، عابد، حافظ اور محدث تھے، حدیث کی سند شیخ عبدالمالک بنبانی سے حاصل کی تھی، ۹۸۲ھ میں وطن سے خاندیس کے راستہ اجین مالوہ میں آئے تھے، یہیں گھر تجویز کرلیا، اور شیخ اولیاء کالپوری کی صاحبزادی سے نکاح ہوا، فتوی نویسی کا منصب ملا، کامل ۳۰/سال اس مقام پر شرعی اور حکمی علوم کا درس دیا، رات دن کی تقسیم آپ نے اس طرح پر کررکھی تھی کہ رات کا ایک ثلث حصہ باقی رہتا تھا تو آپ اٹھ کر غسل کرتے تھے، اور نماز تہجد کے اندر کبھی تو ۶/اور کبھی ۷/پارے قرآن کے پڑھتے تھے، یہاں تک کہ سفیدی نمودار ہوجاتی تھی، پھر دعاؤں اور ذکر جہری سے فارغ ہوکر نماز صبح ادا فرماتے تھے، پھر اشراق تک تلاوت کرتے اور اشراق پڑھنے کے بعد سے زوال تک برابر درس دیتے رہتے تھے، پھر اہل سبق کے ساتھ کھانا کھاتے، پھر ایک گھڑی کے انداز سے قیلولہ کرکے نماز ظہر کے لئے اٹھ جاتے، نماز ظہر کے بعد نماز عصر تک لوگوں کی مشکلات، فتوی نویسی سے حل کیا کرتے تھے، پھر شام کے وقت درویش دوستوں کے ساتھ راز تصوف اور تحقیق کی باتیں کرتے رہتے، نماز عشاء پڑھ کر گھر کے اندر چلے جاتے تھے، شب کے پہلے ثلث میں آئندہ روز کے سبقوں کے مطالعہ میں مشغول ومنہمک رہتے تھے، اور شب کے درمیانی ثلث میں سے کچھ حصہ تو خانہ نشینوں کے ساتھ اور کچھ حصہ سونے میں صرف کرتے، گیارہ سال کے آغاز سے چوّن سال تک اسی طریقہ پر زمانہ گذرا۔

۱۰۱۳ھ مطابق ۱۶۰۵ء میں شعبان کی بارہ کو دوشنبہ میں ہر شب کے معمول کے مطابق جس قدر طاقت میں گنجائش ملی معینہ معتاد میں مشغول رہے، اور شب کے آخری حصہ میں ناسوتی مجلس سے منہ پھیر کر ملاء اعلی کی طرف روانہ ہوئے، خواب گاہ اسی دالان میں ہے جس میں درس دیا کرتے تھے۔ (گلزار ابرار: ۴۶۴، نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۳۳)

الشيخ العالم الكبير المفتي أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية.

(نزهة الخواطر: ۵/ ۳۱۶)

(۴۶) شیخ عبدالکریم گجراتی

(۱۵/ ذوالحجۃ الحرام ۱۰۱۴ھ)

عبدالکریم بن محب الدین بن علاء الدین خرقانی نہروالی گجراتی مکی، فضل وکمال میں یکتائے زمانہ تھے، آپ کی ولادت احمد آباد میں ۱۹/شوال المکرم ۹۶۱ھ، بروز پیر بوقت چاشت ہوئی، چوں کہ نہروالا میں آپ کا خاندان علم وطریقت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس لئے آپ اسی فضا میں پروان چڑھے۔

سفر مکہ اور خدمات دینیہ: آپ نے اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ کا سفر کیا، وہیں آپ کی نشو ونما ہوئی، وہاں اپنے عم

محترم مفتی قطب الدین نہروالی کی صحبت کو لازم پکڑا؛ حتی کہ فقہ میں ماہر ہوگئے، شیخ عبد اللہ سندی سے بھی علم حاصل کیا اور علامہ ابن حجر ہیتمی سے بھی کسب فیض کیا، آپ ان سے صحیح بخاری کی روایت کرتے ہیں۔

آپ کو مکہ میں ۹۸۲ھ میں منصب افتاء سپرد کیا گیا اور ۹۹۰ھ کے پس وپیش خطابت کی ذمہ داری آپ کے سر ڈالی گئی، مکہ مکرمہ میں واقع مدرسہ سلطانیہ مرادیہ کے والی بنائے گئے اور اس طرح عوام وخواص کی خدمات دینیہ کا موقع ملا۔

تصنیفات: آپ نے بہت ہی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے النہر الجاری علی البخاری کے نام سے صحیح بخاری کی نامکمل شرح ہے، نیز ایک کتاب **اِعلام العلماء الأعلام ببناء المسجد الحرام** کے نام سے تاریخ ہے، یہ ان کے عم محترم کی مختصر تاریخ ہے، جس میں انہوں نے ضرورت کے مطابق اہم معلومات کا اضافہ کیا ہے۔

اوصاف وکمالات: آپ کا حافظہ ومذاکرہ بہت ہی عمدہ وتیز تھا، فقہ کے ماہر، احکام وقواعد فقہیہ میں بھی فرد فرید تھے، اس کے نکات کو سمجھنے والے اور اسرار وغوامض کو کھول کر واضح کرتے تھے، اخبار ووقائع اور علماء کے احوال وسوانح کا استحضار تھا، بحث ومباحثہ میں انصاف پسند اور غیر جانب دار تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۵/ذوالحجہ الحرام ۱۰۱۴ھ بروز بدھ غروب شمس سے پہلے ہوئی اور معلاۃ میں تدفین ہوئی۔

(نزہۃ الخواطر: ۵/۲۵۱)

*** الشيخ العالم الكبير عبد الكريم بن محب الدين بن علاء الدين الخرقاني النهروالي**

أحد أفراد الدنيا في الفضل والكمال.... سافر مع أبيه إلى مكة المكرمة ونشأ بها ولازم عمه المفتي قطب الدين محمد النهروالي، وبه تفقه وعليه تخرج، وأخذ عن الشيخ عبد الله السندي والعلامة شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي، روى عنه صحيح البخاري، وتولى إفتاء مكة سنة ۹۸۲ھ... والف مؤلفات، منها شرح ممزوج على صحيح البخاري لم يكمله، سماه النهر الجاري على البخاري الخ (م ۱۰۱۴ھ).

(الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۵/۲۶۶، ۲۶۵)

(۴۷) مولانا صدیق بن شریف (رحمۃ اللہ علیہ)

(متوفی قریب ۱۰۴۰ھ/ ۱۶۳۹ء)

آپ گجرات کے علماء دین اور اہم مفسرین میں سے ایک ہیں، حدیث پر مبنی اخلاقیات کے رسالوں کے علاوہ حدیث کے موضوع پر آپ کی دو کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں۔

(۱) شرح الزواجر (سال تصنیف ۱۰۳۲ / ۱۶۲۳)

(۲) نجوم المشكوة شرح مشكاة المصابيح.

(۴۸) عالم کبیر احمد بن سلیمان کردی

ولادت: آپ کردی الاصل تھے لیکن آپ کی ولادت احمد آباد میں ہوئی، یہ ۱۰۶۰ یا ۱۰۶۳ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ اوپر آچکا، اور ۱۱۵۵ھ میں ۹۵ سال یا ۹۲ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے، مولانا سلیمان کردی - جو احمد بن سلیمان کردی کے والد محترم ہیں- تقریبا ۱۰۱۸ھ میں احمد آباد آچکے تھے، اس لئے مولانا احمد کی پیدائش ۱۰۳۰ھ سے پہلے ہوئی ہوگی، اور مولانا نورالدین نے جب ان سے پڑھنا شروع کیا تب مولانا احمد کردی کی عمر ۳۰-۳۵ سال کی ہوگی واللہ اعلم۔

تصنیفات: آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہے۔

چونکہ آپ کو ریاضی میں گہری دلچسپی تھی جس کا اندازہ آپ کی بیاض سے ہوتا ہے جس میں آپ نے بہت سارے رسالے ریاضی سے متعلق نقل کئے تھے، تقریباً یہ ۹ رسالے ہیں جو پروفیسر محبوب حسین عباسی نے ''عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ'' کے ہامش میں ذکر کئے ہیں۔

مولانا احمد کی زندگی کا مقصد تھا کثرت مطالعہ، مسلسل تفکر و تفحص، علماء پر نقد وتبصرہ، ان سے اختلاف یا اتفاق یا پھر ان کی تحقیقات پر اضافہ، ندرت مفاہیم وابتکار مطالب جو ان کے دل میں القاء ہوئے ہیں انہیں وہ فیوض ربانی گردانتے ہیں حقیقی ملہم صواب کی اس نعمت کبری پر وہ متشکر ہیں، نکات نادرہ کے متواتر انکشاف کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو محقق سمجھتے ہیں، اور تقلید سے حتی الامکان اپنا رشتہ توڑ لیتے ہیں، مختلف علوم وفنون میں علمائے کبار کی متداولہ کتب پر انہوں نے اس کثرت سے حواشی و تعلیقات لکھے ہیں کہ بعد کے لوگوں نے انہیں مروج علوم عقلیہ سمجھا، فارسی میں ان کی کوئی تصنیف اب تک نہیں ملی۔ علم کلام، عقائد، فقہ، منطق والٰہیات ان کے دلچسپی کے موضوع رہے، ان موضوعات پر عام طور پر مدارس میں عربی میں درس وتدریس ہوتی تھی؛ لہٰذا انہوں نے عربی کو اپنے اظہار خیالات کا ذریعہ بنایا، حدیث میں اسماء رجال پر دو ضخیم جلدیں مرتب کیں۔ اور مکہ معظّمہ سے بھی حدیث شریف ہی کی کتابیں خریدیں، لہذا احدیث کی طرف بھی انہیں رغبت تھی تغیر میں ان کا ایک چھوٹا رسالہ عربی میں ملتا ہے۔ اور کشاف پر حاشیہ بھی انہوں نے لکھا مگر ایسی آیات پر جن کا تعلق کلام سے تھا، اخیر میں انہوں نے اپنے منتشر اور متفرق حواشی جمع کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب ہم تک نہیں پہنچے، کاتبوں نے مختلف علوم وفنون کی کتابوں میں ان سے منسوب تعلیقات کثرت سے نقل کئے ہیں، ان میں ولی اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو اخیر عمر کے ان کے معاصر تھے، متضاد فرقوں کے عقائد کا مطالعہ اور ان کی تردید پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا ہے، حالانکہ وہ ملک احمد بن پیر محمد فاروقی کے ہم عصر تھے، حج بھی انہوں نے ان کی طرح ۱۰۸۴ھ میں کیا، مگر کہیں انہوں نے روافض کے غلبہ کا ذکر نہیں کیا۔ مولانا عبد العزیز کے متفرق اوراق پر لکھے ہوئے حواشی وتعلیقات ضائع ہونے لگے تھے، یہ شکایت ملک احمد بن پیر محمد فاروقی کی طرح انہوں نے بھی کی، یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کتاب کا مطالعہ کریں اور اس پر اپنے حواشی وتعلیقات نہ لکھیں خود اپنی تالیف کا دوبارہ مطالعہ کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس پر نظر ثانی کرتے تھے اور اپنے غور وخوض کی روشنی میں مزید اضافہ کرتے تھے جیسا کہ

انہوں نے مختار الاختیار میں کیا، پیہم علمی تفکر ان کی فطرت ثانی بن گئی تھی۔

''مختار الاختیار'' ان کی ایک اہم تصنیف ہے، یہ عام طور پر ملتی نہیں، مگر حسن اتفاق سے مولانا احمد نے اپنی مشہور کتاب فیوض القدس کا ایک حصہ بنا کر اسے بیچ میں مکمل نقل کر دیا ہے۔

اس فہرست کتب اور خلاصہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد بن سلیمان وحید عصر تھے، تمام علوم مروجہ میں ید طولی رکھتے تھے، حاویٔ فروع واصول اور جامع منقول ومعقول تھے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اکثر علوم وفنون میں قلمی شاہکار چھوڑے ہیں، میرا مقصد بھی آپ کی علمی لیاقت کو واضح کرنا تھا، اس لئے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں پر کیسا علمی رنگ چڑھایا ہوگا اور کیسے نقوش ثبت کئے ہوں گے؟؟

وفات: مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب نے مولانا احمد کا ذکر اپنی یاد ایام میں بھی کیا ہے اور اپنی عربی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' میں بھی، مگر دونوں جگہ موصوف سے مولانا احمد کی سن وفات درج کرنے میں تسامح ہوئی ہے، یاد ایام میں لکھا ہے کہ مولانا احمد کی وفات ۱۰۸۷ھ میں ہوئی جو صریحا غلط ہے، کیونکہ ۱۰۹۱ھ میں تو انہوں نے فیوض القدس تالیف کی، یاد ایام کے نئے ایڈیشن میں بھی یہی تاریخ درج ہے، نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ مولانا احمد کی وفات ۱۰۹۲ھ میں ہوئی لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ مولانا احمد کے شاگرد جلیل مولانا نورالدین گجراتی نے اپنے استاذ کی تاریخ یوں کہی ہیں: شمعی کہ بود از انجمن علم گل شید۔

لہٰذا مولانا احمد کی وفات کا سن وہی تسلیم کیا جائے گا جو مندرجہ بالا مصرع سے حاصل ہوتا ہے یعنی ۱۱۰۸ھ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

*** الشيخ العالم الكبير العلامة أحمد بن سليمان الكردي الغجراتي**

أحد الرجال المعروفين في العلم...، أخذ الحديث وبعض الفنون عن والده، ثم تصدر للتدريس أخذ عنه الشيخ نور الدين بن محمد صالح الغجراتی صاحب المصنفات المشهورة (م ۱۰۹۲ھ). (الإعلام بمن ورد في تاريخ الهند من الأعلام: ۵/۴۵، ۴۴)

(۴۹) شیخ احمد بن ابوبکر

شیخ احمد بن ابوبکر جو ابن الشلی یمنی کے نام سے معروف ہیں، تریم میں ۱۰۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور قرآن کریم محمد باعیشہ سے حفظ کیا، تجوید ان سے پڑھی، جزری، عقیدۂ غزالیہ، اربعین نوویہ، اجرومیہ کو حفظ کیا، اسی طرح ارشاد، اوقات الاصول اور قطر الندی وغیرہ پڑھیں اور متعدد مشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا، جن میں آپ کے والد محترم علامہ ہادی بن عبدالرحمن، قاضی احمد بن حسین، شیخ ابوبکر، ان کے بھائی شہاب الدین ابن عبدالرحمن، شیخ عبدالرحمن بن عبداللہ، شیخ زین العابدین عیدروس، شیخ عبدالرحمن السقاف وغیرہ ہیں۔

فقہ، حدیث اور علوم عربیہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مشائخ سے طرق تصوف میں بھی آپ کو اجازت ملی، اور

متعدد مشائخ کی طرف سے آپ کو خرقۂ خلافت بھی ملا، اس کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور یہاں ہندوستان میں شیخ بن عبداللہ عیدروس سے تصوف کی تعلیم حاصل کی، اسی طرح سید ابوبکر بن احمد عیدروس کی صحبت میں رہے، نیز شیخ جعفر عیدروس، سید عمر بن عبداللہ باشیبان سے بھی مستفید ہوئے، یہاں ہندوستان میں ملک عنبر سے بھی ملاقات رہی، انہوں نے آپ کو بہت اچھی طرح رکھا اور ان کی وجہ سے ان علاقوں کے سلاطین اور ملوک کے یہاں بھی آپ کی شہرت ہوئی، اس کے بعد آپ یمن واپس تشریف لے آئے، لیکن وطن پہنچ کر بھی اس علم وفضل کے باوجود آپ علوم کی تحصیل میں برابر مشغول رہے، قاضی احمد بن حسین سے فتح الجواد اور احیاء العلوم پڑھی، اسی طرح شیخ عبدالرحمن السقاف سے لغتِ عربیہ اور حدیث پڑھی اور تصوف کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں، پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں بھی علم کی تحصیل میں مشغول رہے، اس وقت حرمین شریفین میں مقیم جن مشائخ سے آپ نے استفادہ کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

شیخ عارف محمد بن علوی، شیخ عبدالعزیز زمزمی، شیخ محمد بن علی بن علان، شیخ سعید باقشیر، شیخ محمد بن عبدالمنعم الطائفی، سید احمد بن ہادی، شیخ احمد بن محمد القشاشی۔

مشائخ میں سے اکثر نے آپ کو اپنی مرویات اور تالیفات کی روایت کی اجازت دی، اس کے بعد حرمین شریفین سے واپس لوٹ آئے۔

ماہر علماء سے طویل زمانے تک استفادہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل میں بڑا اونچا مرتبہ عطا فرمایا، آپ حساب اور فرائض کے ماہر اور لغت کے ماہرین میں بہت اونچے مرتبہ پر فائز ہوئے اور آپ سے بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا۔

وفات: آپ نے تریم میں ۱۰۵۷ھ/ ۱۶۴۷ء میں انتقال فرمایا اور آپ کی ولادت ۱۰۱۹ھ/ ۱۶۱۰ء میں ہوئی، زنبل کے مقبرہ میں آپ دفن کئے گئے، وہاں آپ کی قبر مشہور ومعروف ہے۔ (مشائخ احمد آباد: ۳۵۸-۳۵۹)

(۵۰) شیخ جعفر بن علی گجراتی

جعفر الصادق بن عبداللہ بن الشیخ المعروف جعفر الصادق ''النور السافر'' کے مؤلف کے خاندان میں مشہور ومعروف بزرگ گذرے ہیں۔

نام ونسب اور ولادت: جعفر بن علی بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ عیدروس شافعی حضرمی گجراتی، جعفر صادق سے مشہور ہوئے، ان کی ولادت تریم میں ۹۹۷ھ ہوئی۔

حصول علم واساتذہ: ایک مدت تک اپنے والد کی صحبت میں رہے اور مختلف فنون پڑھے، قرآن کریم حفظ کیا، اپنے چچازاد بھائی عبدالرحمن سقاف بن محمد عیدروس، ابوبکر بن عبدالرحمن بن شہاب، زین بن حسین بافضل، ابوبکر شلی سے بھی علم حاصل کیا اور تفسیر، فقہ، حدیث، تصوف، عربیت، حساب، فلکیات اور فرائض میں مہارت حاصل کی۔

پھر آپ نے حج کیا اور حرمین شریفین میں متعدد علماء سے اخذ علم کیا، پھر اپنے وطن تریم واپسی ہوئی تو لوگوں نے ان کا اکرام واحترام کیا، تریم میں آپ نے ایک مدت تک اقامت کی۔

گجرات کے لئے سفر اور طلب علم: پھر علوم عقلیہ اور (تصوف) میں رتبۂ عالیہ کے حصول کے لئے گجرات کے مشہور شہر سورت پہنچے، وہاں اپنے چچا شریف محمد سے کسب فیض کیا۔

پھر آپ دکن چلے گئے، جہاں وزیر ملک عنبر سے ملاقات ہوئی تو وزیر نے ان کو اپنے ہم نشینوں میں داخل کرلیا، جب علماء آپ سے کسی موضوع پر بحث ومباحثہ کرتے تو آپ ان پر مقابلہ میں غالب آجاتے، پھر انہوں نے تدریس کی طرف توجہ کی اور اس میں مشغول ہوگئے، وہاں انہوں نے اپنے دادا کی کتاب ''العقد النبوی'' کا فارسی میں شاندار ترجمہ کیا اور ملک عنبر کی موت تک وہاں رہے۔

اس کے بعد اس کا بیٹا فتح خان تخت نشین ہوا تو اس نے بھی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، لیکن صاحب ترجمہ اس کے بعد سورت چلے آئے اور اپنے چچا محمد عیدروس کی جگہ سنبھالی، زمینیں بھی عطا کی گئیں، تو وہ اس میں سے واردین پر خرچ کرتے تھے اور آپ کو ولایت میں بھی وافر حصہ ملا تھا اور آپ کی کرامات ومکاشفات بھی ظاہر ہوتے رہتے تھے، اس لئے بہت جلد مشہور ہوگئے۔ حدیقۃ الاحمدیہ میں ہے کہ شاہجہاں بن جہانگیر نے آپ کو بھروچ ضلع میں واقع کئی دیہات عطیہ میں دیئے تھے۔

تصنیفات: کئی کتابوں کے مصنف اور بلند پایہ صاحب دیوان شاعر تھے، دارشکوہ کی کتابت، سکینۃ الاولیاء کا عربی ترجمہ، تحفۃ الاصفیاء کے نام سے کیا، جس کا قلمی نسخہ رامپور میں ہے۔

تحفۃ الاصفیاء کا اسلوب بیان فصیح وبلیغ اور صحیح عربی زبان میں ہے، آپ سید محمد بن عبداللہ کے بھتیجے تھے، گجرات تشریف لاکر کچھ دنوں احمد آباد میں قیام کیا، پھر بندر سورت میں اپنے چچا کے جانشین ہوئے، آپ اپنے اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے جعفر صادق ثانی کے لقب سے مشہور تھے، شاہجہاں کو آپ سے بڑی عقیدت تھی، ۱۰۶۴ھ/ ۱۶۵۴ء میں وصال ہوا اور اپنے چچا کے پاس دفن ہوئے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے تفوق فی العلوم کو سراہا ہے، جیسا کہ لکھا ہے کہ سید عالم جعفر صادق بن علی بن زین العابدین بن عبداللہ بن شیخ عیدروس حسینی یمنی، شافعی، تریم میں پیدا ہوئے، آپ نے اپنے چچا زاد بھائی سید عبدالرحمن سقاف، سید ابوبکر بن عبدالرحمن اور شیخ رزین بن حسین بافضل وغیرہ علماء کرام سے پڑھا اور تفسیر، فقہ، حدیث، عربی زبان، تصوف، حساب، فلک اور فرائض وغیرہ تمام علوم میں آپ فائق ہوگئے۔

آپ نہایت سمجھ دار اور خوب صورت تھے، ادب وانشاء، نظم ونثر دونوں پر بڑی قدرت رکھنے والے تھے، آپ نے حج کیا اور تریم واپس لوٹے پھر ہندوستان کا سفر کیا اور اپنے عم مکرم شریف محمد سے پڑھا اور پھر مسند تدریس کو آراستہ کیا اور

۱۰۶۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔(مشائخ احمد آباد: ۳۶۴،نزہۃ الخواطر: ۵/ ۱۰۸)

(۵۱) شیخ احمد بن حجازی الفتنی (رحمۃ اللہ علیہ)

(زمانہ گیارہویں صدی ہجری/ سترہویں صدی عیسوی)

پٹن کے احمد بن حجازی کی حدیث سے متعلق ایک کتاب احمد آباد میں ملتی ہے اور اس کا نام **المجالس السنية في الكلام على الاربعين النووية** ہے، اس کتاب کے قلمی نسخہ میں تاریخ تصنیف ۵ رجب ۱۰۵۲ / ۱۹ ستمبر ۱۶۴۲ بتائی گئی ہے، یہ الاربعین النووی کی شرح ہے۔

(۵۲) شیخ زین العابدین احمد آبادی (رحمۃ اللہ علیہ)

(متوفی ۱۱۱۲ھ/ ۱۷۰۰)

شیخ زین العابدین صدیقی شہابی چشتی احمد آباد کے عالم ومصنف وعارف مشہور مشائخ میں سے تھے، حدیث پر مبنی اور غزوۂ بدر میں حصہ لینے والے صحابہ کرام کے موضوع سے متعلق آپ کی عربی تصنیف ہے جس کا نام اسماء اہل البدر ہے جس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں محفوظ ہے، مذکورہ بالا تصنیف کے علاوہ آپ کی دیگر کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں:

(۱) کتاب بصری (نحو) (۲) آداب الباقی (حاشیہ)۔آپ کی وفات کے موقع پر گجرات کے ایک جید عالم شیخ محمد فاضل نے حسب ذیل تاریخ کہی تھی

شیخ زین العابدین آن کان علم	از فراقش گریہ در جوش آمدہ
گفت تاریخ وصال او خرد	علم زاں ماتم سیہ پوش آمدہ (۱۱۱۲)

(۵۳) حضرت ابوالمجد محبوب عالم (رحمۃ اللہ علیہ)

(متوفی ۱۱۱۱ھ/ ۱۹۹۹ء)

حضرت شاہ عالمؒ کے احفاد میں آپ بھی بڑے عالم حدیث وتفسیر ہوئے ہیں۔حدیث کے موضوع پر ایک تصنیف: **زينة النكات في شرح المشكوة** کے علاوہ آپ نے کلام پاک کی دو تفسیریں بھی تصنیف کی تھیں۔آپ مؤخر الذکر حضرت جعفر بدر عالمؒ کے صاحبزادے تھے۔آپ کی ولادت احمد آباد میں ۳۰ ربیع الاول ۱۰۴۷ / ۱۲ اگست ۱۶۳۷ کو ہوئی اور وفات جمادی الثانی ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء میں۔

(۵۴) علامہ نورالدین بن محمد صالح صدیقی احمد آبادیؒ

گجرات کی اسی دینی وعلمی تعمیر کے معماروں میں سے ایک کثیر التصانیف طویل التدریس، عابد وزاہد، ڈاکٹر باقر علی صاحب کے الفاظ میں ''گجرات میں عربی اسلامی علم ودانش کے آخری بڑے علمبردار'' عالم کبیر، علامہ نورالدین بن محمد صالح صدیقی احمد آبادی گجراتی ہیں، جن کی ذات صالح روایات، علم وفضل اور اسلاف کی پرہیزگاری کا نمونہ تھی، جنہوں

نے درس وتدریس، ارشاد وتبلیغ اور تحریر وتالیف کے ذریعہ اہل گجرات کو علمی وعملی دونوں طریقوں سے بے انتہاء فیض پہنچایا ہے، جن کا شماران نامور علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں فنا کردی اور دنیا کے عیش وآرام سے کوئی تمتع حاصل نہیں کیا، سطور ذیل میں اسی برگزیدہ ہستی کی زندگی کے حالات، بالخصوص ان کی علمی زندگی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ افراد سازی یعنی شخصیات بننے میں اولاً توفیق الٰہی اور اس کے بعد گھریلو اور پس وپیش کے ماحول کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے اور شخصیات پہچاننے میں ان دو چیزوں کے ساتھ ساتھ اولاد، شاگرد وتلامذہ، تصنیفات وتالیفات اور تعلیمی خدمات کو دیکھا جاتا ہے، چونکہ شخصیات بننے اور پہچاننے میں مذکورہ امور ضروری ہے اس لئے ان مضامین وموضوعات پر قلم اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ولادت: آپ کا اسم گرامی نورالدین بن حاجی شیخ محمد صالح، خطاب مخدوم العالم، لقب استاذ الکل، مولد ومنشأ احمد آباد، تاریخ ولادت: ۱۰/ جمادی الاولی (یکم مئی) ہے، البتہ سن ولادت میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہوا ہے، ڈاکٹر باقر علی ترمذی اور مرزا بسم اللہ احمد بیگ صاحب نے ۱۰۶۳ھ ذکر کیا ہے جبکہ پروفیسر محبوب حسین عباسی اور صاحب مرآۃ احمدی کے بقول ۱۰۶۰ھ ہے، مشہور تذکرہ نگار علامہ عبدالحی ندویؒ نے سن ولادت ۱۰۶۳ھ ہی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: **ولد لعشر خلون من جمادی الأولی سنة ثلاث وستین والف.**

تعلیم واساتذہ: گلستاں سات روز میں علی اختلاف الاقوال والدین سے پڑھ لی تھی، اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی تک کی جو بھی رائج ومتداول تعلیم ہوگی، وہ گھر میں مکمل کرلی تھی، دس سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت سے مشرف ہوئے، اس کے بعد اکثر علوم ظاہری آپ نے احمد بن سلیمان کردی سے حاصل کئے، قراءت وحدیث آپ نے سید محمد ابوالمجد محبوب عالم سے پڑھی، بعض حضرات نے آپ کے اساتذہ میں احمد بن آخوند اور مولانا سلیمان کا ذکر بھی کیا ہے، بندہ کے خیال میں ان دوناموں کا ذکر تسامح ہے، چونکہ آپ کے اساتذہ میں علامہ کردی کا نام آخوند احمد بن سلیمان کردی لکھا ہے تو کچھ حضرات نے خطاءً اس کے دونام بنادیئے اور احمد بن سلیمان کردی تیسرا نام، اس طرح ایک ہی نام سے تین نام وجود میں آگئے۔

آپ نے علوم باطنیہ اور تصوف کس سے حاصل کئے؟ اس میں سوانح نگاروں نے دونام ذکر کئے ہیں: (۱) احمد بن سلیمان کردی (۲) سید محمد ابوالمجد محبوب عالم۔ لیکن ڈاکٹر باقر علی صاحب ترمذی نے ان دونوں ہی کو علوم باطنیہ میں بھی آپ کے استاذ بتلائے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: آپ نے تصوف کے اسرار آخوند احمد بن سلیمان الکرد سے حاصل کئے تھے، اور سید محمد ابوالمجد محبوب عالم کے روحانی خلیفہ بنے تھے جو شاہ عالم ثانی کہلاتے تھے۔

پرفیسر زبیر قریشی صاحب لکھتے ہیں: مولانا نورالدین گجراتی (۱۱۵۵-۱۱۵۶ھ) گجرات کے متاخرین علماء میں صف اول کے عالم وفاضل گذرے ہیں، انہوں نے مدرسہ ہدایت بخش قائم کیا تھا، ان کا ایک بیش بہا کتب خانہ تھا، جس کا

بیشتر حصہ مرورِ ایام کے ساتھ ضائع ہو گیا، تاہم چند مخطوطات زمانے کی دست برد سے بچ گئے ہیں۔ ان کے صاحب زادے نظام الدین کو مغل شہنشاہ نے ۱۱۵۲ھ میں قاضی شہر کا عہدہ دیا تھا، تب سے یہ صدیقی الاصل خاندان قاضی کے نام سے مشہور رہے، اب انہیں کے خاندان کے محمد شعیب صاحب قاضی مقرر ہوئے ہیں۔ (ماہنامہ ندائے حرم، Oct-2014: ص: ۳۴)

تلامذہ: چونکہ گجرات میں طویل المدت تدریسی مشغلہ رکھنے والے چند گنے چنے افراد میں سے ایک آپ کی شخصیت ہے، اس لئے ممکن ہے کہ آپ سے کسب فیض کرنے والے طلبہ کی تعداد تو کئی سو کی ہوگی، لیکن آپ کے حالات میں صرف دو ہی شاگردوں کا نام مل سکا:

(۱) سید سعد اللہ بلگرامی (۲) محمد اکرم الدین جن کا ذکر اوپر مدرسہ کی بناء میں آچکا (۳) ان کے علاوہ مدرسہ ہدایت بخش کے ضمن میں سفارشی خط کے تذکرہ میں مولانا ابوظفر ندوی مرحوم نے قیاس کر کے سات اساتذہ کو حضرت شیخ نورالدین صاحب کے شاگرد شمار کئے ہیں۔

سوانح نگاروں کی طرف سے آپ کے شاگردوں کے بارے میں زیادہ روشنی نہ ڈالے جانے کی وجہ سے اس سلسلہ کی زیادہ تفصیلات فراہم نہ کر سکا، اور اب کئی صدیوں کا عرصۂ دراز بھی گزر چکا ہے، اس لئے اس کی تفصیل دستیاب ہونا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

آپ کی حدیثی تصنیفات کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) نور القاری شرح صحیح البخاري (حديث)

مولانا ابوظفر ندوی مرحوم فرماتے ہیں: بخاری شریف کی شرح ہے جو نایاب البتہ ڈاکٹر باقر علی صاحب ترمذی لکھتے ہیں: اس شرح کا قلمی نسخہ بھروچ کے قاضی کے خانگی کتب خانہ میں محفوظ تھا لیکن اب ریاست حیدر آباد نے اسے آصفیہ لائبریری کے لئے منتقل کر لیا ہے۔

(۲) اصول الحديث (حديث)

اس کا قلمی نسخہ آپ کے خاندانی کتب خانہ احمد آباد میں محفوظ ہے، اس کتب خانہ کی کچھ تفصیلات اور مخطوطات کے آثار باقیات کے بارے میں تفصیلات ''کتب خانہ'' کے زیر عنوان ذکر کی جا چکی ہے۔

(۳) اربعين (حديث)

یہ نسخہ بھی خاندانی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

وفات: ۹۱/ سال کی طویل عمر میں ۹ رشعبان ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء بروز دوشنبہ بوقت دوپہر یہ روشن ستارہ علمی دنیا کے افق سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا، آپ کا مزار اسی خانقاہ میں مدرسہ سے متصل واقع ہے، بہت سے لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات لکھی ہے جو رسالہ میں جمع کیا گیا ہے جس میں سب سے اچھی تاریخ وارث اہل بیت ہے۔

* الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة نور الدين بن محمد صالح الأحمدآبادي الكجراتي أحد الأساتذة المشهورين فى الهند ... قرأ الحديث على الشيخ محمد بن جعفر الحسينى البخارى، وأخذ عنه الطريقة، وبرز فى الفضائل كلها، حتى صار ممن لا يدانيه أحد فى عصره ومصره فى كثرة الدرس والإفادة،... من مصنفاته نور القارى شرح صحيح البخارى. (الإعلام بمن ورد فى تاريخ الهند من الأعلام: ۴۰۱/۶ إلى ۴۰۳)

(۵۵) شیخ محمد صالح عرف پیر بابا (رحمۃ اللہ علیہ)

(متوفی ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء)

آپ مولانا محمد نورالدین کے صاحبزادے تھے، احادیث نبوی پر مبنی ایک فارسی رسالہ تحفۃ العرفان آپ کی یادگار ہے۔

شیخ محمد صالح بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح نیک وصالح وصاحب علم وتقوی تھے۔ آپ نے صرف سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا، چنانچہ گجرات کا مغل صوبہ دار شاہزادہ محمد اعظم بن اورنگ زیب عالمگیرؒ آپ سے سورۂ رحمن سن کرخوش ہوا تھا اور اُس نے آپ کو جاگیر بھی عطا کی تھی، مغل بادشاہ فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانے میں آپ کی دہلی طلبی ہوئی تھی اور آپ کو انعام واکرام سے نوازا گیا تھا۔ اکثر امراء اور فضلاء آپ کی قابلیت کو تسلیم کرتے تھے۔ آپ کی وفات دہلی میں ۱۶ جمادی الثانی ۱۱۴۷ / ۲ نومبر ۱۷۳۴ میں اپنے والد ہی کی زندگی میں ہوئی تھی، دہلی سے آپ کی میت کو احمد آباد لا کر آپ کے پرداداہ مولانا محمود کے مقبرہ میں دفن کیا گیا تھا۔ مرادبخش کے الفاظ سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

مولانا نورالدین نے ایک رسالے میں گھوڑوں کے بارے میں چالیس حدیثیں جمع کی تھیں، شیخ محمد صالح نے اسی رسالے کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ رسالہ تحفۃ العرفان اصل عربی متن اور فارسی ترجمہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(۵۶) شیخ عبدالرسول بن عبدالصمد بن عبدالرحیم

(وفات: ۱۹ر شوال المکرم ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۷۱۸ء)

شیخ عبدالرسول بن عبدالصمد، دانشوروں کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے پشتوں تک گجرات کے ضلع کپڑونج کے قاضی کے عہدے کو زینت بخشی تھی، ان کا نسب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ تک پہنچتا ہے، ان کی ولادت تو کپڑونج میں ہوئی تھی لیکن جوانی میں احمد آباد آگئے تھے، وہ شاہ عبدالماجد کے روحانی خلیفہ تھے جو شاہ وجیہ الدین علوی کے پوتے تھے اور وہ عبدالماجد کے صاحبزادے شیخ ناصرالدین (نصیرالدین) اور ملا احمد بن سلیمان الکردی کے ہم سبق تھے، آپ نے شیخ فرید سے تجوید کا سبق لیا تھا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ نہروالہ چلے گئے، کچھ وقت وہاں قیام کرنے کے بعد انہوں نے شاہ جہاں آباد کی راہ لی تھی۔ دھولکہ (گجرات) میں قاضی کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا تھا جہاں انہوں نے

پانچ سال کام کیا، بعد میں عہدہ سے مستعفی ہوکر احمد آباد لوٹ آئے اور اپنے پیر ومرشد کے ساتھ رہنے لگے، پیر ومرشد کے ساتھ دکن کا سفر کیا، آخر کار احمد نگر میں قاضی کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا، عوام ان کا بہت اکرام کرتے، البتہ یہ بات افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ دکن کے سیاسی بحران کے دوران ان کا مکان تاراج کردیا گیا تھا، اس ناگہانی آفت کی ایک طرح سے غیبی اطلاع ہوجانے پر انہوں نے اپنے گھر کی خواتین اور وسیع کتاب خانہ کو محفوظ جگہ (مشرقی احمد نگر) منتقل کردیا تھا، یہ آفت ہمیں اس چھوٹی سی آفت کی یاد دلاتی ہے جس سے حاجی الدبیر دوچار ہوئے تھے، شیخ عبدالرسول کی وفات احمد آباد میں (۱۱۳۰ / ۱۷۱۸ء) میں ہوئی تھی۔

شیخ عبدالرسول کی تصنیف **الشمائل المحمدیه** کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی تھی اور کسی غیر معروف صاحب قلم نے اس کی شرح ''**فضائل الاحمدیه**'' کے نام سے لکھی تھی، **الشمائل المحمدیه** کا مخطوطہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۴)

بعضوں نے آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

قاضی عبدالرسول بن ابو محمد بن عبدالوارث ابن ابو محمد بن عبدالملک بن اسماعیل بن شہاب الدین بن حسام الدین عثمانی کپڑونجی۔

علمائے صالحین میں سے تھے، کپڑونج میں آپ پیدا ہوئے، جو احمد آباد سے تقریباً بیس میل کی مسافت پر مغرب کی جانب واقع ہے، آپ نے شیخ احمد بن سلیمان سے علم حاصل کیا، اسی طرح شیخ نصیرالدین بن عبدالماجد علوی سے بھی پڑھا، اور قرأت وتجوید شیخ فریدالدین سے پڑھی، اور طریقت شیخ عبدالماجد سے حاصل کی جو شیخ وجیہ الدین علوی کے خاندان میں سے تھے، پھر آپ نے دہلی کا سفر کیا، اور وہاں سے دھولکہ گجرات کی قضاء کا منصب لے کر آئے، پانچ سال تک اس منصب پر فائز رہے، اس کے بعد آپ نے کلکتہ کا اپنے شیخ کے ساتھ سفر کیا؛ مگر عالمگیر سے جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ کو احمد نگر کی قضا سونپی گئی، اور اخیر تک اسی کو انجام دیتے رہے، مگر درس وتدریس بھی آپ کا ہمیشہ مشغلہ رہا، ۱۹/شوال المکرم ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴/دسمبر ۱۷۱۸ء کو پیر کی شب میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۴۸)

(۵۷) شیخ عبدالصمد بن عبدالرحیم (رحمۃ اللہ علیہ)

(متوفی اواخر گیارہویں صدی ہجری/ سترہویں صدی عیسوی)

یہ گجرات کے وہ عالم حدیث ہیں جن کی حدیث کے موضوع پر ایک کتاب: **الفوائد الشمسیه في الاحادیث النبویه** کا نام ملتا ہے، لیکن آپ کے حالات کا پتہ نہیں چلتا، آپ کی وفات گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہوئی تھی۔ عبدالصمد کو حضرت شاہ وجیہ الدین کا شاگرد بتایا گیا ہے۔

(۵۸) شیخ خیر الدین سورتی

نام ونسب اور ولادت: خیر الدین بن محمد زاہد بن حسن محمد زبیری سورتی، اپنے وقت کے مشہور علماء میں سے ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم بزرگوار زبیر بن عبد المطلب ہاشمی قرشی کی نسل میں سے ہے، سورت ہی میں پیدائش اور نشوونما ہوئی۔

حصول علم اور اساتذہ، مزید طلب علم میں عرب کا سفر: آپ نے مولانا عبد الغفور اور محمد بن عبد الرزاق حسینی ایچی سے پڑھا اور طریقۂ نقشبندیہ شیخ نور اللہ سے اور ان کے بعد شیخ نصر اللہ سے حاصل کیا، پھر حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج وزیارت سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ میں عرصہ تک قیام کیا اور شیخ محمد حیات سندھی سے حدیث پڑھی، وہاں سے آکر اس فن شریف کی خدمت میں عمر صرف کردی اور پورے پچاس برس تک تعلیم دیتے رہے۔

تصنیفات: آپ صاحب تصانیف بھی تھے، آپ کی کتابوں میں شواہد التجدید، ارشاد الطالبین کے نام ملتے ہیں اور تصوف میں بھی آپ کے رسائل ہیں۔

سید مرتضی زبیدی بلگرامی نے برنامہ میں ان کا ذکر کیا ہے کہ حجاز جاتے ہوئے کچھ دنوں وہ ان کے مدرسہ میں مقیم رہے تھے اور ان سے استفادہ کیا تھا۔

وفات: آپ کی وفات رجب المرجب ۱۲۰۶ھ میں ہوئی اور سورت ہی میں تدفین ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۱۶۴، یاد ایام: ۱۰۵)

*** الشيخ العالم المحدث خير الدين بن محمد زاهد بن حسن الزبيري السورتي**

أحد العلماء المشهورين كان من نسل الزبير بن عبد المطلب الهاشمي القرشي عم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم،

... ثم سافر إلى الحرمين الشريفين فحج، وزار، وأخذ الحديث عن الشيخ حياة السندى، وعاد إلى سورت، ودرس فى الحديث خمسين سنة. (م ۱۲۰٦ هـ). (الإعلام بمن ورد فى تاريخ الهند من الأعلام: ۷/۱۸۲، ۱۸۱)

(۵۹) شیخ ولی اللہ بن غلام محمد سورتی

ولی اللہ بن غلام محمد سورتی گجراتی برہان پوری، آپ کی ولادت اور نشوونما گجرات ہی میں ہوئی؛ لیکن ان کے والد برہان پور میں تدریسی خدمات سے منسلک ہوئے تو آپ کی معیت میں وہاں پہنچے اور والد محترم ہی سے سات سال میں کتب درسیہ پڑھی۔

زیارت وحج اور عرب میں طلب علم: حج وزیارت سے فراغت کے بعد عرصۂ دراز تک مقیم رہے اور شیخ ابو الحسن سندھی سے حدیث پڑھی اور جب ۱۱۴۹ھ میں والد کا انتقال ہوا تو گجرات کے مشہور شہر سورت میں آکر بودوباش اختیار کرلی اور سید پورہ دروازے سے باہر سید عنبر کی مسجد میں سکونت اختیار کی، آپ نے علوم دینیہ کی درس وتدریس کی طرف توجہ دی اور اپنے فیض عام سے عوام کو بھی خوب فائدہ پہنچایا اور پوری زندگی رشد وہدایت میں صرف کردی۔

آپ کی ایک کتاب کا نام ملتا ہے: **التنبيهات النبوية فى سلوك الطريقة المصطفوية** اس میں ابواب زہد

وآداب اور اس کے متعلقات کو جمع کیا ہے، یہ دراصل خطیب کی مشکوۃ شریف اور قسطلانی کی المواہب اللدنیہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، اس کا قلمی نسخہ بانکی پور کللکشن پٹنہ (نمبر ۴۰۶) میں موجود ہے۔

وفات: ۱۱/جمادی الاولی ۱۲۰۷ھ میں وفات ہوئی اور سید عنبر مسجد کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۵۴۳، یادایام: ۱۰۶، حقیقت السورت: ۱۷۸، گجرات کے علماء حدیث وتفسیر: ۵۵، ۷۵)

(۶۰) مولانا وصی احمد محدث سورتی

آپ کا وطن راندیر ضلع سورت ہے اور بعضوں کے کہنے کے مطابق لاجپور ہے، آپ کے والد کا نام محمد طیب بن محمد طاہر ہے، آپ کی ولادت راندیر میں ہوئی، آپ کے جدامجد سولہویں صدی عیسوی میں مدینہ منورہ سے سورت بندر پہنچے اور اس راستہ سے گجرات میں داخل ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

آپ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کے کچھ افراد سلطان شاہ جہاں کی فوج میں ملازمت کررہے تھے اور عنایت اللہ خان کی معیت میں بنگال میں عیسائیوں کے مقابلہ میں شجاعت کے جلوے دکھائے تھے، ان کے والد نہایت متقی تھے اور کپڑوں کی تجارت میں خوب تجربہ تھا اور تجارت کے ساتھ ساتھ دینی خدمت میں بھی لگے رہتے تھے۔

آزادی کی ۱۸۵۷ کی جنگ کے وقت مولانا وصی احمد ۲۱ سال کے نوجوان تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۸۳۶ء میں ہوئی، دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد صاحب کے ساتھ تجارت میں لگ گئے تھے، اس جنگ کے وقت سورت اور اس کے اطراف وجوانب میں لوٹ مار اور ظلم وستم ہوا، دوکانیں لوٹ لی گئیں اور دو حقیقی بھائی گولیوں کے نشان بنا کر شہید کردیئے گئے۔

عرب کی طرف رحلت: مولانا طیب اپنے دولڑکے مولانا وصی احمد، مولانا عبداللطیف اور اہلیہ کو لے کر کسی طرح عراق چلے گئے اور وہاں سے حرمین شریفین گئے اور حج سے فراغت کے بعد کچھ مدت تک مدینہ میں مقیم رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اس کے بعد مولانا وصی احمد اپنے بھائی اور والدہ کے ہمراہ گجرات آگئے اور راندیر پہنچے جہاں آپ کی والدہ بھی جاں بحق ہوئیں، اس کے بعد مولانا وصی احمد صاحب طلب علم کے لئے اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر دہلی چلے گئے اور مدرسہ حسین بخش میں حصول علم کے بعد علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ سے تفسیر اور فقہ حاصل کیا، بعدہ حدیث شریف پڑھنے کے لئے سہارن پور چلے آئے اور مولانا احمد علی محدث کے درس میں شامل ہوگئے، اس کے بعد فقہ میں مزید رسوخ ومہارت پیدا کرنے کے لئے مولانا محمد مظہر نانوتوی اور مولانا فیض الحسن صاحب کی خدمت میں ایک مدت تک رہے، اس طرح طویل مدت تک حصول تعلیم میں لگے رہے۔

انہی ایام میں وہ مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوکر منسلک رہے اور خلافت سے نوازے گئے، اس کے بعد اپنے پیرومرشد مولانا گنج مرادآبادی اور استاذ محترم مولانا احمد علی کے حکم پر روہیل کھنڈ، پیلی

بھینت میں قیام کیا اور تاحین حیات وہیں رہے، نیز وہاں مولانا خلیل الرحمن سہارن پوری کے تعاون سے ''مدرسۃ الحدیث'' کی بنیاد ڈالی اور اسی درس گاہ میں ۴۰ رسال تک کتابیں پڑھاتے رہے۔

تعلیقات سنن نسائی، التعلیق المجلی آپ کی علمی شاہ کار ہیں۔ (اکابرین گجرات، گجراتی: ۴/ ۱۸۲-۱۸۴)

(۶۱) شیخ عبدالقادر سورتی

عبدالقادر بن محمود بن عبدالقادر بن عبدالصمد باعکظہ شافعی سورتی، آپ کی ولادت ۱۷ رجب المرجب ۱۲۶۳ھ میں ہوئی، اس دور کے مشہور اساتذہ سے علم حاصل کیا، شیخ محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے سند حدیث وافتاء حاصل کی، شیخ بخشو میاں کے بقول یہ سند افتاء فقہ شافعیہ وحنفیہ دونوں میں اجازت پر مشتمل تھی۔

سفر حج اور حصول علم: ۱۳۰۸ھ میں آپ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہ کر عباقرۂ زمانہ سے علم حاصل کیا، پھر ہندوستان لوٹ کر بمبئی میں اقامت کی۔

آپ کی تصنیفات میں **تحفة الفقير الى من اجترء على المسلم بالتكفير، تحفة المشتاق فى احكام النكاح والانفاق** اور **حکم قدم بوسی** ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۸/ ۲۸۱، حقیقت السورت: ۱۲۷)

(۶۲) شیخ حمید

آپ فضائل وکمال سے آراستہ وپیراستہ تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے اور حدیث وتفسیر میں بھی خصوصاً آپ کو ید طولی حاصل تھا۔

جس وقت مظفر بن سلطان محمود گجراتی اکبر کے امراء میں سے ایک امیر شہاب خان پر غالب آگیا اور احمد آباد پر قبضہ کرلیا، خانخاناں امراء کی ایک جمعیت لے کر مقابلہ کے لئے پہنچے اور سلطان مظفر کو شکست دی اور متعدد علماء کو کام پر لگایا، جن میں سے تاریخ معصومی کے مصنف بھی تھے، مصنف تاریخ معصومی نے مشکوۃ اول سے اخیر تک اور دوسری کچھ کتابیں اس وقت گجرات میں رہ کر شیخ حمید سے پڑھیں اور حدیث کی اجازت حاصل کی، شیخ حمید خان اعظم کھوکہ کی رقابت میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر مقیم ہو گئے اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور علماء مکہ میں علماء حدیث میں سے بلکہ ان کے مقتدا علماء میں سے بن گئے۔ (مشائخ احمد آباد: ۲۲۸، ۲۲۹)

❁❁❁❁❁

حدیث شریف میں علمائے گجرات کی تصنیفات

* **علامہ بدرالدین دمامنی:** آپ نے صحیح بخاری کے متن میں صرفی ونحوی تحقیق سے متعلق دو کتابیں لکھی ہیں:

الفتح الربانی: یہ کتاب ''کتب خانہ خدیویہ'' میں محفوظ ہے۔(علم حدیث میں براعظم ہند و پاک کا حصہ:۱/ ۱۱۵، بحوالہ الفہرست لابن ندیم:۱/ ۳۷۶)

تعلیق المصابیح علی ابواب الجامع الصحیح: یہ کتاب صاحب ابن محمد (م ۱۲۱۸ھ) کے زمانہ تک محفوظ تھی جو مدینہ کے ایک محدث تھے اور فلاقی کے نام سے معروف تھے۔(علم حدیث میں براعظم ہند و پاک کا حصہ:۱/ ۱۱۵، بحوالہ ضمیمہ رسائل اسانید:۱/ ۳۴، مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۲۸ھ)

المصابیح للجامع: یہ کتاب بھی صحیح بخاری میں صرف ونحو کے مسائل پر مشتمل ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے، اب یہ کتاب چھپ چکی ہے۔(علم حدیث میں براعظم ہند و پاک کا حصہ:۱/ ۱۱۵، بحوالہ فہرس الخدویہ:۱/ ۴۲۲)

* **شیخ رحمت اللہ سندھی:** آپ نے ''تلخیص تنزیہ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ'' نامی کتاب لکھی ہے۔

* **شیخ سلیمان کردی گجراتی:** آپ نے دو کتابیں لکھی ہیں: ''اسماء الرجال'' جو فن رجال میں ہے، اور ''مفتاح الاصول ومصباح الوصول'' جو فن اصول حدیث میں ہے۔

* **شیخ طاہر بن یوسف سندھی گجراتی:** آپ کی تصنیفات یہ ہیں: **تلخیص شرح اسماء رجال البخاری للکرمانی، ملتقط جمع الجوامع** سیوطی کی **جمع الجوامع** کا انتخاب ہے۔(معارف العوارف: باب مصنفات اہل الہند فی الحدیث از علامہ عبدالحی حسنیؒ) **ریاض الصالحین**، یہ کتاب روضات پر مشتمل ہے:

روضۂ اولیٰ: مسند احادیث کا انتخاب

روضۂ ثانیہ: مقالات صوفیاء

روضۂ ثالثہ: ملفوظات اہل توحید

شرح البخاری: یہ کتاب علامہ قسطلانی کی ''ارشاد الساری فی شرح بخاری'' سے متعلق ہے۔(معارف العوارف، بیان شروح البخاری)

فیض الباری فی شرح البخاری: صحیح بخاری کی یہ شرح اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی شرح ہے جو ہندوستان میں لکھی گئی، غالباً اب مکمل دستیاب نہیں ہے، اس شرح کے حصہ اول کے صرف چند اجز ''عثمان بن ابراہیم سندھی'' کی تصنیف کردہ ''**غایۃ التوضیح للجامع الصحیح**'' میں محفوظ ہیں۔

منتخب کتاب سفر السعادۃ: یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے اور احمد آباد میں ہمایوں کے حملہ سے بچاؤ اور طاعون سے

حفاظت کے مقصد کے پیش نظر لکھی گئی تھی اس میں سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق احادیث موجود ہیں۔

* **شیخ عبدالقادر حضرمی:** آپ نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

منح الباری ختم صحیح البخاری

عقد اللآل في فضائل الآل: اس رسالہ میں فضائل آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل احادیث بیان کی گئی ہیں۔

کتاب الانموذج اللطیف فی اهل بدر الشریف: اس رسالہ میں بدریین صحابہ کے فضائل سے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔

رسالۃ فی مناقب البخاری

اتحاف الحضرۃ العزیز و العیون السیرۃ الوجیزۃ

المنتخب المصطفی من اخبار مولد المصطفیٰ

الحدائق الخضرۃ في سیرۃ النبي و الاصحاب العشرۃ

* **شیخ عبداللہ بن شمس الدین سلطان پوری:** آپ کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

شرح علی الشمائل النبویۃ، منهاج الدین، عصمۃ الانبیاء

* **شیخ عبدالمعطی باکثیر مکیؒ:** آپ کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

اسماء رجال البخاری: اس کتاب میں شیخ نے صحیح بخاری میں مذکور جمیع صحابہؓ وروات کو شامل کیا ہے، یہ کتاب نامکمل ہونے کے باوجود ایک ضخیم جلد میں تھی، اگر مکمل ہوتی تو دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوتی۔

* **شیخ علی متقی برہانپوری:** شیخ علی متقی نے علامہ سیوطیؒ کی جامع کبیر اور جامع صغیر کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل چھ کتابیں لکھی ہیں:

منہج العمال فی سنن الاقوال والافعال

الاکمال لمنہج العمال

غایۃ العمال

مستدرک الاقوال بسنن الافعال

کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال

منتخب کنز العمال

ان سب کے علاوہ شیخ علی متقی نے علم حدیث کے موضوع پر مندرجہ ذیل رسائل بھی لکھے ہیں:

شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس کا قلمی نسخہ دار العلوم پشاور میں موجود ہے۔

البرہان فی علامات المہدی آخرالزماں: اس کتاب میں شیخ نے علامہ سیوطی کی ''العرف الوردی'' کی احادیث کو از سر نومبوب و مرتب کیا ہے، نیز ''جامع کبیر'' سے بھی امام مہدی کے متعلق احادیث کی تخریج کر کے اس میں نقل کیا ہے۔

المنہاج التام فی ترتیب الحکم: یہ نوویؒ کی ''مصباح الظلم'' کی شرح ہے۔

الفصول شرح جامع الاصول: اس کتاب کا قلمی نسخہ بانکی پور میں موجود ہے۔

* **محمد بن عمر بحرق حضرمی:** آپ کی جانب منسوب تصنیف کا نام ''مختصر المقاصد الحسنہ'' ہے۔

* **محمد بن یوسف دہلوی:** آپ کی مشہور تصنیف یہ ہے:

شرح مشارق الانوار علی لسان المعرفۃ

ترجمۃ مشارق الانوار بالفارسی

کتاب الاربعین: شیخ نے اس کتاب میں ہر حدیث کے ساتھ صحابہؓ کے آثار اور متقدمین و مشائخ کے اقوال بھی ذکر کئے ہیں۔

* **شیخ ہبۃ اللہؒ:** آپ کی مشہور تصنیف یہ ہے:

لب اللباب فی اصول الحدیث: یہ کتاب ''محمد بن حسین بن محمد بن الطیبی کی کتاب الخلاصہ'' کا اختصار ہے، اس کا قلمی نسخہ پیر محمد شاہ لائبریری میں موجود ہے۔ (وضاحتی فہرست جلد ۱، نمبر ۳۳۹)

* **شیخ جعفر بن جلال الدینؒ:** آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں:

الفرید فی شرح صحیح البخاری: یہ کتاب بخاری کی عربی شرح ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ (مکتبہ آصفیہ، حیدرآباد، جلد ۴، نمبر ۴۳۳ حصہ حدیث)

روضات شاہی: یہ کتاب ۲۴ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی آخری چار جلدوں میں محدثین و مفسرین کا ذکر کیا گیا ہے۔

* **علامہ محمد بن طاہر پٹنی:** یوں تو آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، البتہ مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل والاخبار: شیخ نے اپنی اس کتاب میں صحاح ستہ اور مشکوۃ المصابیح کے غرائب کو جمع کر کے ان کی تفسیر و تشریح کے ساتھ ساتھ ہر لفظ کے متعلق احادیث و آیات ذکر کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے، بعض علماء نے تو اس کتاب کو صحاح ستہ کی ضامن قرار دیا ہے، شیخ نے یہ کتاب مسلسل سات سال محنت کر کے ۹۷۶ھ مطابق ۱۵۶۸ء میں مکمل فرمائی تھی۔

المغنی فی اسماء الرجال: اس کتاب میں شیخ نے رواۃ اور ان کے آباء و اجداد، انبیاء کرام اور مشہور مقامات کے ناموں میں پائے جانے والے اشتباہ کو دور کرتے ہوئے ان کو اعراب سے مزین کیا، شیخ نے یہ کتاب حجاز سے گجرات تشریف لانے کے بعد فوراً ذی قعدہ ۹۵۲ھ مطابق جنوری ۱۵۴۱ء میں مرتب کی تھی۔

تذکرۃ الموضوعات: شیخ نے اس کتاب میں متقدمین علماء کی کتابوں سے ضعیف و موضوع احادیث کو جمع کر کے ہر

حدیث کے ماخذ کو ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان احادیث کے بارے میں اپنی رائے بھی ظاہر کی ہے، یہ کتاب آپ نے ذی قعدہ ۹۵۸ھ، ۱۵۵۱ء میں مکمل کی تھی، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ پیر محمد شاہ میں موجود ہیں۔

(وضاحتی فہرست: ۱/ ۲۱۸ تا ۲۲۱)

قانون الموضوعات: شیخ نے اس کتاب میں ضعیف راویوں کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر کے ان کے متعلق محدثین کے اقوال ذکر کئے ہیں۔

اسماء الرجال: یہ کتاب تین فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی فصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح، دوسری فصل میں دیگر انبیاء کے حالات اور تیسری فصل میں تمام صحابہ وصحابیات اور محدثین کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں، اس کتاب کا قلمی نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (گجرات کے علماء حدیث وتفسیر، ص: ۲۶ بحوالہ ڈاکٹر اسحاق: ۱۲۷)

* حدیث کی مشہور کتابوں پر شیخ محمد بن طاہر پٹنی کے حواشی:

حاشیۃ علی صحیح البخاری، حاشیۃ علی صحیح المسلم، حاشیۃ علی مشکوۃ المصابیح، حاشیۃ علی مقاصد الاصول

* **فن حدیث میں شیخ محمد بن طاہر کے تحریر کردہ رسائل:**

تعلیق الترمذی

چہل حدیث

رسالۃ علی فضیلۃ الصحابۃ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین

منہاج المسالک: یہ راہ سلوک میں معاون احادیث کا مجموعہ ہے۔

* **مولانا عبدالحی سورتی:** آپ کی تصنیفات یہ ہیں:

سلعۃ القریبۃ في توضیح شرح النخبۃ، شرح علی نزہۃ الانظار، نظم الدرر، القول الاغر علی نظم الدرر

* **شیخ عبدالکریم گجراتی:** آپ نے ایک ہی کتاب لکھی، جس کا نام یہ ہے: النہر الجاری علی صحیح البخاری: شیخ نے اس کتاب کو لکھنا تو شروع کیا تھا لیکن کسی وجہ سے اس کی تکمیل نہ کر سکے۔

* **شیخ عمر نہروالی:** آپ کی مشہور تصنیف کا نام یہ ہے:

الفیض النبوی فی علوم الحدیث وفھارس البخاری: یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار فصلوں پر مشتمل ہے، مقدمہ اصطلاحات حدیث سے متعلق ہے اور آخر کتاب میں امام بخاری اور ان کی صحیح پر بحث کی گئی ہے۔ (علم حدیث میں برعظیم ہندو پاک کا حصہ: ۲/ ۲۷۴)

* **قاضی شیخ الاسلامؒ:** حدیث کے موضوع پر آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

* **شیخ قاضی جگن:** آپ کی تصنیفات میں مشہور کتابیں یہ ہیں:

خزانہ الروایات: یہ کتاب اگرچہ فقہ حنفی میں لکھی گئی، لیکن چونکہ شیخ نے بکثرت احادیث نقل کی ہیں، اس وجہ سے یہ کتاب ایک طرح سے احادیث کا مجموعہ ہی ہے۔

* **محمد بن جعفر گجراتی** (ابوالمجد محبوب عالم) آپ کی جانب منسوب کتاب کا نام یہ ہے: **زينة النكاة في شرح المشكوة.**

* **محمد احمد نہروالیؒ**: حدیث کے موضوع پر آپ کی ایک کتاب ملتی ہے جس میں صحاح ستہ کی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ (گجرات کے علماء حدیث وتفسیر: ۶۰ بحوالہ ڈاکٹر اسحاق: ۲۳۷)

* **مولانا محمد صدیق بن شریف**: آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

شرح الزواجر: یہ کتاب ۱۰۳۲ھ مطابق ۱۶۲۳ء میں لکھی گئی ہے۔

نجوم المشکوٰۃ شرح مشکوۃ المصابیح

احادیث پر مبنی اخلاقیات کے رسائل (گجرات کے علماء حدیث وتفسیر: ۴۸، بحوالہ ڈاکٹر اسحاق: ۱۶۳، ۱۶۴)

* **شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری**: آپ کی مشہور تصنیف کا نام یہ ہے:

الوسیلۃ الی شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کتاب میں آپ نے قاضی عیاض کی "الشفاء اور شمائل ترمذی" کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

* **شیخ محمد بن ہاشم سورتی**: آپ کی تصنیفات یہ ہیں: ترجمہ صحیح بخاری (سات جلدوں میں)

الاقاويل الايمانية في شرح الاحاديث السليمانية یہ اردو زبان میں منظوم شکل میں آپ کی تصنیف ہے۔

الاقاویل الایمانیۃ فی شرح احادیث السلیمانیہ: یہ اردو زبان میں ہے اور نثری شکل میں موجود ہے۔

* **شیخ نورالدین گجراتی**: سوانح نگاروں نے آپ کو تقریباً ۱۵۰ کتابوں کا مصنف بتایا ہے، لیکن ان میں سے چند ہی کتابوں کے نام معلوم ہو سکے جو یہ ہیں: (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۳۹۰، ۳۹۱)

نورالقاری شرح صحیح البخاری

اصول حدیث

تحفۃ العرفان (چہل حدیث در باب اسیان)

اربعین، فوائد المقاصد

* **شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ**: آپ کی تصنیفات کے نام یہ ہیں:

شرح نخبۃ الفکر بشرح نزہۃ النظر

حاشیۃ علی المقاصد الحسنۃ

* **مولانا ولی اللہ سورتیؒ**: آپ کی ایک ہی کتاب ہے جس کا نام یہ ہے:

التنبیهات النبویة في سلوك الطریقة المصطفویة: اس کتاب میں شیخ نے زہد وآداب کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں۔
مولانا وصی احمد سورتیؒ: آپ کی بھی ایک ہی تصنیف ہے:
تعلیقات علی سنن النسائی وتعلیقات علی معانی الآثار
* **شیخ منہاج الدین بنبانی عباسیؒ:** آپ نے مندرجہ ذیل شروحات لکھی ہیں:
شرح البخاری، شرح المسلم
* **شیخ زین العابدین احمد آبادی صدیقی چشتیؒ:** آپ کی تصنیفات میں سے ایک یہ ہے:
اسماء اہل البدر
* **شیخ عبدالصمد بن عبدالرحیمؒ:** آپ نے ''الفوائد الشمسیہ فی الاحادیث النبویۃ'' نامی ایک کتاب لکھی ہے۔
* **شیخ احمد بن حجازی پٹنیؒ:** آپ کی ایک ہی کتاب ہے جس کا نام یہ ہے:
المجالس السنیۃ في الکلام علی الاربعین النوویۃ
* **شیخ محمد بن فاضل بن شیخ حامد بدوی، بغدادی:** آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:
معدن الفضائل شرح الشمائل، حزب المجذوب
* **مولانا ابوبکر بن محمد بھروچیؒ:** آپ نے حصن کا ترجمہ کیا جس کا نام ''فتح المبین'' رکھا۔
فتح المبین ترجمہ حصن حصین
* **محمد بن سلیمان مخزومی:** آپ نے بخاری شریف کی شرح لکھی تھی، اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات حسب ذیل ہیں:
شرح علی صحیح البخاری
تحفۃ الغریب في شرح مغنی اللبیب
شرح التہسیل لابن مالک
* **شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری:** آپ ان دو کتابوں کے مصنف ہیں:
شرح النخبۃ، ذریعۃ النجاۃ شرح المشکوٰۃ (علمائے گجرات کی خدمات حدیث)

تمت بالخیر

صوبۂ گجرات

فقہ، اصول فقہ اور فتاوی کا عہد بہ عہد ارتقاء

عرب ممالک اور گجرات کے علمی روابط، ہندوستان میں عہد مغلیہ اور اس سے پہلے اور بعد کی فقہی خدمات، فقہاء گجرات کی فقہی و اصولی تصنیفات، فقہ و افتاء کی حقیقت و ماہیت اور باہمی تعلق، علامہ خضری بک کے چھ فقہی ادوار، فقہ حنفی کی بعض کتب فتاوی و مخطوطات کا تعارف، فقہاء گجرات باعتبار سنین وفات

مرتب

(حضرت مولانا مفتی) اقبال بن محمد ٹنکاروی (صاحب دامت برکاتہم)

مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا

بھروچ، گجرات

مقدمہ

عرب اور گجرات کے علمی روابط:

صوبہ گجرات کا تعلق عرب ممالک سے بہت قدیم ہے اور وہ تعلقات رفتہ رفتہ اس طرح ترقی کر گئے کہ گجرات میں ایک شاندار اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور ان بادشاہوں کی علم دوستی اور علمی سرپرستی کی بنیاد پر علماء کی گجرات میں بکثرت آمد ہوئی اور گجرات بقول مولانا سید حکیم عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ شیراز و یمن کا ہمسر بن گیا۔

سید ظہیرالدین مدنی رقم طراز ہیں: گجرات میں نفوس قدسیہ کی آمد ساتویں عیسوی (پہلی صدی ہجری) سے پائی جاتی ہے، ہجری کے ابتدائی برسوں میں جو عرب بیڑے بھروچ، بھاڑ بھوٹ، گندھار وغیرہ کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوئے، ان میں تابعین اور تبع تابعین بھی تشریف لائے تھے، سورت کے مقابل ''راندیر'' ایک زمانہ میں اہم بندرگاہ تھی، راندیر میں ایک تبع تابعی کے مزار کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے، خلیفہ سفاح عباسی ۷۴۹ء کے عہد میں کوفہ سے ایک مومن قبیلہ راندیر آیا تھا، ان لوگوں نے راندیر میں اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی تھی، ۱۱۵۶ء میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی، وہ اب تک موجود ہے، ۱۱۲۹ء میں جب سلطان صلاح الدین نے مصر پر قبضہ کر لیا تو وہاں کے بعض اسماعیلیوں نے گجرات میں پناہ لی، ایک شخص نورالدین ستا گرنامی سات اماموں کی تبلیغ کرتا تھا، گیارہویں صدی میں گجرات میں تبلیغ میں مصروف پایا جاتا ہے، اس نے ۱۰۹۴ء میں وفات پائی، مستنصر باللہ ۱۰۹۴ء کے عہد میں احمد نامی ایک شخص کو بغرض تبلیغ بھیجا گیا تھا، اس وقت گجرات میں راجہ سدھ راج جے سنگھ حکمران تھا، گجرات میں صوفیاء کی آمد کا سلسلہ راجہ سدھ راج کے باپ راجہ کرن سولنکی ۱۰۷۲ء تا ۱۰۹۴ء کے عہد سے پایا جاتا ہے، حضرت حاجی ہود اولین بزرگ ہیں، جنہوں نے نہروالا پٹن میں سکونت اختیار کی اور ۱۱۴۱ء میں وہیں وفات پائی، شیخ احمد عرفاتی متوفی ۱۲۴۷ء، بابا حاجی متوفی ۱۲۷۱ء، شیخ احمد دہلوی المعروف بہ بابا دھلیا (خلیفہ شیخ محی الدین علوی دہلوی) متوفی ۱۱۶۰ء، حضرت قاضی محمود دریائی کے جد اعلی شاہ علی سرمست اور دیگر نے گجرات کو اپنا وطن ثانی بنالیا اور رشد وہدایت کی خدمت انجام دی۔ (سخنوران گجرات: ۲۴)

لیکن گجرات میں ایک دور انتہائی روشن اور قابل ذکر بھی گذرا ہے، جس طویل عرصہ میں مسلمان حکمرانوں کی علم دوستی اور علماء و محدثین کی تشریف آوری سے گجرات اور خاص کر اس کے ساحلی علاقوں میں علوم دینیہ کی اشاعت خوب تیزی سے ہوئی اور یہاں سے بھی حصول علوم دینیہ کی غرض سے علماء گجرات کی عرب تشریف بری ہوئی، یہ روشن ترین دور تقریبا ۳/صدیوں پر مشتمل ہے، یعنی ۸، ۹ اور ۱۰ویں صدی ہجری۔

اس قدر تیزی سے گجرات میں علوم دینیہ کی اشاعت اور ترقی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر محبوب حسین عباسی رقم طراز ہیں: گجرات میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہونے کے فورا بعد جس سرعت سے علوم

دینیہ کی ترقی وترویج عمل میں آئی اس کے درج ذیل دو اہم اسباب معلوم ہوتے ہیں:

(۱) عرب ممالک اور گجرات کے درمیان قرب مکانی اور (۲) سلاطین اور امرائے گجرات کی علم دوستی۔

(۲) دوسرا سبب گجرات کے سلاطین وامراء کی علم دوستی اور علم پروری تھا، گجرات میں مسلمانوں کے اقتدار کے قیام سے پیشتر جو راجپوت راجے مہاراجے حکومت کرتے تھے، وہ بھی وسیع المشرب اور روشن خیال حکمران تھے۔

گجرات کے اس وقت کے پایۂ تخت انہلواڑ (نہروالا پٹن) میں بسنے والے مسلمان سوداگروں اور گجرات کی اس وقت کی سب سے بڑی اور پر رونق بندرگاہ کھمبایت میں رہنے والے مسلمان تاجروں کو گجرات کے راجپوت راجاؤں نے بڑی مراعات دے رکھی تھیں، یہاں تک کہ دینی امور میں انہیں مکمل آزادی حاصل تھی اور ان کے لئے خطیب وقاضی باہر کے ممالک سے بلائے جاتے تھے، جب آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) میں گجرات میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا، تب مسلمانوں کے لئے فضا ہموار تھی اور علوم دینیہ کی اشاعت کا سامان فراہم تھا، ایسے میں گجرات میں ایک خودمختار اسلامی حکومت کے قائم ہوجانے سے درس وتدریس کے کاموں کو تقویت ملی، خاص طور پر مظفری خاندان کے حکمران طبقہ نے وہ کام کیا، جس کی مثال ہمیں مصر اور بغداد کی عہد وسطی کی خلافتوں میں ملتی ہے۔

سلطان احمد شاہ اول کی علم پروری کی شہرت حجاز ومصر تک پہنچ چکی تھی، ان کی شہرت سن کر سب سے پہلے بدرالدین دمامینی (متوفی ۸۲۷ھ/ ۱۴۲۴ء) نامی مصر کے عالم محدث نے ۵۷ر سال کی پختہ عمر میں گجرات کا سفر اختیار کیا اور کھمبایت نیز پٹن میں قیام کرکے اپنی تصانیف سلطان احمد شاہ اول کو منسوب کیں، سلطان احمد شاہ اول عدل وانصاف، تقوی وپرہیز گاری اور سخاوت کے معاملہ میں بے نظیر تھے، سن بلوغ سے لے کر آخری عمر تک ان کی صبح کی نماز کبھی قضاء نہیں ہوئی تھی۔

سلطان احمد شاہ کے پوتے فتح خان عرف سلطان محمود شاہ بیگڑہ کا پچاس سالہ دور حکومت گجرات میں علوم دینیہ کی ترقی کا زرین دور شمار ہوتا ہے، ان کا دربار عرب اور دیگر ممالک کے علماء دین سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا، ان کے زمانۂ حکومت میں حجاز، یمن اور مصر سے گجرات آنے والے مشاہیر علماء ومشائخ میں علامہ ابن سوید، حدیث میں جن کی فضیلت کے پیش نظر سلطان محمود نے انہیں ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا تھا، سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں، سلطان مظفر ثانی کی سرپرستی حاصل کرنے والوں میں قاضی جمال الدین بحرق اور شیخ ابوالقاسم ابن فہد کا بھی شمار ہوتا ہے، جو اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے تھے، گجرات میں آکر علوم دینیہ کی خدمت اور اس کی اشاعت کرنے والے علماء کی فہرست بہت طویل ہے، یہاں صرف مشاہیر علماء کے نام لئے جاتے ہیں:

(۱) علامہ شہاب الدین عباسی مصری (۲) حافظ نورالدین ابوالفتاح الطاؤسی (۳) شیخ بن عبداللہ العیدروس (۴) علامہ جمال الدین محمد العمودی (۵) ابوالسعادات الفاکہی (۶) مولانا نورالدین شیرازی۔

مذکورہ بالا عوامل کے نتیجہ میں گجرات کے تعلقات حجاز، یمن اور مصر کے ساتھ قریب سے قریب تر ہوتے گئے، گجرات کے

چند بڑے شہر مثلاً احمد آباد، پٹن، بھروچ اور سورت تو ملک حجاز کا حصہ معلوم ہونے لگے تھے، ان تعلقات میں حکومت اور سیاست کو بہت زیادہ دخل نہیں تھا، ان کی بنیاد تجارت، ثقافت اور تعلیم و تعلم کے عمل پر رکھی گئی تھی، ان سے دونوں طرف کے عوام وخواص متاثر ہوئے تھے، ان کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عرب مؤرخین نے اپنی تصانیف میں گجرات کو اہم مقام عطا کیا اور گجراتیوں کے علوم دینیہ کے میدان میں کارہائے نمایاں کا خاص ذکر کیا ہے۔ (گجرات کے علماء حدیث وتفسیر:٦)

اس مختصر جائزہ سے ایک بات کا پتہ چلتا ہے کہ گجرات میں علوم دینیہ اور خاص طور پر علم حدیث وتفسیر کی عام اشاعت سے پیشتر زمین ہموار اور فضا سازگار ہو چکی تھی۔

گجرات میں نویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی ہجری (مطابق پندرہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی عیسوی) تک کے پانچ سو سالہ دور میں تمام قسم کے علوم دینیہ کی ترقی وترویج ہوئی ہے۔ (گجرات کے علماء حدیث وتفسیر:٦)

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور علوم دینیہ کی ترویج ایک مسلسل عمل ہے، جس میں مختلف افراد اور گروہوں کی کوششیں رہی ہیں، یہ کاوشیں ابتداء عہد اسلامی سے جاری ہیں اور ان کا سلسلہ ہنوز قائم ہے، کیوں کہ اشاعت اسلام میں جبر کا عنصر نہیں ہے۔

گجرات کا علاقہ زمانہ قدیم سے علماء کا گہوارہ ہے، شیراز ویمن سے علماء وہاں پہنچے اور درس وافادہ کی مسند بچھائی اور ان کے مسند درس سے بڑے بڑے اہل فضل وکمال کامیاب ہو کر نکلے اور اس طرح سے گجرات کے چپہ چپہ میں اور دکن اور مالوہ میں علم کی شعاعیں روشن ہوئیں، شیراز ویمن سے گجرات آنے والے علماء میں بدرادین الدامینی، خطیب گاذرونی اور عمادالدین طارمی وغیرہ تھے۔

خطیب ابوالفضل گاذرونی اور عمادالدین محمد طارمی جب گجرات اور امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور پہنچے اور اپنے ساتھ یہ علماء محقق دوانی، صدرالدین شیرازی اور فاضل مرزا جان کی کتابیں ساتھ لائے تو لوگوں نے ان کتابوں کو بڑے شوق سے قبول کیا۔

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی ان میں بڑے مشہور عالم گزرے ہیں، انہوں نے نصاب درس میں فلسفہ وحکمت رائج کیا، وہ بہت طویل مدت تک درس وافادہ کی مسند پر متمکن رہے اور ان کے بہت سے شاگرد فاضل وعالم بن کر نکلے، جن میں قاضی ضیاء الدین نیوتنی بھی ہیں، ان کے شاگرد جمال کوڑوی اور ان کے شاگرد لطف اللہ کوڑوی ہیں، شیخ لطف اللہ کوڑوی کے شاگردوں میں شیخ احمد بن سعید امیٹھوی، شیخ علی اصغر قنوجی، قاضی علیم اللہ گجندوی اور شیخ محمد زماں کاکوڑوی ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سے شاگرد تھے اور ہر ایک نے اپنی اپنی جگہ پر درس وافادہ کی مسند بچھائی۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے بعض علماء حج وزیارت کے لئے حجاز تشریف لے گئے اور وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا اور ان کے ذریعہ ہندوستان میں علم حدیث پہنچایا، مثلاً صاحب مجمع البحار شیخ محمد بن طاہر پٹنی، شیخ یعقوب بن حسن کشمیری اور شیخ عبدالنبی گنگوہی وغیرہ ہیں اور بعض علماء نے گجرات آ کر درس وافادہ کی مسند

بچھائی، مثلاً شیخ عبدالمعطی، شیخ عبداللہ اور رحمت اللہ وغیرہ۔

اس طرح حدیث کا علم گجرات کے اطراف میں رواج پذیر ہوا۔ (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں: ص:۳۶، ۴۱، ۴۱-۴۳)

علماء گجرات میں محدثین، مفسرین کے ساتھ ساتھ فقہاء وقضاۃ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہے؛ حالانکہ ان کی فہرست بھی طویل ہے، ان کی فقہی خدمات اور فتاوی سے مدت مدیدہ تک لوگ فیضیاب ہوتے رہے، ان کی تصانیف کے مخطوطات آج مکتبات کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون جاری رہا اور اسلامی حکومتیں کسی نہ کسی حد تک دین کی ذمہ داری محسوس کرتی رہیں، اس وقت تک ایک طرف محکمۂ عدلیہ قضاء کا نظام جاری رہا اور دوسری طرف علماء امت کے ذریعہ ہر وقت افتاء کا کام ہوتا رہا، اسلامی حکومتیں دارالافتاء کی طرح دارالقضاء کی سرپرستی بھی کرتی رہیں، اسی وجہ سے فقہاء کی تصریح کے مطابق قاضی کے لئے علوم فقہ سے واقفیت ضروری اور شرط کے درجہ میں ہے، لہٰذا ہر قاضی کے لئے فقہ سے شناوری ضروری ہے۔

علماء گجرات میں بکثرت ایسی شخصیتیں گذری ہیں، جن کو متعدد علوم وفنون اور اصناف کمال میں دخل اور مشارکت رہی ہے، ان کے احوال زندگی اور خدمات دینیہ کے پیش نظر ان کی شخصیت جامع علوم وکمالات نظر آتی ہے۔

ایک ہی وقت میں ایک عالم فقیہ بھی تھا، محدث ومفسر بھی، اصولی اور متکلم بھی، ماہر مدرس اور کامیاب مصنف بھی؛ لیکن اس جامعیت کے باوجود کوئی نہ کوئی ایک ذوق اس پر ایسا غالب رہا اور ایک فن اس کی علمی زندگی میں ایسی مرکزی حیثیت کا حامل رہا، جو اس کے لئے اس کے زمانہ اور طبقہ میں اس کا مابہ الامتیاز بن گیا، اس میں اس کے معاصرین پر امتیاز سب کو تسلیم تھا۔ (فقہاء گجرات اور ان کی فقہی خدمات: ص:۱۵، ۱۶)

خلاصہ یہ ہے کہ گجرات ایک خاصی اہمیت رکھنے والا خطہ ہے، وہ اپنی مختلف خصوصیات میں شاندار علمی تاریخ کا حامل رہا ہے، اسلامی خصوصیات کے دائرہ میں یہاں کے اہل علم نے ایک شاندار تاریخ بنائی ہے، بڑے جید اور ممتاز علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے علمی میدانوں میں درس وتدریس کے کاموں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے اہم علمی کارنامے انجام دیئے ہیں، ان کارناموں میں متعدد کام اپنے موضوع پر اعلی مقام رکھتے ہیں، اس طرح گجرات صدیوں تک علم وفن کا مرکز، ارباب ہنر کا گہوارہ، ارشاد وتلقین کا سرچشمہ اور اقتصادی ترقیات کے ساتھ ایک سرگرم تجارتی منڈی بھی رہا، روحانی اور مادی زندگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع کی گئی تھیں، بعض اعتبار سے ہندوستان کے قرون وسطی کی تاریخ میں اس کو پورے ملک میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی اور اسلام کے تعلق کے لحاظ سے ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا، جس کے سرسبز پہاڑوں پر سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہ پڑی تھی، ارض ہند سے عربوں کے تعلق کی ابتداء حقیقتاً اسی خطۂ زمین سے ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عربوں نے سواحل گجرات پر قدم رکھا۔

گجرات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں علامہ شمس الدین سخاوی، علامہ ابن حجر مکی وغیرہ کے تلامذہ کافی تعداد

میں آکر بس گئے تھے اور انہوں نے علم حدیث کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگیاں گزار دی تھیں، یہاں کی درس گاہیں اور خانقاہیں ہندوستان ہی نہیں؛ بلکہ بیرون ہند سے تشنگان علم ومعرفت کو کھینچتی تھیں، سولہویں اور سترہویں صدی ہجری میں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ دینی اور ثقافتی زندگی کا مرکز ثقل گجرات کی طرف منتقل ہوگیا اور شاید ہی کوئی دینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحر عالم موجود نہ ہو۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے فقہائے ہند کی مختلف جلدوں میں فقیہ کے لفظ کا اضافہ کر کے کچھ غیر معروف فقہائے کرام کا بھی تذکرہ کیا ہے، اب یہ متعین کرنا ہمارے لئے بہت ہی مشکل ہوتا ہے، فقہاء کرام ومفتیان عظام کے سلسلے میں عربی، فارسی اور اردو کتابوں کی ورق گردانی میں یہی پریشانی پیش آتی ہے، کتنے فقہائے کرام ومفتیان عظام کے ناموں اور کارناموں سے ہم واقف نہیں ہیں، علوم وفنون کی مہارت اور درس وتدریس کے مشغلوں میں مصروف ہونے والے کئی گمنام حضرات ہیں، جن کا تذکرہ ہم تک صراحۃ یا اشارۃ بھی نہیں آیا ہے، البتہ تاریخ نے جن حضرات کی تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور قضاء وافتاء کے منصب کا ذکر کیا ہے، یا کسی واقعہ کے ضمن میں ان کے فتاوی یا تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، ان کو میں نے ذکر کیا ہے۔

اس میں نزہۃ الخواطر، کشف الظنون، یاد ایام، مشائخ احمد آباد، گجرات کی تمدنی تاریخ، فقہائے ہند، برصغیر میں علم فقہ، برصغیر میں تدوین اصول فقہ، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، عربی زبان اور ادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ (باقر علی ترمذی) اور علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ وغیرہ کتابوں کا بار بار مطالعہ کر کے جو بات محقق نظر آئی اس کو ذکر کیا ہے۔

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی دامت برکاتہم اپنے ایک مقالے ''برصغیر ہند میں فقہ حنفی کا آغاز وارتقاء'' میں تحریر فرماتے ہیں......

یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ اگرچہ برصغیر ہند میں فقہ حنفی کی عمر ایک ہزار سال سے زائد ہوچکی ہے، مگر جہاں تک معلوم ہے، اب تک فقہ حنفی کے عروج وفروغ، فقہ حنفی کے علماء، ان کے اثرات، تلامذہ اور مصنفات پر کوئی بڑا، جامع اور مستند ومحقق کام نہیں ہوا۔ کوئی بڑی محقق تاریخ مرتب نہیں ہوئی، نہ ہی ان کی تصانیف کی فہرستیں اور تفصیلات جمع کی گئیں۔

جہاں تک معلوم ہے، برصغیر ہند میں فقہ حنفی کی پہلی کتاب، مجموعہ سلطانی ہے، جو سلطان محمود غزنوی کے نام معنون کی گئی تھی، اس وقت سے عصر حاضر تک، اس لمبے عرصہ میں ہندوستان میں، فقہ وفتاوی کے عنوانات ومباحث پر اندازہ ہے کہ مجموعی طور سے چار، ساڑھے چار ہزار کتابیں لکھی گئی ہوں گی مگر نہ ہی ان تصانیف کی کوئی مرتب فہرست ہے، نہ ان کے خطی نسخوں کی تلاش کی گئی ہے، نہ مطبوعہ کی جستجو۔

الفوائد البهيئة حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے بعد، غالباً فقہاء کا ہندوستان میں لکھا ہوا پہلا جامع تذکرہ مولانا فقیر محمد جہلمی کی ''**حدائق الحنفیه**'' ہے، جو اردو میں ہے، اس میں مصنف نے فقہاء ہند کا بھی موقع بہ موقع تذکرہ کیا

ہے۔ حدائق الحنفیہ ۱۲۹۷ھ میں مکمل ہوئی، ۱۳۰۰ھ میں مصنف نے اس پر نظر ثانی کی اور رمضان المبارک ۱۳۰۳ھ [جون ۱۸۸۴ء] میں نول کشور پریس لکھنؤ سے پہلی مرتبہ چھپی، بعد میں کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔اس میں شامل برصغیر کے فقہائے کرام میں سے پہلا نام، شیخ محمد اسماعیل لاہوری وفات ۴۴۸ھ [۱۰۶۸ء] کا ہے۔ شیخ اسماعیل، نامور حنفی فقیہ اور امام شمس الائمہ حلوائی کے معاصر تھے۔ دونوں کی وفات کا سنہ بھی ایک ہی ہے۔ شیخ اسماعیل لاہوری [سندھ کے علاوہ] برصغیر میں حدیث وفقہ کے پہلے سب سے بڑے عالم اور محدث تھے۔

حدائق الحنفیہ میں اس کے بعد، ہر اک صدی کے فقہاء کے احوال میں ایک دو، یا اس سے زائد ہندوستانی فقہائے احناف کا تعارف کرایا گیا ہے، دسویں صدی ہجری کے فقہاء کے تذکرہ سے فقہائے ہند کا شمار اور تذکرے بڑھنے شروع ہو گئے ہیں، دسویں سے تیرہویں صدی تک، ہر اک صدی کے تحت فقہائے احناف ہند کے تذکروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، تیرہویں صدی کے فضلاء کا بڑا حصہ، فقہائے ہند کے احوال پر مشتمل ہے۔ اگرچہ مولانا فقیر محمد صاحب، اپنی اطلاعات کا ذریعہ اور مآخذ کا تذکرہ نہیں کرتے، تاہم یہ معتبر تذکرہ ہے، ضرورت ہے کہ اس پر نظر ثانی ہو، اس کے حوالے تلاش کئے جائیں اور اس کا مفصل ضمیمہ اور تکملہ لکھا جائے۔

فقہائے ہند کے احوال پر ایک اور بڑی نسبتاً جامع اور مفید تالیف، پاکستان کے مشہور اہل قلم، مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی ''فقہائے پاک وہند'' ہے، یہ کتاب دو مرتبہ شائع ہو کر کم یاب ہو چکی ہے، تیسری مرتبہ شائع ہونے والی ہے، پہلی طباعت آٹھ حصوں پر چھپی تھی، دوسرا حصہ کتابت سے نہایت عمدہ چار جلدوں میں چھپا، دوبارہ اس ترتیب پر چھپ رہا ہے۔ (انٹرنیٹ پر اب یہ کتاب مکمل آچکی ہے)

تذکرہ فقہائے ہند، اس وقت تک، برصغیر کے فقہائے کرام اور مراکز فقہ کا سب سے جامع اور نسبتاً منصفانہ تعارف نامہ ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی کی، اس سلسلہ کی ایک اور نہایت مفید اور عمدہ تصنیف: ''برصغیر میں علم فقہ'' ہے، اس میں فاضل مصنف نے اول فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معانی، مآخذ فقہ، اقسام احکام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعینؒ کی اجتہادی آراء، اجتہاد، استنباط مسائل میں اختلاف، اصحاب فتوی صحابہ اور تابعین وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ مراکز فقہ کی بات کی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ کا تذکرہ کیا ہے، برصغیر میں اہل فقہ کی آمد اور ابتدائی اسلامی فتوحات کا تذکرہ کرتے ہوئے، ابتدائی چند صدیوں کے چند بڑے فقہاء کا مختصر مختصر ذکر کیا ہے، اس کے بعد برصغیر میں فقہ پر لکھی گئی اہم ترین، ممتاز ترین، کتابوں کا بہت عمدہ، فاضلانہ اور مبصرانہ جامع تعارف کرایا ہے، جس کی ابتدا، فتاوی غیاثیہ سے ہوئی ہے، جو غیاث الدین بلبن (۱۲۸۷ء) کے عہد سلطنت میں لکھی گئی تھی، غیاث الدین کی مناسبت ہی سے اس کا نام سے فتاوی غیاثیہ ہے۔ اس کے علاوہ دس اور فقہی تصانیف کا علمی تعارف اور ان کے بعض مندرجات پر تبصرہ

بھی ہے۔اس کے تعارف میں شامل فقہ کی زیر تعارف کتابوں کے مصنفین کرام نے ، اپنی کتابوں میں جو نئے مسائل اٹھائے ہیں، ان کا بھی کچھ تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی یہ تصنیف برصغیر کی تاریخ فقہ کی ایک علمی ضرورت کو اچھے طریقہ پر پورا کرتی ہے۔ضرورت ہے کہ اس نہج پر، برصغیر کی جملہ اعلی فقہی تصانیف کا تعارف کرایا جائے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا بھٹی صاحب، جنہوں نے فقہائے ہند کا مندرج بالا مفصل تذکرہ اور یہ کتاب لکھی ہے، اہل حدیث ہیں مگر ان کی کتاب میں عدم تقلید کا بہت کم اثر ہے، بھٹی صاحب کو فقہائے کرام اور کتب فقہ سے ایک محبت و تعلق معلوم ہو رہا ہے، یہ بات لائق تحسین ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔

کلمات تشکر:

مولانا عبدالرشید صاحب منوبری نے فقہ وافتاء کی حقیقت وماہیت، ادوار اور طبقات کی تحریر کے ساتھ ساتھ پروف ریڈنگ کر کے تعاون کیا، نیز مولانا یوسف سندراوی اور مولانا ذاکر صاحب پارکھیتی نے وقت نکال کر کمپوز اور سیٹنگ کے مراحل مکمل کیے، مولانا یسین صاحب کرماڈی نے بھی کچھ اوراق کمپوز کر کے کام کو آسان کر دیا، اللہ پاک ان تمام کو علم نافع نصیب فرمائے، دنیاوآخرت کی بھلائیوں سے نوازے اور مزید ترقیات نصیب فرمائے۔

جناب ایوب بھائی بھاڈ بھوت بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کتابوں کی پرنٹ اور سپائرل بائنڈنگ کر کے کتاب سے استفادہ میں سہولت پیدا کر دی، جس سے مطالعہ اور ورق گردانی آسان ہو جاتی ہے، اللہ پاک انہیں بھی اجر عظیم عطا فرمائے، دینی امور سے وابستہ رکھے۔

حضرت مولانا مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (صاحب دامت برکاتہم)
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا
بھروچ، گجرات

ہندوستان کے نصاب ونظام تعلیم کی عہد بہ عہد تاریخ

حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب اپنی کتاب ''الثقافة الاسلامية فی الهند'' (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں مترجم مولانا ابوالعرفان ندویؒ) میں فرماتے ہیں:

مصنفین اور مؤرخین نے ہندوستان کے بادشاہوں، امراء اور صوفیائے کرام وشعراء کے حالات میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت محنت بھی کی ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان کی علمی تاریخ نہایت تاریکی میں ہے، ہم صحیح طور پر اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ وقتاً فوقتاً نصاب درس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں، تاریخ سے اسی قدر سراغ ملتا ہے کہ اس سرزمین میں فاتحان ہند کے ساتھ ساتھ علم آیا تھا اور جو تبدیلیاں عراق وماوراء النہر میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں، اس کا اثر یہاں کے نصاب پر بھی پڑتا تھا۔

سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے ریگستانوں میں علم کے ذرے چمکے اور ان کی جگمگاہٹ اتنی بڑھتی گئی کہ رفتہ رفتہ سارے ہندوستان میں ان کی روشنی پھیل گئی، اور جب ملوک غزنویہ نے لاہور کو ہندوستان کا دارالسلطنت قرار دیا، تو اس شہر نے سب سے پہلے اس روشنی سے فائدہ اٹھایا۔

جب دہلی فتح ہوئی تو بادشاہوں کی قدردانی سے علمائے باکمال ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر دہلی آنے لگے اور ایسے جلیل القدر علماء دہلی میں مجتمع ہو گئے، جن کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔

غیاث الدین بلبن کے زمانے میں شمس الدین خوارزمی، شمس الدین قوشجی، برہان الدین بلخی، برہان الدین بزاز، نجم الدین دمشقی، کمال الدین زاہد، وغیرہ جیسے بیسیوں صاحب کمال تھے، جن کے علم وفضل سے دہلی کا کوچہ کوچہ قرطبہ اور بغداد کا نمونہ بن رہا تھا۔

علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ظہیر الدین بھکری، فرید الدین شافعی، حمید الدین مخلص، شمس الدین نحیی، محی الدین کاشانی، فخر الدین ہانسوی، وجیہ الدین رازی، تاج الدین مقدم، وغیرہ چھیالیس علماء ایسے پایہ کے تھے، جن کی نسبت ضیاء الدین برنی جیسے مشہور مؤرخ کا خیال یہ ہے کہ دنیا میں ان کا جواب نہیں تھا۔

محمد شاہ تغلق کے زمانے میں معین الدین عمرانی، قاضی عبدالمقتدر، مولانا خواجگی، شیخ احمد تھانیسری جیسے باکمال علماء تھے، جن کے دامن تربیت میں پرورش پا کر شہاب الدین دولت آبادی ملک العلماء بن کر نکلے اور ایک دنیا کی نگاہیں ان کی طرف اٹھنے لگیں۔

فیروز شاہ کے عہد میں جلال الدین رومی تشریف لائے اور شاہی مدرسہ میں پرنسپل کی خدمات ان کو سپرد کی گئیں، نجم

الدین سمرقندی بھی اسی زمانے میں دہلی آئے، اور اپنے فضل وکمال سے لوگوں کو مالامال کرتے رہے۔

سکندر لودی کے زمانے میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ دونام ور عالم ملتان سے آئے اور انہوں نے منطق وحکمت کا معیار بڑھا کر نصاب میں نمایاں زور پیدا کر دیا۔

اکبر کے زمانے میں شاہ فتح اللہ شیرازی نے آکر عضد الملک کے خطاب سے عزت پائی اور تمام ملک میں ان کی دھوم مچ گئی، اسی زمانے میں حکیم شمس الدین اور ان کے بھانجے حکیم علی گیلانی کی وجہ سے طب کو فروغ ہوا اور شیخ عبدالحق نے حدیث کو رواج دیا۔

شاہ جہاں اور عالم گیر کے عہد حکومت میں میر زاہد کا ستارہ اقبال چمکا اور ان کی موشگافیوں نے تاج فضیلت میں چار چاند لگا دیے، گویا درس نظامیہ کی بنیاد ان ہی کے پرزور ہاتھوں کی ڈالی ہوئی ہے، ان ہی کے سلسلۂ تلمذ میں قاضی مبارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور خاندان تھا، جس میں جناب شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، مولوی عبدالحیٔ، شاہ محمد اسمعیل، مولوی محمد اسحاق، مولوی رشید الدین خان، مفتی صدر الدین خان، مولوی مملوک العلی وغیرہ جیسے نام ور علماء اور مدرسین پیدا ہوئے۔

لاہور میں علم کا نشوونما دہلی سے پہلے ہوا تھا، مگر دہلی کی ترقی نے اس کو چند روز کے لیے دبا دیا تھا، آخر آخر پھر اس نے سنبھال لیا اور جمال الدین تلہ، کمال الدین کشمیری، مفتی عبدالسلام، ملا عبدالحکیم سیال کوٹی وغیرہ مشاہیر کی وجہ سے ایک مدت تک علم کا چرچا رہا اور ان سے ہزاروں طلبہ فیض یاب ہوئے۔

جونپور میں سلاطین شرقیہ کی قدردانی سے شیخ ابوالفتح شہاب الدین دولت آبادی، مولانا الہداد، محمد افضل استاذ الملک، ملا محمود صاحب شمس بازغہ، دیوان عبدالرشید، مفتی عبدالباقی، ملا نورالدین جیسے باکمال علماء وقتاً فوقتاً ہوتے رہے اور ان کا سلسلۂ تلمذ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

گجرات میں شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی، ملا نورالدین وغیرہ نے علم کی آب یاری کی، اسی زمانے میں قاضی ضیاء الدین باشندۂ نیوتنی نے گجرات جا کر شیخ وجیہ الدین کے دامن تربیت میں پرورش پائی اور اپنے اہل وطن کے لیے یہ تحفہ لائے، ان سے شیخ جمال نے فائدہ اٹھایا، ان سے ملا لطف اللہ نے علم حاصل کیا، ان کے شاگردوں میں ملا جیون صاحب نورالانوار، ملا علی اصغر، ملا محمد امان، قاضی علیم اللہ بہت زیادہ نام ور ہوئے اور ہر ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس ہو گیا۔

الہ آباد میں شیخ محب اللہ، قاضی محمد آصف، شیخ محمد افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فاخر زائر، مولوی برکت، مولوی جاراللہ اور دیگر باکمال علماء نے ایک مدت تک سلسلۂ درس وتدریس کو گرم رکھا اور تقریباً ایک سو برس تک خوب چہل پہل رہی۔

لکھنؤ میں سب سے پہلے شیخ اعظم اس تحفہ کو جون پور سے لائے، اس کے بعد شاہ پیر محمد نے بزم افادہ گرم کی اور ان کے شاگرد ملا غلام نقشبند نے اس کو خوب رونق دی، اسی زمانے میں شیخ قطب الدین سہالوی کا بھی چرچا پھیلا ہوا تھا، جو

عبدالسلام دیوی اور محب اللہ الہ آبادی کے سلسلہ میں ایک نام ور عالم تھے، شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ان کے نامور فرزند ملا نظام الدین نے علم کے دریا بہادیے اور لکھنؤ کو علم کا مرکز بنادیا اور جو نصاب مقرر کیا، اس کو ہندوستان کے ہر ایک درس گاہ میں بسروچشم قبول کیا گیا، اسی خاندان میں ملاحسن، بحر العلوم، ملامبین، مفتی ظہور اللہ، مولوی ولی اللہ، مفتی محمد اصغر، مفتی محمد یوسف، مولوی نعیم اللہ، مولوی عبدالحکیم، مولوی عبدالحلیم، مولوی عبدالحی، وغیرہ ایسے ایسے باکمال مدرسین پیدا ہوئے، جن کا جواب کسی خاندان میں نہیں مل سکتا۔

نصاب کے چار ادوار:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سہولت کے لحاظ سے نصاب درس کے چار دور قائم کریں، اور جو جو کتابیں ہر دور میں مروج تھیں، ان کی تفصیل جہاں تک تاریخ سے، سیر سے، مشائخ کے طبقات سے، شعراء کے تذکروں سے اور مکتوبات و ملفوظات سے مل سکتی ہے، یکجا کردیں، دیکھنے کو تو یہ ایک ذرا سا کام ہوگا، مگر مختلف کتابوں کے ہزار ہا صفحے الٹنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں، جو ناظرین کے سامنے آج پیش کرتے ہیں۔

(۱)......دور اول: اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہئے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہوگیا تھا، کم وبیش دوسو برس تک مندرجہ ذیل فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی، صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، نحو مصباح، کافیہ، لب الالباب مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی (اور چند دنوں کے بعد ارشاد مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی)

فقہ-مجمع البحرین، قدوری اور ہدایہ۔

اصول فقہ میں منار اور اس کے شروح اور اصول بزدوی۔

تفسیر میں مدارک، بیضاوی، اور کشاف۔

تصوف میں عوارف اور فصوص (اور ایک زمانے کے بعد نقد النصوص ولمعات بھی ان مدارس میں رائج ہوگئ جو خانقاہوں سے متعلق تھے۔)

حدیث میں مشارق الانوار، اور مصابیح السنۃ (یعنی مشکوٰۃ المصابیح کا متن)

ادب میں مقامات حریری، زبانی یاد کی جاتی تھی، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے استاد شمس الدین خوارزمی سے (جو بعد کو شمس الملک ہوگئے) مقامات حریری پڑھی تھی اور اس کے چالیس مقامے زبانی یاد کیے تھے۔

منطق میں شرح شمسیہ۔

فن کلام میں، شرح صحائف اور بعض بعض مقامات پر تمہید ابوشکور سالمی۔

اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانے میں منطق وفلسفہ معیار فضیلت ہے، ویسا ہی اس زمانے میں فقہ اور اصول فقہ معیار فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہوجاتا تھا۔

(۲)......دور دوم: نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے، شیخ عبداللہ دہلی میں اور شیخ عزیز اللہ سنبھل میں فروکش ہوئے، سکندر لودی نے نہایت کشادہ دلی سے ان کا خیر مقدم کیا، یہاں تک کہ خود بادشاہ ان کے حلقۂ درس میں آکر شریک ہوتا تھا، اور اس خیال سے کہ اس کے آنے سے سلسلۂ درس برہم نہ ہوجائے، مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر ان کی تقریر سے محظوظ ہوتا رہتا تھا اور بعد فراغت کے شیخ عبداللہ کی خدمت میں جاکر ملاقات کرتا تھا۔

کچھ ان دونوں کے فضل وکمال اور کچھ بادشاہ کی قدردانی سے بہت جلد ان کی علمی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی، انہوں نے معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کرنے کے لئے قاضی عضد کی تصانیف مطالع ومواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم سلسلۂ درس میں داخل کیں، اور بہت جلد یہ کتابیں متداول ہوگئیں۔

اسی دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف کو رواج دیا اور تفتازانی کے شاگردوں نے مطول ومختصر کی بنیاد ڈالی اور تلویح وشرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔ اسی زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح ملا جامی بھی رفتہ رفتہ داخل نصاب ہوگئیں۔

اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نام ور عالم شیخ عبدالحق محدث ہندوستان سے عرب تشریف لے گئے، اور تین برس رہ کر علمائے حرمین محترمین سے حدیث کی تکمیل کی، اور اس تحفہ کو اپنے ساتھ لائے اور انہوں نے اور ان کی نام ور اولاد نے ہمیشہ اس کی اشاعت کی کوشش کی، مگر افسوس ہے کہ اس کو قبولیت عام حاصل نہیں ہوئی، یہ شرف زمانۂ مابعد میں جناب شاہ ولی اللہ کے واسطے رکھا گیا تھا، جو ان کو حاصل ہوگیا۔

اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات دریافت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانے میں صدرا اور شمس بازغہ منتہائیہ کتابیں سمجھی جاتی ہیں، اسی طرح اس زمانے میں مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضد کے مطالع ومواقف منتہائیہ کتابیں سمجھی جاتی تھیں، شیخ عبدالقادر نے منتخب التواریخ میں جابجا اس کا اشارہ کیا ہے، مفتی جمال خاں کے حال میں لکھا ہے ’’برشرحین مفتاح محاکمہ کردہ وعضدی را کہ کتاب منتہیائیہ است میگویند کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ‘‘ (جلد سوم منتخب التواریخ) شیخ حاتم کے حال میں لکھا ہے ’’می گفتند کہ قریب بچہل مرتبہ شرح مفتاح ومطول را از باء بسم اللہ تا تاء تمت درس گفتہ وبریں قیاس سائر کتب منتہائیہ۔‘‘

(۳)......دور سوم: نصاب درس میں جو تغیر دور دوم میں ہوا تھا، اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ گئی تھیں اور وہ معیار

فضیلت کو اس سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی ہو گئے تھے، اسی وجہ سے شاہ فتح اللہ شیرازی کے آتے ہی درسگاہوں میں نئی قسم کی چہل پہل نظر آنے لگی، دربار اکبری نے ان کو عضد الملک کا خطاب دے کر اپنی قدردانی کا ثبوت دیا اور علماء نے نصاب درس کے اس اضافہ کو فورا منظور کرلیا، جس کو شاہ فتح اللہ شیرازی نے پیش کیا تھا۔

مگر نہایت بے انصافی ہوگی، اگر ہم **شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی** کو اس موقعہ پر بھول جائیں، یہ بزرگ محقق دوانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے اور **سب سے پہلے متاخرین کی تصنیفات کو انہوں نے رواج دیا اور اس چشمۂ فیض سے صرف گجرات ہی سیراب نہیں ہوا بلکہ ان کی چھینٹیں وسط ہند تک پہونچیں**، قاضی ضیاء الدین نیوتنی کے باشندہ تھے، وہ گجرات سے یہ تحفہ لے کر آئے اور شیخ جمال نے ان سے حاصل کر کے دور دور تک پھیلایا، ملا لطف اللہ شیخ جمال کے ممتاز شاگرد تھے، ان سے ملا جیون صاحب نور الانوار، ملا علی اصغر، قاضی علیم اللہ، ملا محمد زمان وغیرہ نے حاصل کیا، جن میں کا ہر ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس تھا، یہ تو ہوا مگر اس درس کو قبولیت عام اس وقت حاصل ہوئی، جب شاہ فتح اللہ شیرازی نے اس کو رواج دیا اور ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہندوستان بھر میں پھیل گئے، اس لحاظ سے میر آزاد کا لکھنا بھی صحیح ہے۔

شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ ہجری نے (جو اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نام ور عالم تھے) الجزء اللطیف میں اپنی خواندگی یوں ظاہر فرمائی ہے۔

نحو میں کافیہ، شرح جامی، منطق میں شرح شمسیہ، شرح مطالع، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ، کلام میں شرح عقائد نسفی مع حاشیۂ خیالی، شرح مواقف، **فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ (کامل) اصول فقہ میں حسامی، اور کسی قدر توضیح تلویح**، بلاغت میں مختصر، مطول، ہیئت وحساب میں بعض رسائل مختصرہ، طب میں موجز القانون، حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری، تفسیر میں مدارک، بیضاوی، تصوف وسلوک میں عوارف ورسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات جامی، مقدمہ شرح لمعات، مقدمۂ نقد النصوص۔

اس قدر پڑھنے کے بعد شاہ صاحب عرب گئے اور وہاں کئی برس رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل فرمائی، اور ہندوستان کو یہ تحفہ لے کر آئے اور ایسی سرگرمی سے اس کی اشاعت فرمائی کہ باوجود کساد بازاری کے اب تک اس کا اثر باقی ہے، درحقیقت صحاح ستہ کے درس وتدریس کا ہندوستان میں رواج اسی وقت سے ہوا ہے، جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نام ور اخلاف نے اس کو رواج دیا اور اپنی اپنی عمر عزیز کا بیش بہا حصہ اس کی اشاعت میں صرف کر دیا۔

شاہ صاحب نے اپنی طرز کا ایک جدید نصاب بنایا تھا، مگر چوں کہ اس زمانے میں علم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہو چکا تھا اور تمام درس گاہوں میں منطق وحکمت کی چاشنی سے لوگوں کے کام وزبان آشنا ہو رہے تھے، اس نصاب کو قبولیت حاصل نہیں ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے نام ور بیٹوں نے زمانے کی روش سے مجبور ہو کر اس کو رواج دینے کی کوشش بھی نہیں کی۔

(۴)......دور چہارم: چوتھا دور بارہویں صدی ہجری میں قائم ہوا اور ملا نظام الدینؒ نے ایسے پرزور ہاتھوں سے

اس کی بنیاد رکھی کہ اب تک باوجود امتداد زمانہ کے اس میں کا ایک شوشہ بھی کم نہیں کیا گیا، ملا نظام الدین جناب شاہ ولی اللہؒ کے معاصر تھے، لہٰذا ان کے زمانے میں وہی کتابیں رائج تھیں، جو شاہ صاحب کے نصاب درس میں تھیں، ان پر ملا صاحب نے حسب ذیل ترمیم فرمائی۔

منطق میں بجائے شرح مطالع کے سلم العلوم، میر زاہد رسالہ، میر زاہد، ملا جلال، فلسفہ میں شمس بازغہ بڑھایا، کلام میں میر زاہد شرح مواقف، اصول فقہ میں بجائے حسامی کے نور الانوار، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ) تفسیر میں بجائے مدارک کے جلالین، اس نصاب کی ترمیم واضافہ کے بعد مندرجہ ذیل شکل قائم ہوئی۔

صرف میں میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ، نحو میں نحو میر، شرح مأۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی، منطق میں صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم، حکمت میں میبذی، صدرا، شمس بازغہ، ریاضی میں خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس، مقالہ اولیٰ، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغمنی باب اول، بلاغت میں مختصر المعانی، مطول تا ما ان قلت فقہ میں **شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین، اصول فقہ میں نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)**۔ کلام میں شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میر زاہد، شرح مواقف، تفسیر میں جلالین، بیضاوی، حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح۔

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امعان نظر اور قوت مطالعہ کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ طلبا میں (بشرطیکہ تحقیق کے ساتھ پڑھا ہو) قوت مطالعہ، دقت نظر، احتمال آفرینی اور قوت قریبہ پیدا ہو جاتی ہے، کسی فن میں طالب علم کو بالفعل کمال حاصل نہیں ہوتا، مگر وہ اپنے شوق اور جاں فشانی سے جس علم میں چاہے کمال پیدا کر سکتا ہے۔

میں نے تحقیق کے ساتھ پڑھنے کی قید اس واسطے لگائی ہے کہ اب طریقۂ تعلیم بگڑ گیا ہے، ملا نظام الدینؒ کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیتوں کا چنداں لحاظ نہیں کرتے تھے؛ بلکہ کتاب کو ایک ذریعہ قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے، اسی طرز تعلیم نے ملا کمال الدین، بحر العلوم، حمد اللہ، جیسے اہل کمال پیدا کیے تھے۔ (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں: ۲۱-۳۲)

ہندوستان میں جہاں جہاں مسلم حکومتیں قائم تھیں ان سبھی جگہوں پر تقریباً یکساں حالت اور ماحول کا سامنا تھا، اسی لئے عمومی طور پر ہندوستان میں تعلیمی نصاب اور طریقۂ تعلیم یکساں تھا۔ روزگار کی فراوانی اور اپنی تجارت کی وجہ سے تب بھی صوبہ گجرات کو ملک میں اہم مقام حاصل تھا۔ دیگر ممالک سے علماء دین، فقہاء، صوفیاء، درویش اور طلبہ وغیرہ یہاں آتے رہتے تھے۔ حضرت شاہ وجیہ الدین جیسے استاذ الاساتذہ اور دیگر نابغۂ روزگار یہاں جلوہ افروز تھے، جن کے مدرسوں کی ایک عالم میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ ان مدارس کی دینی تعلیم کی نور افشانی سے پورے صوبے میں اجالا پھیل رہا تھا، دینی اور دنیوی علوم کا چرچا گھر گھر تھا۔

علم فقہ: فقہ کی تدریس میں شیخ برہان الدین ابو الحسن علی المرغینانی کی تصنیف ''الهداية في الفروع'' آج کی

طرح اس دور میں بھی بے حد مقبول تھی۔ اس کے ساتھ قدوری کی ''المختصر''، ''مجمع البحرین'' اور ''کنز الدقائق'' بھی کافی مشہور کتب تھیں۔ شاہ وجیہ الدین علوی، قاضی محمد عیسی بن شیخ عبد الحمید جونا گڑھی اور شیخ حسین بن عمر الواعظی وغیرہ کے الھدایہ پر لکھے گئے حواشی طلباء میں کافی پسند کئے جاتے تھے۔ **شرح الوقایة** اس پر شاہ وجیہ الدین اور ملک احمد کے حواشی رکن الدین ناگوری اور ان کے لڑکے داود ناگوری کی مشترکہ تصنیف ''**فتاوی الحمادیة**''، قطب عالم صاحب کے شاگرد قاضی جگن کی تصنیف کردہ کتاب ''خزانة الروایات'' بھی کافی اہم سمجھی جاتی تھیں۔

اصول فقہ: اس عنوان پر ''**اصول الحسامی**'' کافی اہم گردانی جاتی تھی۔

''**کنز الوصول الی معرفة الاصول**'' ''**غایة التحقیق**'' اور ''**مجموعات الاصول**'' (شیخ محی الدین پٹنی) وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

برصغیر میں علم فقہ:

ابتدائی صدی ہجری میں ہی اسلام کے لیے ترقی وتقدم کی راہیں کھل گئی تھیں اور اس نے بحر وبر کے دور دراز فاصلوں کو طے کرکے برصغیر پاک وہند کو بھی اپنی آغوش شفقت میں لے لیا تھا۔ پھر یہاں بھی مختلف اسلامی علوم نے اپنے لیے جگہ بنائی، مفسرین پیدا ہوئے، محدثین نے بساط علم حدیث بچھائی اور فقہاء نے بھی فہم وادراک کی مسندیں آراستہ کیں اور کتاب وسنت کی ضیا پاشیوں کی وساطت سے اپنے ملکی ماحول کے مطابق پیش آئند مسائل کی گرہ کشائی کی، کتابیں لکھیں، مدرسے قائم کیے اور وعظ وارشاد کی محفلیں سجائیں۔ غرض ہر طریق اور ہر نہج سے اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔

جب سے برصغیر اسلام سے روشناس ہوا ہے، اس میں بے شمار علماء وفقہاء پیدا ہوئے، کچھ باہر سے تشریف لائے اور کچھ اسی سرزمین سے عالم وجود میں آئے، یہاں کے ہزار سالہ دور اسلامی میں، اس ملک نے متعدد حکمرانوں کو دیکھا اور انقلاب وتغیر کی مختلف لہروں سے اس کو دوچار ہونے کا اتفاق ہوا؛ لیکن اس میں ایک چیز نمایاں رہی، وہ یہ کہ ہر دور میں اور ہر عہد حکومت میں، یہاں مختلف النوع علوم وفنون کا ہمیشہ چرچا رہا۔ بالخصوص حدیث وفقہ نے اس خطہ ارض میں خوب ترقی کی اور علمائے عظام کی ایک مضبوط جماعت ہر دور میں علم وحکمت کے موتی رولنے میں مصروف عمل رہی۔

برصغیر پاک وہند کی علمی وفقہی شخصیتوں میں کچھ وہ بزرگان دین بھی ہیں جو دوسرے ملکوں سے یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے اور علوم وفنون کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور کچھ وہ حضرات گرامی قدر ہیں، جو اصلاً یہاں کے باشندے ہیں؛ لیکن ان کو علمی شہرت وناموری کا تاج دوسرے اسلامی ملکوں نے پہنایا۔

بہر حال اسلام کے عہد آغاز ہی میں یہ خطہ ارض، علماء وفقہاء سے متعارف ہوگیا تھا اور یہاں کی فضا نے ابتدا ہی سے علوم شرعیہ سے تاثر پذیری کی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کرلی تھیں اور پھر اسی دور میں اہل علم نے اپنے آپ کو علمی مساعی کے

لیے وقف کر دیا تھا۔ چناں چہ بہت سے علمائے کرام نے متعدد ملوک وسلاطین اور امرا و وزرا کے عہد میں، مختلف علوم وفنون پر کتابیں تصنیف کیں، جن کی تفصیلات کا یہ محل نہیں؛ کیوں کہ ہمارا مقصد ان کی ہر نوع کی علمی کوششوں کا استقصاء نہیں، فقط ان کی فقہی تصنیفات کا تذکرہ مقصود ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ سرزمین پاک وہند نے اگرچہ تمام مسالک فقہی کے علماء وفقہاء کی پذیرائی کی اور ہر مسلک سے منسلک علماء نے اپنے اپنے دائرے میں علمی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں؛ لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ زیادہ فروغ یہاں فقہ امام ابوحنیفہؒ کو ہوا۔

ہندوستان میں سلطنت کے دور کی فقہی خدمات:

فتاوی کے مجموعے فقہی تخلیقات کا اہم حصہ ہیں، فن فتاوی میں عہدِ سلطنت کے علماء نے دلچسپی لے کر انتہائی قیمتی معلومات فراہم کیں جو بعد کے دور میں مراجع ومصادر کے طور پر استعمال میں آتی رہیں، اس دور کا قدیم ترین مجموعۂ فتاوی عربی زبان میں ''**الفتاوی الغیاثیه**'' کے نام سے معروف ہے، اس کے مصنف شیخ داود بن یوسف الخطیب ہیں، انہوں نے اسے سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۷ء) کے نام معنون کیا تھا، بعد کے ادوار میں فتوی نویسی کا رواج ورجحان جاری رہا، خصوصا فیروز شاہ تغلق کا عہد اس فن کے استحکام کے لیے معروف ہے، چنانچہ فتاوی فیروزشاہی (بزبان فارسی) اور فتاوی تاتارخانی (بزبانی عربی) اس دور کی اہم ترین یادگار ہیں، ان دونوں مجموعوں میں بے شمار ان سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے، جو اس دور میں حل طلب تھے، عہد سلطنت میں مرتب ہونے والے دیگر مجموعہ ہائے فتاویٰ کے نام حسب ذیل ہیں: شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق الغزنوی الحنفی (م: ۷۷۳ھ/۱۳۷۱ء) کی ''**فتاوی قاری الهدایه**''، قاضی نظام الدین جون پوریؒ (م: ۸۷۴ھ/۱۴۶۹ء) کی ''**فتاوی ابراهیم شاهی**'' قاضی جگن گجراتی (م: ۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء) کی ''**خزانة الروایات**'' ہے۔

عہد مغلیہ میں فقہ وفتاوی پر توجہ:

برصغیر ہندوپاک پر مغل حکمرانوں کی حکومت تقریباً سوا تین سو سال (۱۵۲۶-۱۸۵۷ء) تک قائم رہی، یہ عہد سیاسی، حکومتی اور تہذیبی اعتبار سے گوناگوں خوبیوں کا حامل ہے، مغل حکمران روایتی اور عقلی علوم کے سرپرست وشیدائی رہے، انہوں نے فقہ کو اپنی دلچسپی کا موضوع بنایا، چنانچہ ترک سلاطین کی طرح مغل حکمرانوں نے بھی فقہاء کو اپنے دربار سے قریب رکھا تاکہ ان کی رہنمائی میں شرعی مسائل حل کر سکیں۔

عہدِ مغلیہ میں علماء کی بحث وتمحیص کا موضوع یہ مسئلہ بھی رہا کہ کسی مخصوص مکتب فکر کا عامل دوسرے مکتب فکر سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو علماء کرام کی تحریریں ملتی ہیں، ان میں سے ایک حمید بن عبداللہ ابراہیم السندیؒ (م ۱۰۰۹/۱۶۰۰ء) ہیں جنہوں نے ''**القول الحسن فی جواز الاقتداء بالامام الشافعی فی النوافل**

والسنن" لکھی، دوسرے عالمِ دین رحمت اللہ سندھیؒ (۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء) ہیں، آپ نے "رسالہ فی الاقتداء بالشافعیہ والخلاف بذٰلک" لکھ کر اس موضوع کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی، بعد کے دور میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس مسئلہ کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

عہدِ مذکور کی فقہی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ بعض کتابوں میں فقہ حنفی اور اس کے بانی امام ابوحنیفہ کی عظمت کا اظہار ہوا ہے۔

علم فقہ کے ان مختلف النوع مسائل ومباحث کے علاوہ علماء ہند نے عہدِ مغلیہ میں شروح وحواشی کی تیاری میں گہرے نقوش چھوڑے۔

اورنگ زیبؒ کی وفات سے عہدِ مغلیہ کا زوال شروع ہوتا ہے، بعد کے نااہل حکمرانوں اور مرکزی ریاست کی کمزوری نے سیاسی میدان میں جمود وتعطّل اور انارکی وبے چینی کی فضا عام کردی، لیکن علمی فضا پر اس رویے کا ناخوشگوار اثر رونما نہیں ہوا، اورنگ زیبؒ کی وفات کے بعد کے عبوری دور (۱۷۰۷-۱۸۵۷ء) میں بعض ممتاز علماء نے اسلامی علوم خصوصاً فن فقہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔

مابعد مغلیہ عہد کے علماء کرام ہمیشہ کی طرح سماجی مسائل کے حل کرنے میں لگے رہے، جس کا اندازہ فتاوی کے مجموعوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، لیکن دوسری طرف انہوں نے نئے مسائل کے لیے الگ الگ تصنیفات بھی قلم بند کیں۔
(برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات ومطبوعات ایک مطالعہ: ص: ۳۲-۴۲)

سلطنت مغلیہ کے بعد فتویٰ:

سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد فتوی کا کام مدارسِ دینیہ کی طرف منتقل ہوگیا اور اب بھی یہ کام دینی مدارس ہی میں ہوتا ہے، اس لئے کہ دینی مدارس ہی دین اور تعلیماتِ نبویہ کے آماجگاہ ہیں۔

جنگِ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ اور فتویٰ کے کام کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی کے جانشین علماء نے سنبھالا، ان میں اکابر علمائے دیوبند: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، جن کے فتاوی مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ (فتاوی محمودیہ: مقدمہ، ص: ۱/ ۱۱۵)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی باقاعدہ حکومت کے قیام کے بعد ہی مسلمانوں کی عمرانی وسیاسی زندگی میں علماء کا کردار شروع ہوگیا تھا اور نازک مرحلوں پر مسلمانوں کی بقاء صرف علماء کی کاوشوں کی رہین منت ہے، مسلم دور حکومت کے بالکل آغاز ہی سے یہاں مسلمانوں کے اونچے لوگوں کا ایک مختصر طبقہ تھا جو عموماً علماء اور مذہبی لوگوں، اہل قلم اور اہل سیف سپاہیوں پر مشتمل تھا، یہ سب طبقات مختلف طریقوں سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے استحکام جیسے عظیم

کام کے لئے خدمات انجام دے رہے تھے، اور انہیں خدمات کے مطابق صلہ بھی پاتے تھے، عہد وسطی کے مسلم سماج میں علماء کا اثر ورسوخ بہت زیادہ تھا، ریاست کی طرف سے انہیں صدر الصدور، شیخ الاسلام، قاضی، مفتی، امام، خطیب وغیرہ کے عہدے دیئے جاتے تھے، یہ عہدے ریاست سے تسلیم شدہ تھے۔

قضاء کی اہم ذمہ داری اور ایک قابل عمل سنت ہے، یہ شعبہ اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا، جب انتظام کا سکّہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کئے، اس کے ساتھ قضاء کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا جو حضرت ابوموسی اشعریؓ گورنر کوفہ کے نام تھا۔

عہد سلطنت میں دیوان قضاء ایک اہم ادارہ تھا اور یہ عام طور سے دوسرے مسلم ملکوں جیسا ہی تھا، خصوصا عباسیوں جیسا۔ عہد مغلیہ میں بھی نظام عدل روایتی مسلم اداروں جیسا ہی تھا، قاضیوں کے تقرر کی تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی کے تقرر کے لئے کوئی قطعی اور حتمی اصول نہیں تھا؛ ہاں تقرر کے وقت اہلیت کو ترجیح ضروری جاتی تھی، دہلی سلطنت میں قاضیوں کا تقرر براہ راست مرکز سے ہوتا تھا اور وہ حاکموں کے دائرہ اختیارات سے کلّاً آزاد ہوتے تھے، اورنگ زیب ہر سطح پر قاضیوں کی تقرری میں بہت دلچسپی لیتا تھا، واقعات عالم گیری کے مصنف کے مطابق سلطنت اور عہدوں پر تقرری کے مقابلہ میں قاضیوں کی تقرری میں اورنگ زیب زیادہ وقت دیتا تھا۔ اگر غور کیا جائے تو خلفاء کے دور سے لیکر مغلیہ عہد تک قضاء کے شعبے میں تبدیلیاں تقرریاں نظر آتی ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں کسی طرح کی اقرباء پروری نہیں ملتی، اسی طرح دہلی سلطنت میں کسی کی سفارش سے تقرریاں نہیں ہوتی تھیں؛ بلکہ قاضیوں کا تقرر براہ راست مرکز سے ہوتا تھا، مغل دور حکومت خصوصاً عہد اورنگ زیب میں قاضی کا عہدہ موروثی ہو چکا تھا اور ایک خاندان طویل عرصے تک قاضی کے عہدے پر فائز رہتا تھا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ خطبۂ پرسنل لا بمقام احمد آباد میں تحریر فرماتے ہیں:

گجرات کا فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے، یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جونہر والہ کے مفتی تھے، فقہ حنفی کی دوسو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر ''فتاوی حمّادیہ'' تصنیف کی، جس کے حوالے فتاوی عالمگیری میں جا بجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (م: ۹۹۹ھ) کا ذکر کئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، علامہ قاضی شوکانی صاحب ''نیل الأوطار'' نے اپنی کتاب ''البدر الطّالع'' میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں، جن کے فضل وکمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا، اور جن سے استفادہ کو باعث فخر وشرف سمجھا گیا، وہ زیادہ تر علمائے گجرات تھے، وکفی بہ فخراً وشرفًا۔

علوم دینیہ بالخصوص فقہ وقضاء وافتاء کی صلاحیت میں علمائے گجرات کے امتیاز واختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنتِ دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز واختصاص سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو ''قاضی القُضاۃ'' کے عہدہ پر فائز کیا، قاضی شیخ الاسلام گجراتی دار الملک دہلی کے قاضی تھے، ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کو مجبور کر کے اقضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا، اس عہدۂ

جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق بات کے ظاہر کرنے میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چُوکے، اُن کے بعد اُن ہی کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۴ھ میں اُن کی جگہ ''اقضی القُضاۃ'' کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے، عہد عالمگیری میں دہلی کے اقضی القُضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا، اس کے علمی وفنّی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

شخصی، خاندانی وموروثی سلطنت کے دور میں والیانِ سلطنت اور اُن کے وزراء کا نہ صرف مُتّبع شریعت وسنت ہونا، بلکہ صلاح وتقویٰ میں اور شرع ودین کی واقفیت میں ممتاز ہونا، پوری قلمرو، زیر حکومت علاقہ، اور خواص وعوام کے طبقہ پر اثر انداز ہوتا ہے، اور اس سے پوری قلمرو میں دین کا احترام اور شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ اور رُجحان پیدا ہوجاتا ہے، اس سلسلہ میں بھی گجرات کو ایک محدود لیکن طویل مدت تک یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہاں بعض ایسے سلاطین صاحبِ اقتدار اور فرمانروائے ملک رہے ہیں، جن کی نظیر کم سے کم ہندوستان کے صوبوں کی تاریخ اور سلاطین وقت کی سوانح (سلطان محی الدین اورنگ زیب کو مستثنٰی کر کے جن کو بعض فضلائے عرب نے ''سادس الخلفاء الراشدین'' کا لقب دیا ہے) میں مشکل سے ملتی ہے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں مُظفّر شاہ حلیم گجراتی (م ۹۳۲ھ) کی ذات ہے، مولانا سید عبدالحیٔ صاحبؒ، اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فضل وکمال کے ساتھ تقوی وعزیمت کی دولت بھی اس نے خداداد پائی تھی، تمام عمر نصوصِ احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ باوضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے۔''

اُن سلاطین میں بعض ایسے سلاطین بھی گذرے ہیں، جن کی خدمتِ دین، اشاعتِ علم اور اس کی سرپرستی کا دائرہ گجرات ہی کے حدود سے نہیں بلکہ ہندوستان کے حدود سے بھی نکل کر مرکز ومصدر علم دین ''حجاز مُقدّس'' تک وسیع تھا، **وكفى به فخراً وشرفاً۔**

مولانا سید عبدالحیٔ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''محمود شاہ دوم (م ۹۶۱ھ) کی توجہ وسرپرستی سے مکہ معظّمہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ باب عُمرہ سے متصل قائم کیا گیا، جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عزالدین عبدالعزیز زمزمی وغیرہ علمائے مکہ، تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، علاوہ اُس کے کئی رباط اور مکتب مکہ معظّمہ میں تعمیر کئے گئے۔

محمود شاہ نے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے خلیج کنبایہ (کھمبایت) میں ایک بندرگاہ کی آمدنی محض حرمین محترمین میں رہنے والوں کے واسطے وقف کردی تھی، یہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدّہ بھیجا جاتا تھا، اور اُس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا، وہ خزانۂ شاہی سے دیا جاتا تھا، اس مال کے فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی، وہ سب اہلِ حرمین محترمین پر تقسیم کردی جاتی تھی۔''

حضرات! ان قابلِ فخر تاریخی حقائق اور گجرات کے شاندار علمی و دینی دور کا تقاضہ ہے کہ حفاظت و حمایتِ شریعت بلکہ غیرتِ دینی و حمیتِ اسلامی کا جو قدم ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اُٹھایا جائے، اور مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنے، جس میں وہ عائلی قانون (پرسنل لا) بھی داخل ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت کے نصوص، آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ہے، اور اپنے معاشرتی معاملات، ازدواجی وعائلی زندگی کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے سلسلہ میں شرعی وقانونی طور پر خود کفیل ہونے، اور اپنے تشخّص کو برقرار رکھنے کی دعوت دی جائے، تو اہل گجرات اس پر لبیک کہیں اور اس کے لئے اپنے صوبہ کی فضا کو موافق ومعاون بنائیں، بلکہ اس کی کامیابی اور نفاذ کے لئے اگر ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی صدا لگائی گئی ہے، اور اس کے لئے جدّ وجہد شروع کی گئی ہے تو اس کے ساتھ پورا تعاون واشتراک کریں۔

فقہائے گجرات اور ان کی تصنیفات

ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین مفتی ناگوری جونا گپور کے مفتی تھے، انہوں نے بمقام نہروالہ اپنے قیام کے دوران گجرات کے قاضی القضاۃ قاضی حماد الدین احمد بن قاضی اکرم کی فرمائش پر اپنے بیٹے داود کی مدد سے الفتاوی الحمادیہ لکھی، اس کتاب میں جن تصانیف کا حوالہ دیا گیا ہے یا جن تصانیف میں اس کتاب کا حوالہ ہے ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی کے اواخر میں یا نویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے، مصنف نے ان کتابوں کی طویل فہرست درج کی ہے جن سے انہوں نے اپنی کتاب مرتب کرنے میں استفادہ کیا ہے، یہ ایک معتبر تصنیف ہے اور فتاوی عالم گیری میں بھی اس کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

یہ کتاب مخطوط شکل میں بانکی پور (۱۹-۱: ۱۷۲۳) فہرست عربی مخطوطات دہلی، انڈیا آفس لنڈن (۸۱۵) خدیدی کتب خانہ قاہرہ (۳/ ۸۸) رامپور (۲۲۲) بنگال (۱۴) کتب خانہ کلکتہ مدرسہ (۴۱) کتب خانہ انڈیا آفس (۱۶۸۹-۱۶۹۱) میں موجود ہے۔

اور گجرات ہی کے ایک ممتاز عالم قاضی جگن گجراتی کی ترتیب دی ہوئی کتاب خزانۃ الروایا تھے جو فقہ حنفی کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے، یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے، شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے، اس میں انہوں نے علم اور علماء کی فضیلت بیان کی ہے، وہ خود حنفی تھے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وفضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے، انہوں نے فتاوی اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے، یہ کتاب مخطوط شکل میں دہلی (۱۴۳۷) فہرست دینی کتب خانہ استنبول (۶۰۵) فہرست کتب خانہ نوری عثمانیہ استنبول (۱۵۲۰) فہرست کتب خانہ عشیر آفندی استنبول (۳۲۶) بوہار (۲/ ۱۵۶) بانکی پور (۱۹-۱: ۳۹) رامپور (۱۷۲) آصفیہ (۲/ ۱۰۸۴) میں موجود ہے۔

قاضی نظام الدین احمد بن محمد جیلانی: یہ بھی ایک جید عالم تھے، گجرات میں پرورش پائی، اس میں اختلاف ہے کہ ان کا تعلق نویں صدی سے تھا یا دسویں صدی سے، اردو کے مشہور ماہنامہ ''المعارف'' اعظم گڑھ بابت مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۴۷ پر شائع شدہ ایک مضمون کے مطابق انہوں نے ایک کتاب فتاوی ابراہیم شاہ شرقی کے لئے لکھی تھی، محمد عبدالاول جونپوری نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہاب الدین دولت آبادی کے ہم عصر تھے اور ان کی قبر جونپور میں موجود ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ فتاوی ابراہیم عادل شاہ کے نام معنون کی گئی ہے۔

مذکور کتاب فتاوی ابراہیم شاہیہ بوہار عربی مخطوطات فہرست (۱۵۹/۲) بانکی پور (۵۲-۱۷۴۹) آصفیہ (۲: ۱۰۵۲-۳: ۴۴۲) رامپور (۲۲۱) انڈیا آفس (۴-۱۷) میں موجود ہے، نیز اس پر حافظ نذیر احمد جریدہ کا مختصر نوٹ ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال (۴۶) میں موجود ہے۔

شاہ وجیہ الدین گجراتی نے **حاشیة علی شرح الوقایه**، بوہار (۱۶۴) رامپور (۱۸۶) **حاشیة علی التلویح** ندوة العلماء لکھنؤ (۱۲۷) **حاشیة علی اصول البزدوی** تذکرہ علماء ہند (۲۵۰) اور **حاشیة علی الشرح العضدی علی المختصر لابن حاجب** تحریر فرمائی۔

شیخ عبداللطیف بن جمال بن حامد نہروالی نے ابراہیم بن موسیٰ طرابلسی کی کتاب **مواهب الرحمٰن** کی شرح لکھی، جو بشکل مخطوط بانکی پور (۱۷۴۳) میں موجود ہے۔

قاضی محمد عیسیٰ بن شیخ عبدالماجد صدیقی جونا گڑھی، یہ جونا گڑھ کے قاضی تھے اور اسلامی علوم پر بہت عبور رکھتے تھے، انہوں نے فتح القادر شرح الہدایہ لکھی، اس کا صرف ایک حصہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے پاس تھا، جو ان کی اولاد میں سے ہے۔

شیخ نورالدین بن شیخ محمد احمد آبادی نے **حاشیة علی التلویح، حاشیة علی شرح الوقایه** اور **حاشیة علی شرح المطالع** تصنیف فرمائی، ان کتابوں کا تذکرہ رحمن علی لکھنوی نے تذکرۂ علماء ہند میں کیا ہے۔

نعمت اللہ بن طاہر نہروالی نے صلوۃ التراویح **(الطاهرية)** تالیف فرمائی جو اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری کے اورینٹل سیکشن کی فہرست (۶۵۴) میں درج ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابیں اس فن میں لکھی گئی جیسے فیض الحسن بن نورالحسن سورتی گجراتی نے **فرح شاهی شرح خلاصة الکیدانی**، فتاوی نقشبندیہ، قاضی عیسیٰ بن عبدالرحیم گجراتی نے مسئلۂ سماع پر سب سے زیادہ مفصل اور نافع کتاب عربی زبان میں لکھی، اسی طرح بندوق کی گولی سے مرے ہوئے جانور کے حکم کے متعلق ایک کتاب شیخ محمد بن یوسف سورتی کی ہے، شیخ عبدالقادر بن عبدالاحد باعکظہ شافعی سورتی نے **تحفة المشتاق فی احکام النکاح والانفاق** اور شیخ ابراہیم بن عبداللہ باعکظہ شافعی سورتی نے **تحفة الاخوان** لکھی۔

اصول فقہ میں شیخ احمد بن سلیمان گجراتی نے حاشیہ بر حاشیہ ملا عبدالحکیم، شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری گجراتی نے **المواھب الالھی شرح اصول ابراھیم شاھی**، علم الفرائض میں شیخ محمد ہاشم سامرودی سورتی نے **جوھر النظم** تحریر فرمائی اور ایک جامع کتاب اردو زبان میں بھی تحریر فرمائی۔

''حدیث میں مولانا عبدالملک کے ممتاز شاگردوں میں مولانا کمال محمد عباسی (مفتی اجین، مالوہ) نام خاص طور سے قابل ذکر ہے''۔ (معارف اکتوبر ۱۹۵۰، ص: ۲۸۴)

مولانا کمال محمد عباسی مفتی اجین کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اسے ہم یہاں بعینہ نقل کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ ان کی زندگی کتنی مرتب اور منضبط تھی۔

''شیخ کمال محمد عباسی گجراتی ایک بڑے عالم اور مفتی تھے جو فقہ، اصول اور عربیت کے ممتاز اور ماہر علماء میں تھے، احمد آباد میں ان کی پیدائش ہوئی اور یہیں نشو ونما پائی، بچپن ہی سے علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجراتی کی درسگاہ میں حصول علم میں مشغول ہوگئے اور زمانہ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر کسب کمال کرتے رہے اور اپنے ہم عصروں سے گوئے سبقت لے گئے، علامہ وجیہ الدین ہی سے طریقت وسلوک کی تعلیم حاصل کی اور حدیث کی سند شیخ عبدالملک بمبانی سے لی۔

اس کے بعد وہ احمد آباد سے ۹۸۰ھ/ ۱۵۷۲ء میں اجین چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی اور شیخ اولیاء بن سراج کالپوی کی صاحب زادی سے عقد کیا اور **افتا کے منصب پر فائز ہوئے اور تیس برس تک تدریس وافتاء کی خدمت میں مشغول رہے**۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۳۱۶، ۳۱۷)

''مولانا عبدالملک عباسی کا شمار ان محدثین کرام میں سے ہے جنہوں نے ساری عمر اسی فن شریف کی خدمت میں صرف کی''۔ (یاد ایام یعنی تاریخ گجرات ص ۵۵)

لیکن اگر قرطاس وقلم کا مشغلہ نہ بھی رہا ہو تو کیا یہ کم ہے کہ وہ درس حدیث میں بڑے ممتاز اور فائق تھے، اور ان کے درس وتدریس کی وجہ سے احادیث کی بڑی نشر واشاعت ہوئی۔

دوسرے علوم سے شغف: حدیث میں جس طرح استاذ زمانہ اور عالی رتبہ تھے، تفسیر میں بھی کمال حاصل تھا اور فقہ وعربیت میں بھی یکتا تھے، مولانا عبدالحی رائے بریلوی لکھتے ہیں:

له مشاركة جيدة في الفقه والحديث والتفسير والعربية. (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۱۸)

اہم تاریخ جو کہ سلطان محمود بیگڑہ ہی کے دور میں مکمل ہوئی وہ **ملک القضاۃ مولانا فیض اللہ بنبانی** کی تاریخ صدر جہاں ہے۔ اگرچہ یہ تالیف طبقات کی شکل میں مرتب کی گئی ہے؛ لیکن مؤلف کے عہدۂ صدر جہان کی رعایت سے تاریخ صدر جہان کے نام سے جانی جاتی ہے، **مؤلف کے بیان کے مطابق ان کے اجداد سلطنت گجرات کے آغاز ہی سے سلطان کے دربار سے وابستہ رہے اور علوم اسلامی میں شغف اور دسترس حاصل ہونے کی وجہ سے صدر جہاں اور قاضی القضاۃ کے**

عہدوں پر سرفراز رہے۔مولانا فیض اللہ بنبانی صدر جہان تھے اور اپنے علمی تجر اور شائستگی کی بنا پر ہندوستان کے دوسرے سلاطین کے درباروں میں سفیر کی حیثیت سے بھی بھیجے جاتے تھے۔۱۵۰۱ء میں جب وہ صلح کے معاہدے کی تکمیل کے لئے بیدر گئے تو وہاں اپنے کئی ماہ کے زمانۂ قیام میں طبقات محمود شاہی یعنی تاریخ صدر جہان کو پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

حضرت سید محمد جعفر بن حلال بدر عالم (م ۱۶۷۵)

آپ تفسیر وحدیث نیز دیگر کئی موضوعات مثلاً اوراد و وظائف اور سوانح پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی ایک اور کتاب اعمال الصلاۃ المخصوصۃ بالسادات کا قلمی نسخہ درگاہ پیر محمد شاہ میں موجود ہے۔اس کی سب روایات حنفی مذہب کے مطابق ہیں۔

قاضی عیسیٰ بن عبدالرحیم احمد آبادی (م،۱۰/ربیع الاول/ ۹۸۲ھ ۳۰/جولائی/ ۱۵۷۴)

سولہویں صدی کے اس گجراتی عالم دین کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہیں،آپ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) سے تعلق رکھتے ہیں جس میں گجرات میں خصوصاً علوم دینیہ کی خوب ترقی ہوئی تھی اور کثرت سے علماء دین نے تالیفات چھوڑی ہیں، کتاب خانۂ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں آپ کے دو رسالوں کے قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں جن میں سے ایک ''رسالہ در باب سماع'' ہے۔**اس میں سماع الغنی کے موضوع پر عربی میں بحث ملتی ہے**۔اس میں قاضی عیسی کی تاریخ ولادت ۲۰ ربیع الاول ۹۱۵ھ (۸ جولائی ۱۵۰۹ء) اور تاریخ وفات ۱۰ ربیع الاول ۹۸۲ھ (۳۰ جولائی ۱۵۷۴ء) بتائی گئی ہے۔قطعۂ تاریخ وفات:

رفت عیسی قاضی از عالم — برد با خویش نام استادی
سال تاریخش از قضا جستم — گفت قاضی احمد آبادی

مفتی بہاء الدین عبدالکریم (م ۱۶۰۵)

آپ مفتی قطب الدین نہروالی کے برادرزادہ تھے۔ بہاء الدین عبدالکریم کی ولادت احمد آباد میں ۱۵۵۴ میں ہوئی تھی، جب آپ کے والد یعنی مفتی قطب الدین کے بھائی محب الدین بن علاء الدین ہجرت کر کے مکہ گئے تو نوعمر بیٹے عبدالکریم کو بھی ساتھ لے گئے۔آپ نے شروع میں اپنے چچا اور مکہ کے مفتی قطب الدین سے درس لیا اور ابن حجر ہیثمی سے بھی فیض اٹھایا، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو مدرسۃ المرادیۃ میں مدرس اور **بعد میں مکہ کا مفتی اور ۱۵۸۲ میں حرم شریف کا امام بھی بنایا گیا تھا**۔

مفتی بہاء الدین عبدالکریم درس، **فتاوی نویسی** اور امامت کی خدمت کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے تھے۔آپ نے صحیح البخاری کی ایک شرح **الانہر الجاری علی صحیح البخاری** تصنیف کی تھی۔اس کے علاوہ اپنے چچا مفتی قطب الدین کی حرم شریف کی تاریخ کا اختصار بھی کیا تھا جس کا نام **اعلام العلماء الاعلام ببناء المسجد الحرام** ہے۔

سید غضنفر بن جعفر نہروالی (م ۱۵۹۱) گجرات میں نہروالہ پٹن کے باشندے سید غضنفر بن جعفر بھی اپنے ہم عصر مفتی بہاء الدین عبدالکریم کی طرح یہاں سے ہجرت کر کے حجاز میں بس گئے تھے۔ آپ نے مکہ میں میر کلاں محدث اکبرآبادی جیسے جید عالم حدیث سے مشکاۃ المصابیح کا درس لیا تھا۔ ملا علی قاری اس درس میں آپ کے ہم جماعت تھے۔ سید غضنفر نے **تعلیم سے فراغت کے بعد مکہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی تھی۔ وہاں کے آپ کے تلامذہ میں شیخ احمد شہناوی، مفتی حرم شیخ عبدالرحمن اور شیخ عبدالقادر المکی کا شمار ہوتا ہے۔**

گجرات کی تمدنی تاریخ مصنفہ مولانا سید ابوظفر ندوی کے حوالے (ص ۱۴۵) سے پتہ چلتا ہے کہ گجرات کے سلطان احمد شاہ اول (۱۴۱۱-۱۴۴۲) نے اپنے عہد میں اور شہروں کے علاوہ مہائم میں بھی محلات تعمیر کئے تھے۔ حضرت شیخ مخدوم مہائمیؒ (م ۱۴۳۲) **کو سلطنت گجرات کی جانب سے مہائم کے مسلمانوں کا قاضی مقرر کیا گیا تھا۔**

اپنے وقت کے قابل ذکر عالم حدیث عمر بن محمد دمشقی (م ۱۴۹۴) کو کھمبایت کے مقامی حاکموں نے اس شہر کا شافعی مسلک کے باشندوں کا قاضی بنایا تھا۔

اختیار خاں:

ان کا اصل نام معلوم نہ ہوسکا، گجرات میں اعلیٰ اور بلند مرتبہ کے افسر کو ''خان جیو'' کہتے تھے، اور آج بھی باپو جیو، یا صرف باپو کہتے ہیں، ان کے نام کے ساتھ بھی خان جیو لگا ہوا تھا، اختیار خاں خطاب تھا، نڑیاد کے باشندے تھے، اسی جگہ پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام داود تھا، صدیقی خاندان سے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آباء واجداد کہیں باہر سے آئے تھے، ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اہل علم تھے، کئی پشت سے قاضی ہوتے چلے آرہے تھے، ایسے گہوارۂ علم وکمال میں ان کی تعلیم ہوئی، ابتدائی کتابیں تو گھر پر پڑھیں، اور تعلیم کی تکمیل دوسری جگہ جا کر کی، افسوس ہے کہ ان کے اساتذہ کا علم نہ ہوسکا۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ)

شیخ حسین بن عمر العریضی شارح ہدایہ، قاضی عماد الدین ظہیر الشرع قاضی بڑودہ، قاضی القضاۃ محمد اکرم قاضی نہروالہ، قاضی القضاۃ جمال الدین قاضی نہروالہ، مفتی رکن الدین ناگوری صاحب فتاوی حمادیہ، مفتی داود مفتی نہروالہ، قاضی اسمٰعیل اصفہانی قاضی احمد آباد، قاضی جگن صاحب خزانۃ الروایات، قاضی برہان الدین بہروانی، الفقیہ حسن العرب۔ (یاد ایام: ۷۷)

میں نے چند حضرات کے اسمائے گرامی پیش کردینے پر اکتفا کی ہے، جو شاہان گجرات کی فیاضانہ کشش سے گجرات تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے، ان حضرات کے فضل وکمال کی داستانیں بیان کرنا اس مختصر مضمون میں دشوار ہے۔

شیخ احمد کھٹو:

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ شیخ احمد کھٹو جو گجرات کے سرمایۂ ناز تھے، ان سے ایک نہیں بیسیوں کرامتیں صادر ہوئیں اوران کو مورخین گجرات نے بڑے آب وتاب سے نقل کیا ہے، مگر یہ نہیں بتایا کہ ان کا مبلغ علم کیا تھا، اوران سے اہل

گجرات کو کس کس طرح سے فائدہ پہونچا، جب یہی بزرگ سفرحج سے واپس ہوتے ہوئے سمرقند پہنچتے ہیں اور اصول فقہ کے ایک ایسے مسئلہ پر علماء گفتگو کررہے ہیں اور حل نہیں ہوتا، یہ تقریر کرتے ہیں تو غل مچ جاتا ہے، لوگ ان کی طرف دوڑتے ہیں اور ان کو صدر مجلس میں جگہ دیتے ہے، مگر جب یہی بزرگ ہندوستان کی زمین پر قدم رکھتے ہیں تو فضل وکمال سے ان کو کچھ سروکار باقی نہیں رہتا۔ (یادایام: ۹۳)

علامہ وجیہ الدین علوی:

علامہ وجیہ الدین بن نصراللہ علوی گجرات کے ان برگزیدہ علماء میں ہیں، جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے، یہ علامہ عمادالدین محمد طارمی کے شاگرد تھے، تقریباً بیس برس کے سن سے انہوں نے تدریس شروع کی اور سرسٹھ سال تک احمد آباد میں معقول ومنقول کے پڑھانے میں اپنی اوقات بسر کی اور شرح جامی سے لے تفسیر بیضاوی تک تئیس (۲۳) کتابوں کے حواشی وشروح لکھے، انہیں کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل کر علمی خدمتوں میں مصروف ہوگئے تھے، اور استاذالاساتذہ کا منصب جلیل اپنی زندگی میں ان کو حاصل ہوگیا تھا، ان کی مشہور ومعروف تصنیفات حسب مندرجہ ذیل ہیں۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ کشف الاصول بزدوی، حاشیہ تلویح، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ شرح تجرید، حاشیہ برحاشیۂ قدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ عضدیہ، حاشیہ شرح حکمۃ العین، حاشیہ مطول، حاشیہ مختصر، حاشیہ شرح چغمینی، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ قطبی، حاشیہ شرح ملا، حاشیہ شرح ارشاد، تشرح نخبۃ الفکر، شرح رسالہ قوشجیہ، شرح ابیات تسہیل، شرح لوائح، شرح جام جہاں نما، ۹۹۸ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی، اور احمد آباد میں مدفون ہوئے، قبر زیارت گاہ خلائق ہے۔ (یادایام: ۱۰۰)

قاضی علاء الدین:

قاضی علاء الدین عیسیٰ گجراتی بھی علامہ عمادالدین محمد طارمی کے شاگرد تھے اور کثرت درس وافادہ میں اپنے معاصر مولانا وجیہ الدین علوی سے کم نہیں تھے، مگر افسوس ہے کہ ان کے حالات کسی کتاب میں مجھے نہیں ملے، البتہ عیسی بن عبدالرحیم گجراتی کی کچھ تفصیلات ملاحظہ سے گزری ہیں اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ وہ انہیں کی ہیں، ان میں سے ایک کتاب قاموس کے خطبہ کی شرح ہے، جس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس شرح کا حوالہ تاج العروس شرح قاموس میں سید مرتضی زبیدی (بلگرامی) نے بھی دیا ہے، دوسری خود میرے کتب خانہ میں ہے اور وہ مبحث سماع پر ہے، اس میں اس مختلف فیہ مسئلہ کو ایسی خوبی سے سلجھایا ہے کہ صرف اس کے پڑھنے سے وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ (یادایام: ۱۰۱)

قاضی برہان الدین:

قاضی برہان الدین نہروالی امام شہاب الدین احمد گجراتی کی اولاد میں باعتبار کثرت درس وافادہ کے یکتائے روزگار تھے، محمد بن عمر آصفی نے ''ظفر الوالہ'' میں لکھا ہے کہ ابتداءً گجرات میں علم انہیں کی وجہ سے پھیلا تھا، ان کے یہ الفاظ ہیں: منہ

انتشرت العلوم ابتداء بگجرات ،مگر افسوس ہے کہ اس محسن گجرات کے حالات کسی نے قلم بند نہیں کئے۔(یادایام:۱۰۱)

مولانا نورالدین:

مولانا نورالدین بن محمد صالح احمدآبادی کا شماران علماء میں ہے جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں فنا کردی اور دنیا کے عیش وآرام سے کوئی تمتع حاصل نہیں کیا، علامہ وجیہ الدین کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرت تصنیفات کے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوا، انہوں نے بھی علامہ ممدوح کی طرح تمام کتب درسیہ کی شروح وحواشی لکھے ہیں ،ان کے لئے اکرم الدین خاں صدر گجرات نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک عالی شان مدرسہ تیار کیا تھا، اورمصارف مدرسہ کے لئے دیہات وقف کئے تھے، ان کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو بیان کی جاتی ہے، بڑی بڑی کتابیں ان کی حسب مندرجہ ذیل ہیں:

"تفسیر القرآن" پورے قرآن مجید کی تفسیر، التفسیر النورانی لسبع المثانی، سورہ فاتحہ کی تفسیر، سورۂ بقرہ کی تفسیر، حاشیہ تفسیر بیضاوی (اوائل) اورنورالقاری شرح صحیح البخاری، الحاشیہ القویمہ علی الحاشیہ القدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حل المعاقد، حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح المطالع، حاشیہ تلویح، حاشیہ سندیہ، المعول، حاشیہ مطول، حاشیہ شرح وقایہ، شرح ملا، حاشیہ قطبی، شرح تہذیب المنطق، شرح فصوص الحکم وغیرہ، ۱۱۵۵ھ میں انہوں نے وفات پائی اور مدرسہ میں مدفون ہوئے۔(یادایام:۱۰۵)

۹۸۰ھ میں اکبرشاہ تیموری نے گجرات کا الحاق اپنے ممالک محروسہ سے کرلیا تھا، اس زمانہ میں علامہ وجیہ الدین علوی اور شیخ محمد طاہر محدث جیسے علمائے باکمال بقید حیات تھے، ان کی عزت واحترام میں بادشاہ نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، خان اعظم اور خان خاناں جو یکے بعد دیگرے صوبیدار مقرر ہوئے، وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان بزرگوں سے ملتے اورحسن سلوک کرتے تھے، خان خاناں نے اپنے دوران قیام میں علامہ وجیہ الدین سے بعض کتب درسیہ پڑھی تھیں، اس طرح سے استادی اور شاگردی کے حقوق بھی باہم مربوط ہوگئے تھے۔(یادایام:۱۰۷)

شریعت خان:

قاضی عبداللہ کے چھوٹے بیٹے تھے، ۱۱۲۱ھ میں جب ان کے بڑے بھائی قاضی عبدالحمید اقضی القضاۃ کی خدمت جلیلہ پر فائز ہوئے تو یہ ان کی جگہ صوبہ گجرات کے دیوان مقرر ہوئے اور تین برس کے بعد جب قاضی عبدالحمید نے قاضی القضاتی کے عہد سے استعفادیا تو یہ ان کی جگہ اقضی القضاۃ ہوگئے اور غالباً فرخ سیر کے عہد تک اس خدمت پر منصوب رہے۔(یادایام:۱۱۵)

یہ معدودے چند علما ہیں جو شاہان مغلیہ کے زمانہ میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے، اوراپنی خدمات متعلقہ کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ عالمگیر جیسے دقیقہ رس بادشاہ کے حضور میں اپنے حسن خدمت اور پسندیدہ کارگزاری کی وجہ سے ہی ہمیشہ مورد تحسین وآفریں رہے۔

بہت سے ایسے علمائے گجرات باقی ہیں، جو مختلف مقامات پر قضا وافتاء کی خدمتوں پر مامور تھے، ملا قاضی محمد شریف، قاضی ابوالفرح، قاضی ابوالخیر، قاضی خیراللہ، قاضی نظام الدین، قاضی رکن الحق، قاضی عبدالرسول، قاضی شرف الدین، قاضی ابوالحسن، مفتی محمد اکبر، مفتی محمد شریف، مفتی عبداللہ اور سیکڑوں علماء جن کے نام بھی معلوم نہیں، حالات کون لکھ سکتا ہے، نہ ان کے حالات قلم بند کرنے کی یہاں ضرورت ہے۔ (یاد ایام:۱۱۷)

گجرات کے مصنفین کی فقہ اور اصول فقہ میں تصنیفات

فقہ

مصنف	تصنیفات
سید حسین العریضی	(۱)حاشیه علی الهدایه
حضرت علی بن احمد المہائمی	(۱)الفقه المخدومی
مفتی رکن الدین ناگوری	(۱)الفتاوی الحمادیه
قاضی جگن	(۱)خزانة الروایات
محمد جمال الدین بن عمر بحرق	(۱)حلیة البنات و البنین و زینة الدنیا و الدین
نعمت اللہ النہروالی	(۱)صلوة التراویح (۲) عیون الشرح
قاضی عیسیٰ علاء الدین	انتقال المقلد عن قول من قلده من الامام
شہاب الدین عباسی	(۱) شرح المنهاج (۲) شرح علی مختصر ابی شجاع
رحمت اللہ سندھی	(۱)جمع المناسك و نفع المسالك (۲) لباب المناسك و عباب المسالك (۳) مختصر في مناسك الحج (۴)رسالة فی بیان اقتداء بالشافعیه و الخلاف فی ذالك
یوسف نجم الدین سدھپوری	(۱)مجمع الفقه
شیخ عبدالقادر العید روس	(۱)صفوة الصفوه ببیان احکام القهوه
عبداللطیف الفتنی	(۱) شرح المواهب
شیخ اسحاق بھروچی	(۱)تحریم شرب الدخان
ملک احمد	(۱)حاشیة شرح الوقایه (۲)حاشیة علی شرح المواهب
مولانا احمد الکردی	(۱)حاشیه علی باب المحلی

محی الدین نہروالی	(۱) مجموعة الأصول
سعداللہ سورتی	(۱) حاشیه علی یمین الوصول
ابوبکر احمد آبادی	(۱) رفع النقاب و کشف الحجاب عن وجه الصلوة علی نعش عالی جناب
شیخ عبدالقادر الفتنی	(۱) فتاوی
قاضی عیسی جونا گڑھی	(۱) فتح القادر شرح الهدایه
شیخ نورالدین احمد آبادی	(۱) حاشیه علی شرح الوقایه (۲) حاشیه علی التلویح (۳) حاشیه علی شرح المطالع
عبدالنبی احمد نگری	(۱) حاشیه علی فرائض السراجیه
محمد ابراہیم باعکظہ	(۱) تحفة الاخوان
حسن الانصاری	(۱) کتاب الحجه بلا جدال في جواز الجمعة باربع الرجال (۲) الکشاف لبیان مافي عدد الجمعة من الخلاف
عبدالقادر باعکظہ	(۱) تحفة المشتاق في احکام النکاح و الانفاق
شیخ ابراہیم جونا گڑھی	(۱) وسیلة النجاة في احکام الممات
عبداللطیف قاری	(۱) رسالة فی العقیقة
محمد پناہ	(۱) نصیحة عباد اللہ و امة رسول اللہ.
شمعون بن محمد الغوری	(۱) المسائل الشمعونیه (کتاب السوال و الجواب)
سید امین جی	(۱) حساب المواریث (۲) السوال و الجواب في الفقهه (۳) حواشی علی دوائم الاسلام (۴) المنتخب المنظوم
شیخ شمس الدین	فصل في ذکر قاطع الصلوة
شیخ لقمان	سیاقة الوجیهیه في ترتیب الدین و تبیین فرض شهر رمضان
شیخ حکیم الدین	(۱) الارجوزة في بیان مافی سنن من سنن الصلوة (۲) تبویب مسائل میاں شمعون
شیخ ابراہیم سورتی	الفتاوی السیفیه
شیخ طیب زین الدین	المسائل الزینیه
فیض الحسن سورتی	فرح شاهی شرح خلاصة الکیدانی (۲) فتاویٰ نقشبندیه

قاضی نظام الدین احمد بن محمد جیلانی	فتاوی ابراھیم شاھی
شیخ محمد بن ہاشم سورتی	جواھر النظم
شیخ محمد بن یوسف سورتی	کتاب زکوٰۃ الصید فیما اصابہ الرصاص
شیخ احمد بن سلیمان گجراتی	حاشیہ بر حاشیہ عبدالحکیم
قاضی عیسیٰ بن عبدالرحیم گجراتی	(۱) رسالہ در مسئلہ سماع

اصول الفقہ

شیخ حسن چشتی	حاشیہ علی التلویح
شاہ وجیہ الدین علوی	(۱)حاشیہ علی اصول البزدوی (۲)حاشیہ علی التلویح (۳)حاشیہ علی شرح العضدی علی المختصر لابن حاجب (۴)حاشیہ علی شرح الوقایہ
محمد فرید	(۱)حاشیہ علی التلویح
الشلی	(۱)شرح مختصر الایضاح
شیخ جمال الدین چشتی	(۱)حواشي علی التلویح
شیخ نورالدین احمد آبادی	(۱)حاشیہ علی التلویح (۲)حاشیۃ علی شرح الوقایہ
شیخ جمال الدین بن رکن الدین	(۱)حاشیۃ التلویح علی التوضیح
شیخ عبدالنبی عبداللہ شطاری	(۱)الموھب الالٰھی شرح اصول ابراھیم شاھی
شیخ احمد بن سلیمان گجراتی	(۱)حاشیہ بر حاشیہ ملا عبدالحکیم

محکمۂ عدالت:

انصاف کے لئے عدالت کا بھی محکمہ تھا، اس کے لئے ہر شہر میں ایک مفتی اور ایک قاضی ہوتا، قاضی کی اپیل قاضی القضاۃ کے یہاں جاتی اور اس کی اپیل اقضی القصاۃ کے یہاں ہوتی، آخری اپیل خود بادشاہ کے یہاں ہوتی، بادشاہ خود بھی انصاف کا خیال رکھتا، اور جہاں تک ممکن ہوسکتا، انصاف کرنے میں دریغ نہ کرتا، چنانچہ سلطان احمد شاہ اول نے اپنے داماد کو مانک چوک میں صرف اس لئے قتل کرڈالا تھا کہ اس نے محض غرور جوانی میں کسی کو مارڈالا تھا۔

سلطان محمود اول نے اپنے دو بہترین امیروں کو اس بنا پر مارڈالا کہ ان دونوں نے دوغرب آدمیوں کو اصلی مجرم کے عوض میں بادشاہ کے سامنے پیش کرکے قتل کرایا تھا۔

بادشاہ لوگوں کی عرضیاں خود اپنے ہاتھ سے بھی لیا کرتا تھا، لیکن مظفر حلیم کے وقت میں جب ایک دفعہ عرضی لیتے وقت مدعی کی انگوٹھی سے بادشاہ کی آستین پھٹ گئی، تو ایک لمبے بانس کے سرے پر عرضی باندھ کر پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔

بادشاہ خود عدالت کا احترام کرتا تھا، اس کے احکام کی خود بھی تعمیل کرتا، چنانچہ سلطان محمود نے اپنے لئے ایک رباب تیار کرایا تھا جو چھ مہینے میں جا کر تیار ہوا تھا، کاریگر رباب لے کر بادشاہ کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستہ میں قاضی صاحب سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے اس کو مذہب کے خلاف سمجھ کر توڑ ڈالا، بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو اُس نے قاضی صاحب کو کچھ نہیں کہا۔

ایک مرتبہ مظفر حلیم پر گھوڑوں کے ایک تاجر نے دعویٰ دائر کر دیا، قاضی نے بادشاہ کے نام سمن جاری کیا، قاضی کے حکم کے بموجب بادشاہ فوراً عدالت میں حاضر ہوا، قاضی نے مدعی کے تمام دلائل سن کر بادشاہ پر ڈگری جاری کر دی، جب تک ڈگری کے تمام روپئے ادا نہیں ہو گئے بادشاہ اپنے مدعی کے ساتھ عدالت میں کھڑا رہا۔

مظفر حلیم بھیس بدل کر راتوں کو گشت کرتا، تا کہ رعایا کا حال بچشم خود دیکھے، اس نے ایک دفعہ اسی گشت میں ایک سپاہی مجرم کو گرفتار کیا، جو جبراً ایک شخص کے گھر میں گھس جایا کرتا تھا۔

محکمۂ عدالت میں قاضی، قاضی القضاۃ، اقضی القضاۃ، صدر القضاۃ، ملک القضاۃ کے خطابات رائج تھے، ان خطابات کی یہ خصوصیت تھی کہ جب تک ان میں سے کسی خطاب کا آدمی زندہ رہتا، یا اپنے عہدہ سے معزول نہ کیا جاتا، کسی دوسرے کو وہ نہ ملتا، دوسرے ان کے درجات کے مطابق جاگیر بھی مقرر ہوتی، خطاب یافتہ باپ کے مرجانے سے ان کی جاگیر بیٹے کو نہیں ملتی، بلکہ اس کے مرنے کے بعد جس شخص کو وہ خطاب ملتا، جاگیر اس کے قبضہ میں چلی جاتی۔ (ظفر الوالہ ج:۲، بیان محمود و مظفر لندن)

محکمۂ احتساب اور پولیس:

گجرات میں پولیس کا ایسا انتظام جیسا کہ آجکل ہے، تاریخ میں میری نظر سے نہیں گذرا، تاہم راستہ کے ہر نکڑ (چوراہہ) پر ایک پولیس چوکی امن قائم رکھنے کے لئے موجود رہتی، تمام شہر کا ایک کوتوال ہوتا، جس کے ماتحت پولیس کام کرتی، جو چوروں اور بدمعاشوں کو نگاہ میں رکھتی، اس کام کے لیے زیادہ تر وہ لوگ لیے جاتے جو اس فن میں ماہر ہوتے، سلطان محمود اول کے زمانہ میں محافظ خاں اس عہدہ پر ممتاز تھا، جو ترقی پا کر آخر میں وزارت تک پہنچ گیا تھا، ۹۵۴ھ میں بعہد سلطان محمود ثالث ناصر حبش خاں اس عہدہ پر مامور تھا، جو بعد کو دیو کا گورنر ہو گیا تھا۔

احمد آباد شہر کا کوتوال ایک دفعہ بازار میں جا رہا تھا کہ سر بازار اس نے ایک شخص کو گرفتار کر لیا جو بظاہر بڑا شریف انسان نظر آ رہا تھا؛ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ گھوڑوں کا چور تھا۔

اسی کے ساتھ ایک محکمۂ احتساب بھی تھا، جس کے افسر کو محتسب کہتے تھے، اخلاقی اور شرعی امور کی دیکھ بھال اس کے سپرد تھی، مظفر شاہ اول کے عہد میں اس عہدہ پر مولانا خانو اس عہدہ پر ممتاز تھے۔

سزائیں:

سزائیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتیں، عام طور سے قید کرنا، کوڑے مارنا، ہاتھ کاٹنا، قتل کرنا، پھانسی دینا ہوتا تھا، توپ سے اڑا دینا، کھال کھینچنا یا دیوار میں چنوا دینا، اتفاقی سزائیں تھیں، جو کبھی کبھی غیر معمولی جرموں پر دی جاتیں، البتہ

سیاسی مجرموں، خصوصا باغیوں کی سزا بڑی سخت اور روح فرسا ہوتی ،جنگی ہاتھیوں کے آگے ڈال دینا، جس کو وہ اچھال کر پاؤں کے نیچے دبا کر مار ڈالتے، اکبر کے ابتدائی عہد کے سوا اور کبھی گجرات میں تاریخوں میں مجھے نظر نہیں آیا۔

(گجرات کی تمدنی تاریخ، مسلمانوں کے عہد میں :ص: ۷۳ تا ۴۰)

سترہویں اور اٹھارہویں صدی کا سیاسی اور علمی وفقہی پس منظر

گجرات کے حکام کی اجمالی فہرست:

۶۹۷ء کی ابتدا میں کرن باگھیلہ راجہ گجرات کا وزیر مادھو گجرات پر حملہ کرنے کے لیے علاء الدین خلجی کو آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا، گجرات کو الغ خان سپہ سالار نے فتح کرلیا، اور الغ خاں یہاں کا مستقل حاکم مقرر کر دیا گیا، اور اس وقت سے لے کر ۸۰۰ھ کے آخر تک دہلی کے ایک صوبہ کی حیثیت سے گجرات پر حکومت ہوتی رہی، علاء الدین خلجی کے بعد قطب الدین متوفی (۷۱۶ھ، ۱۳۱۶ء) اور خسرو گجراتی (۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء) دہلی کے بادشاہ ہوئے، (۷۲۰ھ، ۱۳۲۰ء) میں تغلق خاندان برسر حکومت ہوا، اس میں غیاث الدین ملک تغلق غازی ۷۲۰ھ ۱۳۲۰ء، سلطان محمد شاہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء، فیروز شاہ ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء، محمد شاہ ثانی ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء، محمود شاہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء نے دہلی میں حکومت کی اور ان کے نائب صوبہ دار گجرات آتے رہے، ان صوبہ داروں میں الپ خان ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء ظفر خان ملک دینار ، نظام الملک ۷۴۶ھ ۱۳۴۵ء، ظفر خان ۷۶۴ھ ۱۳۶۲ء ، دریا خان ۷۷۱ھ ۱۳۶۹ء بہترین حاکم تھے، جنہوں نے امن قائم رکھنے کے ساتھ تجارتی، معاشرتی اور اخلاقی ترقی میں کافی حصہ لیا۔

آٹھویں صدی ہجری ۱۴۰۰ء کے آخر میں محمد شاہ ثانی تغلق نے ظفر خاں بن وجیہ الملک سہارن کو گجرات کا حاکم بنایا، خاندان تغلق کے ختم ہوجانے پر یہ خود مختار ہوگیا، یہی شخص سلاطین گجرات کا مورث اعلیٰ ہے۔

محمد شاہ اول ۸۰۶ھ ۱۴۰۳ء، مظفر شاہ اول ۸۱۰ھ ۱۴۰۷ء، احمد شاہ اول ۸۱۳ھ ۱۴۱۰ء، محمد شاہ ثانی ۸۴۶ھ ۱۴۴۲ء، قطب الدین ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء، محمود بیگڑہ ۸۶۳ھ ۱۴۵۸ء، مظفر حلیم ۹۱۷ھ ۱۵۱۱ء، سکندر ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء ، بہادر شاہ ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء، محمود ثالث ۹۴۳ھ ۱۵۳۶ء، احمد ثالث ۹۶۱ھ ۱۵۵۳ء، مظفر رابع ۹۶۸ھ ۱۵۸۰ء، گجرات کے خود مختار حکمران ہوئے، گجراتی راجپوت خاندان میں یوں تو اٹھارہ سلطان ہوئے؛ لیکن ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

(۱) مظفر شاہ اول (۲) احمد شاہ اول (۳) محمود شاہ اول (۴) مظفر شاہ ثانی (۵) بہادر شاہ، ان کا شمار ان سلاطین میں ہے جن پر گجرات بجا طور پر فخر کرسکتا ہے، اور بہادر شاہ نے فتوحات کا دروازہ کھول کر سلطنت اس قدر وسیع کر دی کہ نصف ہندوستان کا وہ شاہنشاہ بن گیا، زراعت، تجارت، تعمیرات اور علوم وفنون میں گجرات کو اس قدر بلند مرتبہ پر پہنچا دیا کہ آج انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، فوجی اعتبار سے بھی گجرات کا صوبہ ہندوستان کے دیگر صوبوں پر فضیلت رکھتا تھا، اس

کے عروج کے زمانہ میں فوجوں کی تعداد علاء الدین خلجی شہنشاہ دہلی کی فوجوں کے برابر تھی، اس کا توپخانہ اس قدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ ہندوستان میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا، بحری بیڑا بھی اس کا لاجواب تھا، ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء میں اس صوبہ پر محمد اکبر بادشاہ دہلی قابض ہوا، اور اس وقت سے مغل شہنشاہوں کے ناظم آتے رہے، جہانگیر ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء، شاہ جہاں ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء اورنگزیب عالمگیر ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۸ء، محمد معظم بہادر شاہ ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء تک تو نظامت کا سلسلہ ٹھیک رہا ؛لیکن اس کے بعد خانہ جنگی شروع ہوئی، تو یہ سلسلہ ۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ء میں ختم ہوگیا، اور پھر گجرات پر قبضہ پانے کے لیے امراء میں کش مکش رہی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۱۷۱ھ ۱۷۵۷ء میں احمد آباد پر مرہٹوں کا قبضہ ہوگیا، اور چند چھوٹے بڑے ضلعوں پر مسلمان امراء کو قناعت کرنی پڑی، جونا گڑھ، رادھن پور، پالن پور، کھنبایت وغیرہ پر ان ہی امراء کی اولاد آج حکومت کررہی ہے۔

مغلیہ عہد میں گو گجرات کو ویسی ترقی تو نہ ہوئی جیسی خود مختار سلاطین گجرات کے عہد میں تھی ،لیکن انہوں نے گجرات کو زوال پذیر ہونے نہ دیا، اور اس کو اچھی حالت اور اصلی رنگ میں رکھنے کی پوری کوشش کی۔ (گجرات کی تمدنی تاریخ)

گجرات کے حکام کی اجمالی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی یعنی گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری اکبر بادشاہ کے ۹۸۰ھ، ۱۵۷۲ء تا ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء فتح گجرات کے بیس پچیس سال بعد سے لے کر مراہٹوں کے قبضے ۱۱۷۱ھ ۱۷۵۷ء کے بعد کے تیس چالیس سال پر محیط ہے، اس میں سترہویں صدی تو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے آخری زمانے ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۷ء سے لے کر ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء میں ختم ہوتی ہے، اٹھارہویں صدی کا نصف اور بارہویں صدی ہجری کے ستر سال گذرنے پر مراہٹوں کا دور شروع ہوجاتا ہے، جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ خود مختار سلطنت کا جو سنہرا علمی وروحانی ۱۸۴ سالہ دور تھا، وہ اب نصیب نہیں ہوا، اور مغلیہ دور میں گجرات کی تمام جہات سے وہ ترقی نہ ہوسکی جو سلاطین گجرات کے دور میں تھی، البتہ مغلیہ سلاطین گجرات کو زوال پذیر ہونے سے روک دیا اور اس کو اچھی حالت میں رکھنے کی پوری کوشش کی۔

خود مختار سلاطین کے دور میں جو بڑے بڑے مدارس قائم تھے جن میں سے ۳۰ بڑے مدارس کا ذکر تاریخ میں صراحۃً ملتا ہے، اور اسی طرح بڑے بڑے ۳۵ کتب خانوں کا ذکر بھی مذکور ہے، نیز علمائے کرام وفقہائے عظام کی کثرت سے جو آمدورفت ہوتی تھی ان سب کا مجموعی طور پر جو اثر معاشرہ اور علمی مجالس پر ہوتا تھا، اس میں کچھ کمی ضرور آئی تھی ،لیکن پھر بھی علمی اعتبار سے سترہویں صدی بڑی بارآور ثابت ہوئی، اٹھارہویں صدی کا نصف تو ٹھیک رہا ؛لیکن مرہٹوں کے حملے کے بعد کے حالات نے علمی وسیاسی زوال کی جو بنیاد ڈالی وہ رفتہ رفتہ بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی۔

بھروچ کا محکمۂ قضا کا کتب خانہ

دستور القضاة از قاضی سید محمد نورالدین حسین، مختصر تاریخ ہندوستان، مختصر تاریخ گجرات از قاضی سید محمد نورالدین حسین بھروچی۔

تذکرۂ سادات شیرازی از قاضی سید محمد نورالدین حسین صاحب رضوی شیرازی قاضی شہر بھروچ کی تصنیف ہے۔ نیشنل آرکایوز کا اس کا نسخہ خود مصنف کا ہے۔ مصنف نے تذکرۂ شعرائے گجرات موسوم بہ مخزن الشعراء کے علاوہ تحفۃ العرفان اور **جواہر الفقہ** نامی کتابیں لکھی ہیں۔

اس خاندان کے سید احمد حسین صاحب متوفی ۱۲۰۰ھ اول شخص ہیں جو احمد آباد سے بھروچ کی قضا کے عہدے پر مامور ہوکر وہاں تشریف لے گئے، ان کی چوتھی پشت میں قاضی سید محمد نورالدین حسین فائق تھے، انہوں نے تذکرۂ سادات شیرازی تصنیف فرمایا۔ اپنے اجداد کی طرح ان کی یعنی قاضی سید احمد حسین صاحب کی اولاد میں بھی کئی صاحب تصانیف حضرات گذرے ہیں۔ ان میں خاندان کے آخری نام لیوا جنہوں نے خود بھی اچھی خاصی علمی خدمات انجام دیں۔ قاضی سید نورالدین حسین صاحب تھے، جن کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہوا اور جن کے کتب خانے میں نہایت اہم کتابیں تھیں جن میں سے کچھ نیشنل آرکایوز دہلی، بمبئی یونیورسٹی لائبریری، پیر محمد شاہ درگاہ شریف لائبریری وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، انہوں نے گجرات کی علمی اور تمدنی تاریخ پر اردو اور گجراتی میں متعدد مضامین لکھے جو معارف اعظم گڑھ اور بمبئی اور احمد آباد کے موقر ادبی اور علمی رسالوں میں شائع ہوئے۔

بھروچ گجرات کا قدیم شہر ہے، یونان کی فوجیں جب ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں تو اس وقت بھی یہ شہر موجود تھا، یہاں ہمیشہ قضا کا محکمہ رہا، آخری عہد میں یہ مولانا سید احمد شیرازی کے خاندان میں آ گیا، ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، جس کا بچا کھچا حصہ ان کے اخلاف میں اب تک موجود ہے، ۱۹۳۲ء میں جب راقم (مولانا ابوظفر ندوی مرحوم) نے اس کو دیکھا تو اس وقت بھی بعض نایاب کتابیں موجود تھیں، مکرمی قاضی نورالدین کا بیان ہے کہ میرے ہوش سنبھالنے تک اس کتب خانہ کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا، مثنوی مولانائے روم مکتوبہ ۱۰۹۰ھ/ ۱۶۷۹ء جلد پنجم بطرز جدید، سرخسی کی محیط جلد ثانی مکتوبہ ۹۰۹ھ / ۱۵۰۳ء حدیث کی کتاب المخازن المعروف جلد ثانی بطرز جدید، کتاب الخلاصة فی الفتاوی مولفہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید، مجمع البحرین وغیرہ چند کتابیں اس کتب خانہ کی قابل ذکر ہیں، افسوس ہے کہ یہ بقیہ کتابیں بھی آہستہ آہستہ گجرات سے باہر جا چکی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ بھروچ کے قاضی نورالدین صاحب کے کتب خانہ کی مخطوطہ کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک فقہی کتاب کا بھی ذکر کرتے ہیں، جو نظم کی شکل میں ہے، یہ اس دور کی زبان اور عوام کی رعایت کرتے ہوئے سادہ

زبان میں ہمیں اپنے عوام کی رہنمائی کرنے کی ترغیب دے رہی ہے۔

رسالہ فقہ ہندی:

یہ فقہی مسئلوں کے بیان میں ایک نظم ہے، آغاز کے اشعار یہ ہیں:

حمد وثنا سب رب کوں خالق کل جہاں — لائق حمد ثنائے کے اورنگونہ جان
علم شریعت نال وی بھیجا پاک رسول — جو کچھ بھیجا رب نے سب ہم کیا قبول
یا رب اپنے کرم سوں بے حد بھیج درود — نبی محمد مصطفی قسوں ہوں خوشنود
پیچھو اُن کی آل پر اور اصحاب تمام — تس پیچھو احباب پر بہت درود سلام
کیتے مسئلے دین کے عبدر کھے امین — فقہ ہندی زبان سے بوجو کرو یقین
مطلب مسئلے پوچھنا جوکچھ ہوے زبان — عربی ترکی فارسی ہندی یا افغاں

اس کے بعد فقہی ابواب ہیں، اوران کے تحت میں ہر قسم کے مسائل ہیں، خاتمہ میں تصنیف کا سال ۱۰۷۵ھ بعہد اورنگ زیب عالمگیر صاف بتایا گیا ہے، خاتمہ میں ہے۔

فقہ ہندی کوں موموناں کروزبان پر یاد — مسائل ادین دین کے کبھی نہ ہوے فساد
سنہ ہزار پچھتر پیچ ماہ رمضان تمام — اورنگ شاہ کے دورمیں نسخہ ہوا تمام

اس فقہی نظم میں خاص چیز نظم کا وزن ہے، جو عربی، فارسی کے بجائے ہندی وزن کی پیروی میں ہے، اس نظم سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پرانے لوگوں کے زمانہ میں ہندی کس کو کہتے تھے۔

داستان حضرت ماہ رمضان: اس نظم میں ماہ رمضان کی فضیلتوں کا ذکر ہے، مصنف کا نام بدیع الدین ہے، شروع کے شعر حسب ذیل ہیں:

سرنامہ ازنامِ سُبحاں لکھوں — کہ دل کی ورق پر سجل کر لکھوں
زبان کو ہے جو ہر اسی کو ثنا — اسی کی سوقدرت ہے جگ میں عیاں
کریم ورحیم ووہ غفار ہے — کرم عاصیاں پر کرتا رہے
زہر چیز اس کی صنعت کا بیاں — کہ پیدا کیا جن نے ارض وسما

آخر میں لکھا ہے:

کرو اُس کی سب نعمتوں پر شکر — مصیبت کے اوپر حکم ہے صبر
کہ تاعاقبت تیری ہووے بھلی — کہ شادی وغم جگ میں جائے چلی
بدیع الدین تعریف عمل کی کرو — کہ چھوٹک کی جس میں توقع دھرو

اس نظم کی خصوصیت خاص فارسی آمیز ترکیبیں اور قافیوں میں صرف صوفی ہم رنگی ہے، عربی الفاظ حکم اور صبر وغیرہ کو اس طرح باندھا ہے، جس طرح ہندی میں بولے جاتے ہیں۔

فقہ مبین:

یہ نظم نفقہ کے مسائل میں ہے، آغاز اس طرح ہے:

بنامِ پاک رب العالمین سوں — شروع کرتاہوں فقہ مبین سوں
بحق مفخر ومقبولِ مرسل — سبھی عقدہ فقہ کے مجھ پہ کر حل
مسائل فقہ کے ہیں اصل ایماں — جونیں بوجے سووہ کیوں ہوے مسلماں

اس کے بعد اپنے تمام ۴۰ ماخذوں کا نظم میں ذکر کیا ہے، پہلے ایمان کے مسائل، پھر طہارت، وضوء، غسل وغیرہ، اس کے آخر میں بدعت کا رد اور جوے کی بُرائی ہے، اخیر میں ہے:

یقین فقہ المبین کوں کرتے مختوم — بحقِ دین پناہ آلِ معصوم
صدو ہشتاد دو الف ہجرہ — بتاریخ ہمایوں گشت تمّت
اگھیارہ سومیں اسی اوپر دو — سنہ ہجری نبیوں کے تبایوں

رسالہ کے آخر میں خاتمہ کی عبادت ہے:

''نسخۂ قوت دین فقہ المبین تصنیف حضرت شاہ یقین رحمۃ اللہ علیہ''

اس سے مصنف کا نام شاہ یقین، کتاب کا نام ''قوت دین المبین'' اور تصنیف کا سال ۱۱۸۲ء معلوم ہوتا ہے۔

(مقالات سلیمانی: حصہ دوم، ص: ۳۸۲ تا ۳۹۰)

فقہ وافتاء، حقیقت و ماہیت اور باہمی تعلق

فقہ اسلامی قرآن وسنت کا عُصارہ ونچوڑ ہے، جو فقہائے کرام کی انتھک کوششوں اور بے پایاں محنتوں کا ثمرہ ہے، اور افتاء کا فقہ کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک فقیہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر قرآن وسنت میں غور کرکے پیش آمدہ مسائل کے احکام مستنبط کرتا ہے تو ان مسائل کے مجموعے کو ''فقہ'' کا نام دیا جاتا ہے، اور جب کوئی سائل اس کے پاس آکر انہی مسائل سے متعلق دریافت کرتا ہے تو فقیہ کے اس بیانیے کو ''فتوی'' اور ''افتاء'' کے خوبصورت الفاظ مل جاتے ہیں، لہذا فقہ وافتاء یا فقہ وفتویٰ دو لازم ملزوم چیزیں ہیں، قرونِ اول میں فقہ کا ظہور ہوا تو افتاء کا سلسلہ بھی روزِ اول سے قائم ہو گیا۔ پیغمبر خدا ﷺ ایک فقیہ تھے اور امت کے اولین مفتی بھی۔ (فقہ وافتاء کا تاریخی ارتقاء-ایک مطالعہ)

عربی زبان میں فتویٰ (یا فُتْوٰی) اور فُتْیا، إفْتاء سے ماخوذ ہے، جس کے معنی اظہار وبیان ورائے دہندگی کے ہیں، (لسان العرب: مادہ: فتی) مصدری معنی (رائے دہندگی) کے علاوہ خود (رائے) اور (رائے دہندہ کے کام) پر بھی فتوی اور فتیا کا اطلاق ہوتا ہے، کچھ لوگوں نے ان دونوں کے درمیان فرق بیان کیا ہے، چنانچہ فتوی کو صرف دی ہوئی رائے کا مترادف قرار دیا ہے، اور فتیا کو باقی دونوں معانی کے لئے خاص بتایا ہے، مگر لغت کی کتابوں سے اس تفریق کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں فتوی کے بجائے لفظ فتیا کا استعمال عربوں کے یہاں زیادہ رہا ہے، کتب حدیث میں بھی فتوی کے بجائے فتیا کا لفظ ملتا ہے، لغت کی کتابوں میں کسی ایسی عبارت یا شعر کا ذکر نہیں جس میں فتوی کا لفظ استعمال ہوا ہو، اگرچہ علماء وفقہاء نے بعد میں دونوں ہی الفاظ عام طور پر استعمال کئے ہیں، شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: **الفتوی والفتيا اسمان يوضعان من موضع الإفتاء الا ان لفظة الفتيا اكثر استعمالا في كلام العرب من لفظة الفتوى۔** (المصباح: ۱۵۵) گویا عرب میں فتیا معروف ہے اور عجم میں فتوی معروف ہے، اور اس کی جمع فتَاوٰی یا فتَاوِی معروف رہی ہے۔ (نور البصر ص: ۱۴۸، کشف الظنون: ۲/ ۱۲۱۸)

قرآن مجید میں بھی گیارہ مقامات پر اس کے مشتقات وارد ہوئے ہیں۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم: ص/ ۵۱۲) اور حدیث کی نو مشہور کتب -جن کی فہرست سازی **المعجم المفهرس** میں کی گئی ہے- میں بارہ مواقع پر فتیا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو اسِتفْتَاء (سوال پوچھنے) اور افْتَاء (جواب کی وضاحت کرنے) کے مختلف صیغے ہیں۔ اسی سے پوچھنے والے کو مُستَفْتِي اور فتوی دینے والے کو مُفْتِي کہتے ہیں۔ (دستور العلماء: ۳/ ۱۳)

فتوی کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں، بعض لوگوں نے فتوی کی وہی تعریف کی ہے جو اجتہاد کی ہے، کیوں کہ متقدمین کے نزدیک افتاء اور مفتی سے مراد مجتہد ہوا کرتا تھا، اسی لئے بہت سے علماء اصول نے اجتہاد وتقلید کی بحث میں افتاء اور استفتاء کے احکام ذکر کئے ہیں، جس میں بمقابلہ اجتہاد کے عموم پایا

جاتا ہے۔(قاموس الفقہ :۲/۱۸۱)

اصطلاح میں فتویٰ سے مراد پیش آمدہ مسائل اور مشکلات سے متعلق دلائل کی روشنی میں شریعت کا وہ حکم ہے جو کسی سائل کے جواب میں کوئی عالم دین اور احکام شریعت کے اندر بصیرت رکھنے والا شخص بیان کرے۔

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

(۱) مفتی کے فتویٰ کی حیثیت خبر و اطلاع کی ہوتی ہے، جیسے قاضی فریقین پر احکام کو لازم قرار دیتا ہے، مفتی مستفتی پر اپنی طرف سے کسی حکم کو لازم نہیں کرتا اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔

(۲) فتویٰ حکم سے متعلق ایسی اطلاع کو کہتے ہیں جو کسی سوال کے جواب میں ہو، سوال و استفسار کے بغیر اپنی طرف سے حکم شرعی کی رہنمائی کی جائے وہ وعظ و ارشاد ہے نہ کہ فتویٰ۔

(۳) فتویٰ ایسے سوال کا جواب ہوتا ہے جو پیش آمدہ واقعات سے متعلق ہو، اگر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، بلکہ اس کو فرض کر کے جواب دیا گیا تو یہ تعلیم ہے نہ کہ افتاء، اس طرح فتویٰ کی جامع تعریف ڈاکٹر شیخ حسین محمد ملاح کے الفاظ میں اس طرح ہوگی:

الإخبار بحكم الله تعالى عن الوقائع بدليل شرعي لمن سأل عنه۔ (الفتویٰ نشأتها وتطورها:۱/۳۹۸)

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا متقدمین کے نزدیک فتویٰ خود اجتہاد سے عبارت تھا، چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید کا رواج عام ہوا، اور مجتہدین مفقود ہو گئے تو جو لوگ فقہاء کے آراء و اقوال کو نقل کرتے تھے وہی لوگ مفتی کہلانے لگے، اصل میں اس عہد میں عام طور پر نقل فتاوی کا کام ہوتا ہے اور انہیں کو مفتی کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ، علامہ ابن ہمامؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

فأما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت، والواجب عليه إذا سئل أن يذكر قول المجتهد كالإمام على وجه الحكاية، فعرف أن ما يكون في زماننا من فتوىٰ الموجودين ليس بفتوىٰ، بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي. (الدر المختار مع الرد:۱۶۸/۱، مقدمہ)

غیر مجتہد جسے مجتہدین کے اقوال یاد ہو وہ مجتہد نہیں ہے اور اس پر واجب ہے کہ جب سوال کیا جائے تو مجتہد کا قول ذکر کرے، جیسے بطور حکایت کے کہے کہ یہ فلاں امام کا ہے، فلاں امام کا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے زمانہ میں موجودہ لوگ جو فتویٰ دیتے ہیں وہ درحقیقت فتویٰ نہیں ہے؛ بلکہ وہ مفتی کے اقوال کو نقل کرنا ہے تاکہ مستفتی اس پر عمل کریں۔

غالباً اسی پس منظر میں مولانا عمیم الاحسان مجددیؒ نے فتویٰ کی تعریف اس طرح کی ہے:

تبیین الأحکام الصادرة عن الفقهاء في الوقائع الجزئیة۔ (أدب المفتي: ۴)

جزئی واقعات میں فقہاء سے منقول احکام کو بیان کرنے کا نام فتویٰ ہے۔ (قاموس الفقہ: ۲/۱۸۱-۱۸۲)

فتوی نویسی کے آداب اور مفتی و مستفتی سے متعلق مختلف مباحث کا جائزہ لینا طوالت کا موجب ہوگا، اس لئے ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہاں فتویٰ نویسی کی تاریخ، کتب فتاوی اور ان کی قدر و قیمت، پر تبصرہ کیا جاتا ہے؛ تاکہ فقہی خدمات کے مطالعہ سے قبل اجمالی طور پر اس فن کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل ہوجائیں۔

فتویٰ کی ابتداء:

فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوتا ہے، چودہ صدی کے طویل عرصے میں علماء نے اس شعبے کی دینی اہمیت کے پیشِ نظر ہمیشہ ہی اس کا خصوصی اہتمام کیا ہے، تمام مسلمان اپنے اکثر دینی ودنیاوی امور کے متعلق پیش آمدہ مشکلات اور مسائل کے حل کی خاطر برابر ان کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں، ان مسائل کا تعلق خواہ عقائد وعبادات سے ہو یا معاملات واخلاق سے یا آپسی اختلافات ونزاع سے، ہر حال میں وہ شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے مفتیان کرام سے مدد لیتے رہے ہیں، اورانہوں نے افتاء کو اپنا فریضۂ منصبی تصوّر کرتے ہوئے ہمیشہ ہی ان کی رہنمائی کی ہے، افتاء کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود اللہ تعالی نے اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے، قرآن مجید میں دو جگہ (سورۂ نساء: ۱۲۷،۱۷۶) لوگوں کے فتوی پوچھنے کے جواب میں اللہ کے فتوی دینے کا ذکر آیا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِيۡهِنَّ (نساء: ۱۲۷) ایک اور موقع پر ارشاد ہے قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ (نساء: ۱۷۶) گویا اللہ تعالی کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالی نے اپنے منشاء کی تشریح وتوضیح اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حوالہ کی، لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ (نحل: ۴۴) یہ بیان وضاحت کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر عہد کے علماء ارباب افتاء کے حصہ میں آئی ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے، اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لئے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے؟ ولیعلم المفتي عمن ینوب في فتواہ۔ اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے: المفتي موقع عن اللہ تعالی۔ (شرح مہذب: ۱/ ۴۰، مقدمہ، قاموس الفقہ: ۲/ ۱۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور دیگر ائمۂ دین وعلمائے امت نے اس ذمہ داری کو بخیر وخوبی نبھایا، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

اس عرصے میں استفتاء اور افتاء کے طریقے بدلتے رہے، عہد رسالت میں فتاوی کا سلسلہ اکثر وبیشتر زبانی طور پر ہی چلتا رہا، جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرتے، اس کا جواب کبھی تو قرآنی آیات کی صورت میں ملتا تھا اور کبھی وحی کی اساس پر اپنے اجتہاد سے فتوی دیتے تھے، قرآن مجید میں جن فتاوی کا ذکر آیا ہے ان

کے سوالات کبھی تو یَسْتَفْتُوْنَكَ (نساء:۱۲۷،۱۷۶) کے صیغے سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی یَسْئَلُوْنَكَ (بقرہ:۱۸۹،۲۱۵،۲۱۷، مائدہ:۴،اعراف:۱۸۷،انفال:۱) سے، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا وہ رسول اللہ ﷺ نے امانت داری سے لوگوں تک پہنچا دیا، ان کے علاوہ وہ فتاویٰ جو آپ نے مختلف اوقات میں صحابہ کرام کے سوالات کے جواب کے طور پر دیے، حدیث کی مختلف کتابوں میں منتشر صورت میں موجود ہیں، علامہ ابن القیم الجوزیہ (م:۶۹۱-۷۵۱) نے اپنی کتاب ''فتاویٰ رسول اللہ ﷺ'' میں ان کا بڑا حصہ ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اب یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ بھی دارالعلم سے چھپ گئی ہے، اسی طرح یوسف حسن محمد حمادی صاحب نے عقائد کے بارے میں آپ کے فتاویٰ ''فتاوی النبی فی العقیدہ'' میں جمع کرنے کی سعی کی ہے، یہ دونوں کتابیں اب مطبوع شکل میں ہے، نیز شیخ علی احمد عبدالعالی طحطاوی نے ''فتاوی الرسول ﷺ'' مرتب فرمائی ہے۔

عہدِ رسالت میں اور اس کے بعد بہت سے صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے بعض مشکل دینی مسائل کے بارے میں فتاویٰ صادر فرمائے، علامہ ابن حزم (م:۴۵۶ھ) نے ایسے ۱۴۲ صحابہ اور ۲۰ صحابیات کا ذکر کیا ہے، جن سے فتاوی منقول ہیں (اصحاب الفتیا:۳۱۹) اور انہیں فتاوی کی کثرت وقلت کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، سب سے زیادہ جن سے فتاوی منقول ہیں وہ بالترتیب یہ سات ہیں: حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عباسؓ۔ اور دوسرے حصہ میں ۲۰/ ایسے صحابہ ہیں جن سے ہر ایک کے فتاوی کا ایک مختصر مجموعہ تیار کیا جا سکتا ہے، باقی اور لوگوں سے زیادہ سے زیادہ ایک دو مسئلے منقول ہیں، ان سب کے فتاوی بھی اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا سا مجموعہ بنے گا، کچھ علماء نے بعض صحابہ کرام کے فتاوی ومسائل جمع کرنے کی طرف توجہ دی تھی، چنانچہ ابوبکر محمد بن موسی بن یعقوب بن مأمون نے حضرت ابن عباسؓ کے فتاوی بیس حصّوں میں جمع کئے تھے، اور علامہ تقی الدین سبکی نے حضرت ابو ہریرہؓ کے فتاوی کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، مگر یہ دونوں کتابیں دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہیں، عصر حاضر میں اس طرف دوبارہ توجہ ہوئی ہے، اب تک حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عثمانؓ کے فقہی مجوعے شائع ہو چکے ہیں ''موسوعة فقه السلف'' کے نام سے بھی بہت سے صحابہ وتابعین کے آراء ومسائل کا مجموعہ مکہ مکرمہ سے کئی سال قبل چھپا تھا، جو نامکمل سہی لیکن پھر بھی اہل علم اور عام قارئین کے لئے مفید ہے۔

عہد صحابہ میں فتاوی کا انداز:

عہد صحابہ میں فتاوی کا سلسلہ زبانی اور تحریری دونوں طریقوں سے جاری رہا۔ مدینہ منورہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور مصر ہر جگہ لوگ مشکل مسائل کے سلسلے میں بعض جلیل القدر صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے، جو وہاں مسند فتوی پر متمکن ہوتے، یہ سلسلہ تقریباً پہلی صدی کے اخیر تک جاری رہا، پھر تابعین اور تبع تابعین کا دور شروع ہوتا ہے، اس دور میں

منصب افتاء اجلۂ تابعین وتبع تابعین کے سپرد رہا، ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو صحابہٴ کرام کی موجودگی میں بھی فتوی دیتے تھے، مثلا سعید بن المسیب ؓ اور سعید بن جبیر ؓ وغیرہ، علامہ ابن حزم ؒ نے ہر علاقے میں عہد بہ عہد تمام مفتیوں کے نام اپنی کتاب (اصحاب الفتیا: ص: ۳۳۴، ۳۳۵) میں ذکر کئے ہیں، جن کی تفصیل یہاں طوالت کی موجب ہوگی مختصراً اتنا ذکر کردینا کافی ہے کہ مدینہ میں بعض صحابہ (جیسے حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ وغیرہ کے تربیت یافتہ سات فقہاء- جنہیں فقہائے سبعہ کہا جاتا ہے- مشہور ہوئے، یہ سعید بن المسیب، عروۃ بن زبیر، قاسم بن محمد بن أبی بکر صدیق، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، خارجہ بن زید بن ثابت، ابوبکر بن عبد الرحمن اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ ہیں، پھر ان کا سلسلہ زہری ؒ اور ربیعہ بن عبد الرحمن ؒ سے گزرتا ہوا امام مالک ؒ اور ان کے تلامذہ تک پہنچتا ہے۔

مکہ میں حضرت ابن عباس ؓ کے تلامذہ فتاوی صادر کرتے تھے، جیسے عطاء ؒ، طاؤس ؒ، مجاہد ؒ اور عکرمہ ؒ وغیرہ، ان کے بعد سفیان بن عیینہ ؒ سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ امام شافعی ؒ اور ان کے شاگردوں تک منتہی ہوتا ہے۔

کوفہ میں حضرت ابن مسعود ؓ سے تربیت پانے والے بزرگ منصب افتاء پر فائز تھے، جن میں علقمہ ؒ اور قاضی شریح کے نام ممتاز ہیں، ان کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی ؒ پھر حماد بن أبی سلیمان ؒ اور ان کے بعد امام ابوحنیفہ ؒ اور ان کے تلامذہ نے یہ فریضہ انجام دیا۔ بصرہ میں حسن بصری ؒ، ابن سیرین ؒ پھر قتادہ ؒ اور ان کے بعد حماد بن سلمہ ؒ، حماد بن زید ؒ اور معمر بن راشد ؒ مشہور ہوئے۔

شام میں ابوادریس خولانی ؒ پھر مکحول ؒ اور ان کے بعد امام اوزاعی ؒ اور ان کے تلامذہ نے یہ منصب سنبھالا؛ مصر میں یزید بن ابی حبیب ؒ اور ان کے بعد امام لیث بن سعد ؒ اپنے زمانے کے مفتی تھے، ان کے علاوہ بغداد اور دیگر شہروں میں بہت سے علماء فتوی دیتے رہے، ان میں امام ابن المبارک ؒ، امام احمد ؒ، امام اسحق بن راہویہ ؒ، امام ابوثور ؒ، امام داؤد ظاہری ؒ اور ابن جریر طبری ؒ وغیرہ شامل ہیں۔

مختصر یہ کہ فقہ اسلامی کا آغاز وارتقاء، ترتیب وتدوین اور تہذیب وتنقیح کے مختلف مراحل گزرے ہیں، جن سے گزر کر موجودہ فقہی ذخیرہ وجود میں آیا ہے، علامہ خضری بک نے فقہ اسلامی کی تاریخ کو چھ ۶ ادوار میں تقسیم کیا ہے، اور عہد رسالت کو پہلا دور قرار دیا ہے۔

علامہ خضری بک کے ذکر کردہ چھ فقہی ادوار

پہلا دور:

عہد نبوی میں فقہ وافتاء:

عہد نبوی میں فقہ وافتاء کا تعلق براہ راست نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ سے تھا، اس دور میں اسلام کی نشوونما ہو رہی تھی، مقاصد دینیہ پر زور تھا، ضروریاتِ زندگی محدود ہونے کی بنا پر مسائل وحوادث کا ظہور کم ہوتا تھا، اور ایک سادہ معاشرے میں جو مسائل پیش آجاتے تھے تو بارگاہِ رسالت سے ان کی شرعی راہنمائی بآسانی مل جایا کرتی تھی، باقاعدہ تدوین فقہ ہوئی تھی نہ اس کی ضرورت تھی، عمومی طور پر ایمان وعمل کی پختگی اور اشاعت اسلام وجہاد فی سبیل اللہ پر توجہات مرکوز تھیں۔

اس دور میں اسلامی کے دو ہی مآخذ تھے: (۱) قرآن کریم۔ (۲) تشریحات وتعلیمات نبویہ۔

قرآن کریم میں اصول وکلیات کا بیان ہوتا تھا تو تعلیمات نبویہ میں ان کی تشریح وتوضیح اور جزئیات کی تفصیل ہوجاتی تھی، اور کتاب وحکمت کی تعلیم کو قرآن نے مقاصدِ نبوت میں شمار کیا تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ اس فریضے کی انجام دہی فرماتے ہوئے اپنے جانثار صحابہؓ کی فقہی تربیت بھی فرما رہے تھے، چنانچہ مؤرخین وسیرت نگاروں کے بیان کے مطابق عہد نبوت میں خود آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ہی کئی صحابہ کرامؓ منصب افتاء پر فائز ہو چکے تھے، جن میں حضرات خلفاء اربعہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ (الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی: ۱/ ۲۳۳، ۲۳۴)

چنانچہ دور نبوت میں سید المفتین تو خود نبی کریم ﷺ ہی تھے، آپ ﷺ سے لوگ آکر مسائل میں راہنمائی لیتے تو آپ ﷺ وحی ربانی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمایا کرتے تھے، علامہ ابن قیمؒ نے اس نوع کے کافی سوالات وجوابات اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''اعلام الموقعین'' میں یکجا جمع کر دیئے ہیں، جو ''فتاویٰ امام المفتین'' کے نام سے مستقل ایک جلد میں الگ سے ہی طبع ہو چکی ہیں، اس نوع کے سوال وجواب کی طرف قرآن کریم میں بھی کئی مقامات پر اشارات ہیں، آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں یا مشغولیت کی صورت میں مندرجہ بالا حضرات سائلین کی تشفی فرماتے تھے، یوں دِھیرے دھیرے فقہ وافتاء کا کارواں رواں دواں رہا۔

جیسا کہ گزرا، عہد نبوی ﷺ میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہؓ نے بھی فتوی دیا ہے، ان میں بعض صحابہؓ تو وہ تھے جن کو آپ ﷺ نے کسی جگہ دینی وانتظامی امور کا ذمہ دار بنا کر بھیجا، جیسے حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ وغیرہ، ظاہر ہے کہ جن مسائل کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے، وہاں یہ حضرات اپنے اجتہاد اور رائے ہی سے فتوی دیا کرتے تھے، لیکن اس کے علاوہ بعض دیگر صحابہؓ بھی عہد نبوت

میں فتوی دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل آپ ﷺ کی اجازت ہی پر مبنی رہا ہوگا اور یقیناً اس سے ان کی تربیت بھی مقصود ہوگی، چنانچہ قاسم بن محمد بن أبي بکرؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ عہد نبوی ﷺ میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۳۳۵) سہل بن ابی أبي ہثمہؒ راوی ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں تین مہاجر صحابہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور تین انصاری صحابہ حضرت أبي بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فتوی دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء:/۸۶)

اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں فتوی دیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء:۱/ ۸۶)

غرض کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی صحابہؓ فتاویٰ دیتے تھے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے، خواہ قاضی ہو یا نہ ہو، اسی کو علامہ آمدی اور ملا محب اللہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔ (الإحكام في أصول الأحكام للآمدي: ۴/ ۲۳۵، فواتح الرحموت مع مسلم الثبوت: ۲/ ۳۷۵)

دوسرا وتیسرا دور:

عہد صحابہؓ وتابعین میں فقہ وافتاء:

علامہ خُضَرِیؒ نے عہد صحابہؓ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، کبار صحابہؓ کے دور کو دوسرا حصہ قرار دیا ہے، جو وصال رسالت مآب ﷺ (۱۱/ ہجری) سے سنہ ۴۰/ ہجری پر مشتمل ہے، اس مرحلے میں اولاً عہد صدیقی میں یمامہ کی جنگ کے دوران حفاظ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد کی شہادت نے حفاظتِ قرآن کی طرف توجہات مبذول کرائیں اور حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہؓ سے مشاورت کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ کو جمع قرآن پر مامور فرمایا۔ (صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

چنانچہ ''جامع القرآن'' درحقیقت صدیق اکبرؓ ہیں، حضرت عثمانؓ کے دور میں لغت قریش میں کتابت پر اتفاق ہوا اور ''مصحف عثمانی'' ہی آج بھی پڑھا پڑھایا جاتا ہے، لیکن احادیث قولیہ کے جمع کرنے کا اب تک الگ اہتمام نہ ہوا تھا، البتہ متفرق طور پر مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس لکھے ہوئے حدیثی ذخیرے ضرور موجود تھے، جن کے مذاکرے اور سماع وقراءت کا سلسلہ بھی جاری تھا، نیز فقہ کی تدوین کا سلسلہ بھی تا حال شروع نہیں ہوا تھا، البتہ پیش آمدہ مسائل میں افتاء اور اجتہاد کا عمل ضرور قائم تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ بالترتیب کتاب وسنت میں غور وتدبر کے بعد جو مسائل نہ ملتے تو اجتہاد سے کام لیتے تھے، یہی طرز عمل حضرت عمرؓ کا بھی تھا، مزید براں نصوص میں حکم نہ ملنے کی صورت میں کبار صحابہؓ خصوصاً فقہائے صحابہؓ سے مشاورت کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔

سابق میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں مفتیان کرام کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ تھی؛ لیکن مکثرین محض سات تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن

عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ان حضرات کے فتاویٰ وآثار مصنف عبدالرزاق ومصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں بکھرے پڑے ہیں، حافظ ابن حزمؒ کا بیان ہے کہ اگران میں سے ہر ایک کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے،معروف عرب عالم شیخ محمد رواس قلعہ جی نے اس نوع کے موسوعات کے کئی مجموعے مرتب کیے ہیں، جو علمی حلقوں میں متداول ہیں،ان کے علاوہ متوسطین صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد تھی،جن میں حضرت ابوبکر،ام سلمہ، انس بن مالک،عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، ان کے فتاویٰ بھی رسالوں کی صورت میں جمع ہوسکتے ہیں، باقی صحابہؓ بہت کم فتوے دیا کرتے تھے۔(اعلام الموقعین:۱/۱۰،۱۱،تاریخ التشریع الاسلامی،اصول الافتاء:۱/۲۲،۲۳)

صحابہؓ کے عہد میں فتویٰ کم صادر ہونے کی وجوہات:

یہ بات ظاہر ہے کہ گوصحابہؓ سب کے سب عدل اور ورع وتقوی کے اعلی معیار پر ہیں،لیکن وہ سب مقامِ افتاء پر فائز نہیں تھے؛ بلکہ ایک محدود تعداد تھی جوفتاوی دیا کرتی تھی،اس میں ایک تو ان کی احتیاط کو دخل ہے،دوسرے صلاحیت اور استعداد میں تفاوت کو،تیسرے تقسیم کار کو،دین اور امت سے متعلق مختلف ذمہ داریاں صحابہ کرامؓ انجام دیتے تھے،تعلیم وتعلم،دعوت وجہاد، انتظام وانصرام اور تربیت وتزکیہ وغیرہ،اسی نسبت سے ایک محدود تعداد علم وتحقیق،اجتہاد واستنباط اور قضاء وافتاء کے کام میں مشغول ہوئی،ان حضرات کو اس زمانہ میں قراء کہا جاتا تھا۔(دیکھئے:مقدمہ ابن خلدون:ص:۵۳ ۳،طب:دارالفکر،بیروت)

علامہ ابن قیمؒ نے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی تحقیق ہے کہ مجموعی طور پر ۱۳۰/سے کچھ زیادہ صحابہؓ اور صحابیات رضی اللہ تعالی عنہن نے فتاوی دیئے ہیں، پھر انہوں نے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا ہے،مکثرین،متوسطین اور مقلین،مکثرین سے مراد وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے کثرت سے فتاوی دیئے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے بشمول بیس صحابہؓ کوفتاوی کے اعتبار سے متوسطین میں شمار کیا ہے،جن میں حضرت ابوبکرؓ،حضرت عثمان غنیؓ،حضرت انسؓ،حضرت ابوسعید خدریؓ،حضرت ابوموسی اشعریؓ،حضرت معاذ بن جبلؓ، اورام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا شامل ہیں،مقلین یعنی کم فتوی دینے والے سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے دو چار مسائل منقول ہیں،بقول ابن قیم ان تمام حضرات کے فتاوی کو جمع کیا جائے تو ایک مختصر جزء میں آجائے،ابن قیم نے اس سلسلہ میں ایک سو پچیس صحابہؓ اور صحابیات رضی اللہ عنہن،نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن،حضرت حسینؓ اور اکثر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہن شامل ہیں۔(اعلام الموقعین:۱/۱۴-۱۳)

اللہ تعالی جزائے خیر دے ڈاکٹر رواس قلعی کو کہ انہوں نے موسوعۂ فقہ کے نام سے صحابہؓ کے فتاوی کو جمع کرنے کا بہت ہی مبارک اور مسعود کام شروع کیا ہے اور اب تک حضرت عمرؓ،حضرت علیؓ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد صحابہؓ کے فتاوی ان کے ذریعہ جمع ہوگئے ہیں،اسی طرح شیخ ابوعبداللہ سید بن کسروی بن حسن کی ''موسوعة آثار الصحابة'' بھی ایک بڑا کارنامہ ہے،جس میں تمام صحابہؓ کے فتاوی کا احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے، یہ بڑی محمود اور قابل تعریف کاوشیں ہیں،جن کے ذریعہ

موجودہ عہد کے اہل علم کو صحابۂ کرامؓ کے فتاوی اور اجتہادات سے استفادہ کا موقع ملے گا، اور سلف سے علمی رابطہ زیادہ بہتر طور پر استوار ہو سکے گا، خاص کر فقہ حنفی اور فقہ مالکی۔جس میں صحابہؓ کے فتاوی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔کے لیے صحابہؓ کے فتاوی اور آثار کی ترتیب خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔(کتاب الفتاوی:۱/ ۲۲۹-۲۳۱)

تیسرا دور:

علامہ خضری بکؒ نے صغار صحابہؓ وتابعینؒ کے دور کو تیسرا مرحلہ قرار دیا ہے، یہ دور حضرت معاویہؓ کی حکومت (۴۱/ہجری) سے قرن ثانی کی ابتدا تک کے زمانے پر محیط ہے، اس دور میں فتنے بڑھ گئے تھے، اس لیے روایت حدیث میں احتیاط کے کئی مزید اصول طے ہو گئے تھے اور تدوین حدیث کا بھی آغاز ہو چلا تھا، نیز امام ابوحنیفہؒ جیسے فقیہ بھی اسی دور کا حصہ ہیں، جنھوں نے فقہ اسلامی کی تدوین میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، ہر شہر میں مفتیان کرام کی ایک جماعت بھی افتاء کا میدان گرم کیے ہوئے تھی، جن کی فہرست علامہ ابن قیمؒ اور دیگر اہل علم نے ذکر کی ہے، ہم اختصار کے پیش نظر یہاں حوالہ ہی کافی سمجھتے ہیں۔(اعلام الموقعین:۱/ ۱۹، ۲۰، لبنان)

چوتھا دور:

دوسری صدی کے آغاز سے چوتھی صدی کا نصف:

علامہ خضریؒ کی تقسیم کے مطابق یہ فقہ اسلامی کی تاریخ کا چوتھا مرحلہ ہے جو دوسری صدی کے آغاز سے چوتھی صدی کے نصف تک طویل زمانے پر محیط ہے، یہی وہ دور ہے جس میں تدوین حدیث اور تدوین فقہ جیسے معرکہ آراء کارنامے انجام پائے اور ائمہ فقہاء ومحدثین کے نفوس قدسیہ کا ظہور ہوا۔

جہاں تک تدوین حدیث کا تعلق ہے تو یہ ایک طویل الذیل موضوع ہے جو سرِ دست ہمارے اس مفوضہ مقالے کے موضوع سے خارج ہے، البتہ تدوین فقہ کے میدان میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، امام لیث بن سعد اور امام عبدالرحمن بن ابی لیلی (رحمہم اللہ تعالی) کی خدمات سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے اہل علم وفقہاء کی ایک شوریٰ ترتیب دی تھی جس میں مسائل پر غور وخوض ہوتا، دلائل کا مناقشہ ومباحثہ ہوتا، متفقہ مسائل لکھے جاتے اور اختلافی امور بھی سپرد قلم کیے جاتے، ان مجالس میں جہاں پیش آمدہ مسائل پر بحث ہوتی وہیں مستقبل میں پیش آنے والے حوادث بھی زیر بحث آتے، یوں ''فقہ تقدیری'' کا ایک ذخیرہ وجود میں آیا جو فقہ حنفی کا ایک امتیاز ہے، نیز افتاء کا نظام بھی مستحکم ہوا، فقہاء کے مناہج طے ہوئے، اصول استنباط واستخراج متعین ہوئے، جن کی بنیاد پر مختلف فقہی مذاہب وجود میں آئے، اور تکوینی طور پر ان میں سے چار مشہور مسالک کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی، چنانچہ اس زمانہ سے خلق خدا کی اکثریت انہیں سے وابستہ ہوتی چلی آ رہی ہے، اور دوسرے مکاتب فکر دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدیں ہجری تک معدوم ہو کر رہ گئے۔

واضح بات ہے کہ ہر امام کے مقلدین اپنے مسلک کے موافق فتویٰ حاصل کرنے کے لیے اپنے کبار فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے، یہی فتاوی ترتیب دیئے گئے تو ان سے کتب فتاوی کی بنیاد پڑی، جو معتبر متون وشروح کے بعد ہر فقہی مذہب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دور سابقہ فقہاء کی خوشہ چینی اور فقہ اسلامی کی تدوین کا زمانہ تھا۔

پانچواں دور:

چوتھی صدی کے نصف سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک:

یہ مرحلہ چوتھی صدی کے وسط سے سلطنت عباسیہ کے زوال تک پر مشتمل ہے، یہ دور فقہی مذاہب میں توسع اور تقلید کے شیوع کا دور ہے، مرورِ زمانہ سے ہمتیں پست ہوئیں اور کم علمی وجہالت پر قناعت کا بازار گرم ہوا، اس دور میں مختلف فقہی مسالک کے مقلدین میں مناظرہ بازی کا ایک مذاق بھی پیدا ہوا جس کے مثبت ومنفی اثرات پڑے، البتہ فقہی ذخیرہ میں بھی قابل قدر اضافہ ہوا، چنانچہ اسی دور میں تفریعات وتخریجات پر مشتمل کتب کا ایک کتب خانہ تیار ہو گیا، حنفیہ میں فقیہ ابواللیث سمرقندی، امام قدوری، ابوزید دبوسی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، بزدوی، کاسانی، مرغینانی، صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالی، دیگر فقہی مذاہب کے ابن عبدالبر، ابن رشد، ابوولید باجی، قاضی عیاض، امام الحرمین عبدالملک الجوینی، امام غزالی اور امام نووی رحمہم اللہ جیسے نامور اہل علم وفقہاء اسی دور کی یادگار ہیں، بہر کیف اس زمانے میں بھی فقہ وافتاء کا سلسلہ یوں ہی جاری وساری رہا، مجموعی اعتبار سے یہ فقہ کی ترتیب وتہذیب اور اختیار وترجیح کا دور ہے۔

چھٹا دور:

سقوط بغداد سے دور حاضر تک:

یہ مرحلہ سقوط بغداد سے دور حاضر پر مشتمل ہے، اس زمانے میں مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل اہل علم کمیاب ہو گئے، علامہ سیوطی وغیرہ جن اہل علم نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ کیا بھی تو دیگر علماء نے اس کو تسلیم نہیں کیا، شروح وحواشی اور اختصار کا رجحان اس دور میں زیادہ رہا ہے، نیز آخری زمانے میں تسہیل کا ایک اور رجحان ابھرا ہے، اس زمانے میں ابن عبدالسلام، ابن حاجب، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن ہمام، سبکی اور سیوطیؒ جیسے جہابذہ اہل علم گزرے ہیں، اور آخری دور میں علامہ کوثریؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسی عبقری ہستیاں بھی رہی ہیں، خلافت عثمانیہ بھی اس طویل دور کا حصہ ہے، جس میں افتاء کا نہایت مستحکم نظام رہا ہے، شیخ الاسلام کا منصب اس کا امتیازی کارنامہ ہے، جو چیف جسٹس بھی ہوا کرتا تھا، اس دور میں افتاء کا نظام کافی مرتب ومنظم شکل میں سامنے آیا، چنانچہ اہل علم نے آداب استفتاء وافتاء پر باقاعدہ کتابیں لکھیں اور ہر خطے میں دارالافتاؤں کا ایک سلسلہ قائم ہوا۔

فقہ حنفی میں فتاوی کا طریقۂ کار:

علم فتاوی کا شمار فقہ کے فروع میں ہوتا ہے، طاش کبری زادہ (م:۹۶۸ھ) نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس میں جزئی واقعات کے بارے میں فقہاء سے صادر ہونے والے فروعی احکام بیان کئے جاتے ہیں، اور غرض اس سے یہ

ہوتی ہے کہ بعد میں آنے والے قوتِ استنباط سے محروم لوگ سہولت کے ساتھ ان سے استفادہ کرسکیں، عبدالنبی احمد نگری لکھتے ہیں: فتاوی سے عموما شریعت اسلامی کے وہ فروعی مسائل مراد ہوتے ہیں جن کے بارے میں کسی فقہی مکتب فکر کے بانی یا اس کے ساتھیوں سے کچھ منقول نہیں ہوتا اور متاخرین علماء اپنے اجتہاد واستنباط کے ذریعہ ان کا حل پیش کرتے ہیں۔

اس میدان میں بے شمار کتابیں تصنیف کی جاچکی ہیں، جن میں اکثر حنفی علماء کی تالیف کردہ ہیں، ان کے علاوہ شافعی، مالکی اور حنبلی مکتبِ فکر کے علماء نے بھی اپنے اپنے مسلک کے مطابق فتاوی کے مجموعے تیار کیے، ان سب کا تفصیلی جائزہ لینا یہاں دشوار ہے، ان کی اگر ایک فہرست ہی تیار کردی جائے تب بھی طوالت کی موجوب ہوگی، ان کتابوں میں بہت سی تو اب مفقود ہیں، بعض کے قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں، کچھ مطبوعہ ہیں مگر صرف ایک بار طبع ہوئیں، بہت کم ہی ایسی کتابیں ہیں جنہیں قبول عام اور استناد کا درجہ حاصل ہوا ہے، اس لئے صرف اہم کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ علمائے احناف نے فقہی مسائل کے نقل وروایت میں استناد کے اعتبار سے فتاوی کی کتابوں کو تیسرے درجے میں رکھا ہے، پہلے اور دوسرے درجے میں کتب ظاہر الروایۃ اور مسائل النوادر والامالی ہیں، دوسری بات یہ کہ حنفی مسلک کے یہ فتاوی انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے جمع ہوتے رہے، یعنی بعض اوقات کسی فقیہ یا مفتی کے تمام فتاوی کو یکجا کردیا جاتا تھا جو اس نے مختلف مسائل کے جواب میں وقتاً فوقتاً صادر کیے، بعد میں اسی کے نام سے یہ مجموعہ منسوب ومشہور ہوتا، خواہ اس کا جامع ومرتب کوئی دوسرا ہو، فتاوی کا معتد بہ ذخیرہ اسی زمرے میں آتا ہے، فتاوی جمع کرنے کا اجتماعی طریقہ یہ تھا کہ علماء کی ایک مجلس منتخب کی جاتی اور مختلف ماخذ کے سہارے جزئی واقعات کے مطابق فتاوی مرتب کئے جاتے، ''فتاوی عالمگیری'' یا (الفتاوی الہندیہ) کی تدوین اسی طرز پر ہوئی ہے۔

فتاوی کی بہت سی کتابیں، ''نوازل''، ''اجوبة''، ''مسائل، سؤالات أسئلة'' اور ''واقعات'' سے بھی موسوم ہیں، ''نوازل'' سے کسی واقعہ یا حادثہ کے پیش آنے کا پتہ چلتا ہے، برخلاف ''فتاوی'' کے؛ جس کے تحت ہر باب اور شعبہ کے مسائل شامل ہیں۔

فتاوی کی بعض کتابیں مختلف فنون کے مسائل پر مشتمل ہیں، اور بعض مجموعے ایسے بھی ہیں جن میں فتاوی کے ساتھ وہ رسائل بھی شامل کردیے گئے ہیں جو مؤلف نے کسی سوال کے جواب میں نہیں لکھے، بلکہ ان کی حیثیت مستقل تالیف جیسی ہے، کتب فتاوی کا جائزہ لیتے وقت ان تمام امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، ورنہ اس نام کی مختلف کتابوں کے درمیان موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے تمیز کرنا دشوار ہوگا۔

حنفی مسلک کے فتاوی کی الگ الگ خصوصیات ہے؛ کچھ کتابوں میں صرف فقہی جزئیات ہے جیسے فتاوی عالمگیری، خلاصۃ الفتاوی، کچھ کتابوں میں سمعی وعقلی دلائل بھی ہے، جیسے فتح القدیر، بدائع الصنائع، اس باب میں اعلاء السنن کی خدمات بھی بڑی اہم ہے، حکم شرعی کے دو مآخذ تو سب کو معلوم ہیں، یعنی قرآن مجید اور سنت، جو اصلی اور بنیادی

ماخذ ہیں،لیکن قرآن پاک نے ان کے علاوہ بھی کچھ ذیلی ماخذ کا ذکر کیا ہے،قرآن پاک نے جگہ جگہ عقل کا ذکر کیا ہے کہ اپنی عقل سے کام لو،سوچو،تفکر اور تدبر سے کام لو،گویا عقل کو قرآن پاک نے تسلیم کیا ہے؛لہذا حکم شرعی کا عقل بھی ایک ماخذ ہے،لیکن عقل کیسے ماخذ ہے؟اس کی حدود کیا ہیں؟اس سے کام لینے کے کیا ضوابط ہیں؟ان سب سوالات کا جواب دینے کی ضرورت ہے جو علمائے اصول نے تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔

عصر حاضر میں کار افتاء:

موجودہ دور میں جو لوگ منصب افتاء پر فائز ہیں وہ اپنی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے تین طرح کے کام انجام دے رہے ہیں:

(۱) تخریج : یعنی جن مسائل کے بارے میں فقہاء کی رائے منقول نہیں ہے،اور وہ اِس دور کے پیدا ہونے والے مسائل ہیں،فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول وقواعد کی روشنی میں ان کے بارے میں رائے قائم کرنا،کیوں کہ ہر عہد میں نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے،جن کا شرعی حکم متعین کرنا علماء کی ذمہ داری ہے،اور یہ شریعت اسلامی کے ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔

(۲) ترجیح : یوں تو بعد کے فقہاء نے متقدمین کی اختلافی آراء کے بارے میں ترجیحات متعین کر دی ہیں،لیکن ترجیح کی ایک اساس کسی رائے کا اپنے عہد کے عرف اور اس زمانہ کے مصالح کی بنیاد علماء نے نصوص پر نہیں رکھی ہو،بلکہ وہ مصالح پر مبنی ہوں،ان کے بارے میں اپنے عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں،اس کے لئے بعض اوقات شرائط کے مطابق حدود میں رہتے ہوئے ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول بھی کرنا پڑتا ہے،لیکن یہ حقیقت میں عدول نہیں ہے،عدول وہ اختلاف ہے جو دلیل و برہان پر مبنی ہو،کسی خاص رائے کو تقاضۂ عصر وزمان کے تحت اختیار کیا جائے تو یہ حقیقت میں عدول نہیں،اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے مختلف مقامات پر اس سلسلہ میں اشارہ کیا ہے۔

(۳) نقل فتوی : تیسرا کام یہ ہے کہ جس فقہ کا مقلد ہو،اس فقہ کے مطابق جوابات نقل کر دیئے جائیں۔

موجودہ دور میں ارباب افتاء یہ تینوں طرح کے کام کر رہے ہیں،لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں ذمہ داریاں انفرادی طور پر انجام دینے کے بجائے اجتماعی طور پر انجام دی جائیں ،چنانچہ اسی لئے آج کل فقہی مجامع (فقہ اکیڈمیاں) کی تشکیل عمل میں آئی ہے اور یہ عالم اسلام میں بھی اور خود ہندوستان میں بھی بڑی مفید خدمات انجام دے رہی ہیں۔(کتاب الفتاوی:۱/ ۲۳۵،۲۳۶)

کتب فتاوی کا درجہ،طبقاتِ مسائل کا لحاظ:

حنفیہ کے مذہب میں مسائل کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہی وجہ ترجیح بھی ہے ،یعنی پہلے درجہ میں ''ظاہر الروایہ'' دوسرے میں'' نادر الروایہ''، پھر اس کے بعد فتاویٰ اور واقعات کا لحاظ کیا جائے گا اور تعارض کی شکل میں

طبقۂ اعلی کو ترجیح ہوگی، الا یہ کہ مشائخ نے کسی اور روایت پر فتوی دینے کی صراحت کی ہو۔

طبقاتِ مسائل کا لحاظ:

مسائل حنفیہ کے کل تین طبقات ہیں:

(۱) **ظاہر الروایہ یا روایۃ الاصول:** اس کا اطلاق ان مسائل پر ہوتا ہے جو حضرت امام محمدؒ کی کتب ستہ (مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر) میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور دیگر اصحابِ مذہب سے نقل کئے گئے ہیں، یہ درجۂ مسائل سب سے اعلی اور اقویٰ ہے اور اس کی سند مذہب میں مشہور و معروف ہے۔

(۲) **غیر ظاہر الروایہ یا روایۃ النوادر:** اصحابِ مذہب کی وہ روایتیں جو امام محمدؒ کی کتب ستہ مذکورہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں مذکور ہیں، وہ نوادر یا غیر ظاہر الروایہ کہلاتی ہیں، کیوں کہ مذہب میں ان کی سند ظاہر الروایہ کی طرح مشہور و معروف نہیں ہے، اس طبقہ کی روایتوں کا درجہ ظاہر الروایہ سے کمتر ہوتا ہے، بریں بنا اگر ان کا تعارض ظاہر الروایہ سے ہوجائے تو ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوگی، الا یہ کہ مشائخ ظاہر الروایہ کو ترک کرنے کا فیصلہ کرلیں۔

کتب غیر ظاہر الروایہ میں امام محمدؒ کی تصنیفات مثلا کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، اور امام ابو یوسفؒ کے امالی (یہ املا کی جمع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ استاذ شاگردوں کے سامنے زبانی درس دے اور شاگرد اسے کاپی میں نوٹ کرلیں۔) اسی طرح وہ مفرد روایتیں شامل ہیں جو دیگر اصحابِ مذہب مثلا حسن بن زیادؒ (المتوفی: ۲۰۴ھ)، محمد بن سماعہؒ (المتوفی: ۲۳۳ھ)، معلیٰ بن منصورؒ (المتوفی: ۲۱۱ھ) وغیرہ سے مروی ہیں۔

(۳) **الفتاوی والواقعات:** وہ مسائل جن کے متعلق ظاہر الروایہ اور نادر الروایہ میں متقدمین اہل مذہب سے کوئی حکم شرعی منقول نہ ہو اور بعد کے مشائخ و مفتیان نے مجتہدین کے اصول کی روشنی میں ان کا استنباط و استخراج کیا ہو، ایسے مسائل کو اصطلاح میں ''فتاویٰ وواقعات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان مشائخ میں حضرات صاحبینؒ کے بلاواسطہ شاگرد مثلا عصام بن یوسف ابو عصمہؒ (المتوفی: ۲۱۵ھ) محمد بن سماعہؒ (المتوفی: ۲۳۳ھ) ابراہیم بن رستم المروزیؒ (المتوفی: ۲۱۱ھ) موسیٰ بن سلیمان ابوسلیمان الجوزجانیؒ (المتوفی: ۲۰۰ھ) ابوحفص البخاریؒ (المتوفی: ۲۱۷ھ) اسی طرح اہل مذہب کے شاگردوں کے شاگرد مثلا محمد بن سلمہ البلخیؒ (المتوفی: ۲۷۸ھ) محمد بن مقاتل الرازیؒ (المتوفی: ۲۶۸ھ) نصیر بن یحییٰ البلخیؒ (المتوفی: ۲۶۸ھ) ابوالنصر محمد بن سلامؒ (المتوفی: ۳۰۵ھ) وغیرہ حضرات شامل ہیں، یہ حضرات کبھی کبھی عرف وضرورت کو دیکھتے ہوئے مذہب کی صریح روایت ک خلاف بھی فتویٰ دے دیتے ہیں۔ (فتویٰ نویسی کے رہنما اصول: ۱۵۸)

حنفی فتاویٰ کی تدوین:

تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ حنفیہ میں سب سے پہلی کتاب فقیہ ابواللیث (المتوفی: ۲۹۴ھ) نے کتاب النوازل کے نام سے تصنیف کی، آپ کے بعد دیگر مشائخ نے بھی اسی انداز کے مجموعے مرتب کئے جیسے مجموع

النوازل للشیخ احمد بن موسی الکشیؒ (المتوفی: ۵۵۰ھ) اور الواقعات للامام ابو لعباس احمد بن محمد بن عمر الناطفیؒ (المتوفی: ۴۴۶ھ) اور الواقعات للصدر الشهید ابی محمد حسام الدینؒ (المتوفی: ۴۹۲ھ) اور الخلاصه للشیخ طاهر بن احمد البخاری (المتوفی: ۵۴۲ھ) وغیرہ میں طبقات مسائل کی ترتیب کا لحاظ کئے بغیر کیف ماتفق مسائل لکھ دئے گئے ہیں، جب کے علامہ محمد بن محمد رضی الدین السرخسیؒ (المتوفی: ۵۴۴ھ) نے اپنی کتاب ''المحیط'' میں ترتیب وار الگ الگ مسائل لکھے ہیں، یعنی اولاً ظاہر الروایہ پھر نوادر اور اس کے بعد فتاویٰ، یقیناً یہ ایک قابل قدر اور لائق تعریف کارنامہ ہے۔

فتاویٰ کی تدوین کا کام ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے، آج بھی جاری ہے، مگر صرف عموماً مفتیٰ بہ اقوال کا التزام کیا جاتا ہے، طبقات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، لیکن مفتی کے لئے یہ اصول اپنی جگہ مسلم ہے کہ تعارض کے وقت اسے اعلی درجہ کی ہی روایت لینی چاہئے، بشرطیکہ عام مشائخ نے درجہ اعلی کو چھوڑنے کی صراحت نہ کی ہو۔

ذخیرۂ فتاوی کے فوائد:

چند امور میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان سے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی، تمدنی اور فکری حالات کی عکاسی ہوتی ہے، ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو کب کس طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اور ان کے بارے میں علماء کا کیا موقف رہا، ہر زمانے اور علاقے کے رسم ورواج اور مروجہ بدعات کی تصویر بھی ان کتابوں سے سامنے آتی ہے، علماء کے فتاوی کا ردعمل عوام پر کیا ہوتا تھا؟ سلاطین وامراء اور طلبہ وعوام سے ان کے تعلقات کیسے تھے؟ ہر زمانے میں کن علماء کو فتوی نویسی کے میدان میں شہرت ملی؟ ان کے علم وفہم اور فقہ وبصیرت کا کیا حال تھا؟ یہ اور ان جیسے بیسیوں امور ہیں جن کے لئے کتب فتاوی کا مطالعہ ناگزیر ہے، ہمیں تاریخ وتذکرے کی قدیم کتابوں کے ساتھ کتب فتاوی کو نہ بھولنا چاہئے، بعض اہل علم اب اس جانب متوجہ ہوئے ہیں، اور فتاوی کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے لگے ہیں۔

فقہ حنفی کی بعض کتب فتاوی ومخطوطات:

حنفی علماء کی کتب فتاوی میں سب سے زیادہ شہرت کی حامل ''فتاوی قاضی خان'' (م: ۵۹۲ھ) ہے، یہ آج تک احناف کے یہاں مقبول اور متداول ہے، مفتیوں اور قاضیوں کا عموماً - قرآن وحدیث کے بعد - اسی پر اعتماد رہتا ہے، مصنف نے اس کتاب میں ایسے مسائل مع حوالہ جمع کئے ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں، اور جن کی ضرورت برابر ہی پڑتی رہتی ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں متأخرین کے متعدد اقوال میں سے صرف ایک یا دو قول ذکر کئے ہیں، اور مشہور اور راجح قول کو مقدم رکھا ہے، تاکہ فتوی دیتے وقت علماء کو دشواری نہ ہو، علامہ قاسم بن قطلو بغا کہتے ہیں کہ قاضی خان جس بات کی تصحیح کر دیں اسے دوسروں کی تصحیح پر مقدم سمجھا جائے گا۔ (الفوائد البهیه: ۶۵)

''فتاوی عالمگیری'' اور ''فتاوی تاتارخانیہ'' ہندوستانی علماء کی تالیفات میں سے ہے، ان کی بھی بڑی اہمیت ہے،

دونوں میں جزئیات بڑی مقدار میں ہے، اس لئے مسئلہ کا حل آسان ہوجاتا ہے اور جزئیات بھی ابواب وفصول میں مرتب کئے ہیں، اس سے مسائل کے حل اور جزئیات کی تلاش میں مزید آسانی ہوگئی ہے، ان کے علاوہ مطبوعہ کتابوں میں ''نوازل أبی اللیث السمرقندي'' (م: ۳۹۳ھ) سب سے قدیم ہے، مصنفؒ نے اس میں پچھلے فقہاء کے وہ اقوال جمع کئے ہیں جونوازل سے متعلق ہیں، اب یہ کتاب سید یوسف احمد کی تحقیق کے ساتھ چھپ گئی ہے، اور سہارنپور، یوپی۔ میں مکتبہ دارالایمان میں دستیاب ہے۔

تاریخی اعتبار سے اس کے بعد ابوالحسن سفدی (م ۴۶۱ھ) کی ''النتف فی الفتاوی'' کا نمبر آتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مسائل میں احناف کے علاوہ دیگر ائمہ وعلماء کے اقوال بھی مصنفؒ نے ذکر کئے ہیں، گویا یہ فقہ مقارن ہے، اس طرح یہ قاضیوں اور مفتیوں کے لے بہترین مرجع بن گئی ہے، اس میں بہت سے فقہی قواعد کا بھی ذکر ملتا ہے، جنہیں کتاب کے مرتب نے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب بغداد سے ۱۹۷۵ھ میں شائع ہوئی ہے، یہ فقہ حنفی میں تالیف کی گئی کتابوں کا مختصر جائزہ ہے۔

فتاوی حمادیہ کا تعارف

فتاوی حمادیہ عربی زبان میں ایک فقہی مخطوطہ ہے جو فقہ احناف کے مسائل پر مشتمل ہے۔

مخطوطے کے ابتدا میں اس کے مندرجات ومضامین کی فہرست دی گئی ہے، جو یہ ہے:

کتاب الطهارة، کتاب الصلوة، کتاب الزکوة، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والسرقة، کتاب السیر، کتاب اللقیط واللقطة، کتاب الاباق، کتاب المفقود، کتاب الشرکة، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الکفالة، کتاب الحوالة، کتاب الدعوی، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربة، کتاب الودیعة، کتاب العاریة، کتاب الهبة، کتاب الاجارة، کتاب الاکراه، کتاب الحجر، کتاب الغصب، کتاب الشفعة، کتاب القسمة، کتاب المزارعة، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیة، کتاب الاستحسان، کتاب احیاء الموات والسرب، کتاب الرهن، کتاب الجنایات، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض.

مقدمۂ کتاب:

مخطوطہ کے آغاز میں مصنف کی طرف سے ایک طویل مقدمہ ہے، جس میں اس کی وجہ تالیف بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی تالیف میں کن کن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور یہ مخطوطہ کس کی طرف منسوب ہے۔

مصنفؒ مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

امابعد! بندہ امیدوار رحمت پروردگار ابوالفتح رکن بن حسام مفتی ناگوری (اللہ اس کی حالت درست فرمائے اور اسے اپنے کرم و برہان کی نعمت سے سرفراز کرے) کہتا ہے کہ جب میں شہر نہروالا میں آیا (اللہ اس شہر کو تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے) تو وہاں کے ارکان دولت، اعیان حکومت اور دیگر لوگوں میں ایک شخص کو سب سے بڑھ کر عالم، فاضل، مجتہد اور حق و باطل کے درمیان حد فاصل پایا۔ وہ شخص لوگوں کے عادات واطوار سے آگاہ ہے اور شریعت کو اساس اور بنیاد ٹھہرا کر فیصلے کرتا ہے۔ وہ چونکہ انتہائی سمجھ دار اور بدرجہ غایت معاملہ فہم ہے، اس لیے کوئی شخص اس کے سامنے خلاف واقع بات کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اور وہ ذہنی پاکیزگی، معرفت وشعور، تجربہ اور مہارت کے اعتبار سے اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کے حضور نہ کوئی جھوٹی شہادت دے سکتا ہے اور نہ غلط بیانی کرسکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ۳۵ سال سے تنفیذ احکام اور محکمۂ قضا پر متمکن ہے اور اس نے دعاوی اور مقدمات کے وہ فیصلے کیے ہیں جو جمہور فقہا کے اقوال اور ان کے فتاوی سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔

''معلوم ہے وہ کون شخص ہے۔ وہ اعظم و معظم، اکرم و مکرم، صدر صدور العالم، اہل اسلام میں سے افضل ترین، اشرف بنی آدم، قاضی القضاۃ حماد جمال الدین احمد ہے۔ ان کے والد امام، عالم، فاضل، استاد الثقلین، بحر المعانی، نعمان الثانی، جامع الفروع والاصول، ناقل المعقول والمنقول اور قاضی القضاۃ، مرحوم ومغفور اکرم ہیں، اللہ انہیں نعمائے جنت سے سرفراز کرے اور زمانے کی آفات و آلام سے مامون وماصون رکھے۔

''انہوں (قاضی حماد بن اکرم) نے میرے اور میرے لڑکے کے۔ جو ایک عالم شخص ہیں اور جن کا نام مولانا داؤد ہے، (اللہ انہیں دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائے)۔ یہ خدمت سپرد کی کہ ہم مختلف فتوے جمع کریں اور ایسی صحیح اور بہترین روایات اکٹھی کریں جن کی بنیاد پر فقہاء نے فتوے جاری کیے ہوں اور جو قضا کے باب میں قابل اعتماد ہوں۔

'' چنانچہ میں نے اور میرے اس بیٹے نے، ایسی روایات کی تلاش شروع کی جو معتمد علیہ ہوں اور عقل و درایت کی میزان پر پوری اترتی ہوں۔ وہ (قاضی حماد بن اکرم) اللہ کے فضل و کرم سے اس ضمن میں اس چیز کو پسند کرتے اور محبوب گردانتے تھے، جس پر جمہور فقہاء کا اجماع ہو، انہوں نے (اس کتاب کی تکمیل کے لیے) ہمارے پاس بہت سا مواد (علمی) جمع کردیا، جن میں الواقعات بھی شامل ہے، لیکن یہ سب مواد (فقہ) کی مختلف و متفرق روایات واقوال پر مشتمل ہے۔ ہم نے اس پورے سلسلے کو یکجا کیا؛ تاکہ اس پر اعتماد اور رسائی کا معاملہ سہل ہوجائے اور اس انداز سے مرتب کیا کہ علم واطلاع میں آسانی ہو۔ ہم نے ہر بات کو اس کے اصل مقام اور ہر فصل کو اس کی اصلی حالت پر رکھا۔ بعض ابواب میں ہم نے روایات کا تکرار بھی کیا تا کہ ہر باب سے موافقت و مناسبت کی صورت پیدا ہوجائے اور یہ تکرار مؤلفین کی عادت اور مصنفین اساتذہ کی فطرت واسلوب کے عین مطابق ہے۔ اس سے ان کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ طالب، ہر جگہ

اپنے مطلب ومقصد کی بات پالے اور مسئلے کی تلاش وجستجو میں اسے کوئی دقت پیش نہ آئے۔ (اس کتاب کی ترتیب میں) ہم نے جن کتابوں سے استخراج کیا اور مسائل مستنبط کیے ان میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

(اس کے بعد ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے مصنف شہیر نے اس فتاوی کی تالیف وترتیب میں مدد لی۔ یہ دوسو سولہ کتابیں ہیں۔) جن میں ہدایہ، الکافی، الخوارزمی، شرح مجمع البحرین، شرح الوقایہ، تحفۃ الفقہاء، شرح طحاوی، النسفی، الخلاصہ، المحیط، فتاوی الناطفی، المبسوط، الذخیرہ، الواقعات للحسامی، فتاوی تاتارخانی، کشف الغوامض، جواہر الفتاوی، فتاوی البرہانی، جامع الفتاوی، کشف المکتوم، فتاوی سمرقندی، فتاوی قراخانی (یہ قبول قرآن خاں کی طرف منسوب ہے)، فتاوی النوازلی، فتاوی ولوالجی، خزانۃ الفقہ، فتاوی الصیرفی، تفسیر فخر الدین رازي، دستور القضاۃ، زاد الفقہاء، مشکوۃ المصابیح، معالم التنزیل، تفسیر الکشاف، الحاشیۃ البزدوی، فتاوی الابانہ، تفسیر شیخ شہاب الدین السہروردی وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب (فتاوی حمادیہ) فقہ احناف سے متعلق مسائل پر محیط ہے؛ تاہم اس میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو فقہ امام شافعی پر مشتمل ہیں۔

ان کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد مصنفؒ مقدمے کے آخر میں فرماتے ہیں:

فلما فرغنا عن جمع هذه المسائل الشريفة، سميناها بكتاب الحمادى لتكون محمودة، مقبولة، مشهورة، معمولة، فان الاعتصام بذيل الكرام يورث المقاصد و المرام، جعلنا الله وإياكم من الذين رضي بفضله عنهم و صلى الله على خير خلقه محمد و آله اجمعين.

”یعنی جب ہم ان تمام مسائل کی جمع وترتیب سے فارغ ہوئے تو اس کا نام ”کتاب الحمادی“ رکھا؛ تاکہ یہ اچھے لوگوں میں مقبول ومشہور اور قابل عمل قرار پا جائے۔ اس سے اعتصام وتعلق انسان کو بنیادی مقاصد کا حامل بنادے گا (دعا ہے) اللہ تعالی ہم کو، آپ کو اور ان سب لوگوں کو جن سے وہ اپنے فضل وکرم سے راضی ہوا، اس زمرے میں شامل کرے۔ صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔

فتاوی کے مصنف:

فتاوی حمادیہ نویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔ افسوس ہے اس کے مصنف مفتی رکن الدین ناگوری، ان کے بیٹے اور معاون، مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری، قاضی القضاۃ حماد الدین گجراتی (جن کی طرف یہ فتاوی منسوب ہے) اور ان کے والد قاضی محمد اکرم گجراتی کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم ہو سکے کہ یہ نویں صدی ہجری کے اعیان وعلماء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا شمار ہندوستان کے طبقہ تاسعہ کے علماء وفقہاء میں ہوتا ہے۔ نزہۃ الخواطر میں ان کا ذکر اسی زمرے میں کیا گیا ہے۔ پھر یہ ذکر تفصیلی نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو فتاوی کے مقدمے سے مستفاد ہے۔ چنانچہ مصنف فتاوی کے بارے میں مرقوم ہے۔

شیخ عالم کبیر، علامہ مفتی رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری کا شمار اونچے درجے کے فقہاء میں ہوتا ہے، فقہ و

اصول میں ان کا مرتبہ بلند تھا، یہ گجرات کے ایک شہر نہر والا میں مفتی تھے۔ان کی تصنیف فتاوی حمادیہ ہے، جو ایک ضخیم کتاب ہے، یہ کتاب انہوں نے قاضی حمادالدین بن محمد اکرم گجراتی کے حکم سے تصنیف کی اور اس سلسلے میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول کی دوسو چار کتابوں سے استفادہ کیا اور ان سے مسائل فقہی بیان کیے۔اس کا آغاز: **الحمد لله الذي نور قلوب الموحدين بنور التوحيد و الايمان...** کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

قاضی حمادالدین گجراتی:

پہلے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب قاضی القضاۃ حمادالدین گجراتی کی طرف منسوب ہے۔ان کے بارے میں صاحب نزہتہ الخواطر فرماتے ہیں:

شیخ عالم وفقیہ، قاضی حمادالدین بن محمد اکرم حنفی گجراتی اپنے دور کے مشہور فضلاء میں سے تھے۔نہر والا میں قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر متمکن تھے۔مفتی رکن الدین ناگوری نے ان کے حکم سے فتاوی حمادیہ تصنیف فرمایا۔مصنف نے ابتدائے کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، اور ان کی علمی دسترس اور فضل وکمال کی بڑی تعریف کی ہے۔

فتاوی حمادیہ کے مصنف اور معاون:

فتاوی حمادیہ کی تصنیف میں مصنف کے لڑکے مفتی داود بن رکن الدین ناگوری نے ان کی امداد کی (اور جیسا کہ مقدمہ کتاب سے ظاہر ہے) ان کی معاونت سے یہ کتاب معرض تصنیف میں آئی۔مفتی داود کے بارے میں سید عبدالحی حسنی صاحب نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں:

شیخ عالم کبیر، مفتی داود بن رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری عظیم المرتبت عالم تھے اور فقہ واصول میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔بلاد گجرات کے ایک شہر نہر والا میں مسند افتا پر فائز تھے۔فتاوی حمادیہ کی تدوین وترتیب میں- جیسا کہ آغاز کتاب میں ان کے والد نے صراحت کی ہے- انہوں نے اپنے والد مفتی رکن الدین ناگوری کی اعانت فرمائی۔

قاضی محمد اکرم گجراتی:

یہ قاضی حماد کے والد تھے۔سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے ان کا ذکر بھی کیا ہے۔لکھتے ہیں: الشیخ عالم وفقیہ، قاضی محمد اکرم حنفی گجراتی بڑے علم وفضل کے حامل تھے اور ان علما میں سے تھے جن کو فقہ واصول میں خاص درک حاصل تھا۔شہر نہر والا میں قاضی القضاۃ تھے۔مفتی رکن الدین ناگوری نے اپنی تصنیف فتاوی حمادیہ کے دیباچے میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور امام، عالم، نعمان ثانی اور ناقد المعقول والمنقول وغیرہ القاب سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

مشمولات ومضامین:

فتاوی حمادی اسی قسم کے مضامین ومندرجات پر محیط ہے جو فقہ کی عام کتابوں کی زینت ہیں۔اس فتاوی میں (جیسا کہ پہلے بتایا گیا) دوسو سے زائد کتابوں سے مسائل فقہی بیان کیے گئے ہیں۔بعض مقامات پر بڑی تفصیل دی گئی ہے۔بعض

مسائل واحکام میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے اور اس زمانے کے حالات کے مطابق مسئلہ زیر بحث سے تعرض کیا گیا ہے۔

کیا بنی ہاشم کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

اہل علم کے نزدیک یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ اور صدقے کا مال دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

فتاوی حمادیہ کے مصنف نے کتاب الزکوۃ میں اس مسئلے کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا ہے، انھوں نے مختلف کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ بنی ہاشم کو صدقہ بھی دیا جاسکتا ہے اور زکوۃ بھی؛ چناں چہ فتاوی خوارزمی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابي حنيفة لا بأس بالصدقات كلها على بني هاشم والحرمة كانت على عهد النبي.

"امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہر قسم کے صدقات بنی ہاشم کو دیے جائیں، حرمت کا تعلق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک تک محدود تھا۔"

اس سے آگے فرماتے ہیں:

روى ابو عصمة، عن ابي حنيفة انه يجوز دفع الزكوة الى بني هاشم وانما كان لا يجوز في ذلك الوقت.

"ابوعصمہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے، اس کا عدم جواز صرف اس زمانے تک تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔"

کزمینی کے حوالے سے مزید فرماتے ہیں:

وقيل في زماننا يجوز دفع الزكوة اليهم.

"یعنی ہمارے زمانے میں ان (بنی ہاشم) کو زکوۃ ادا کرنا جائز ہے۔"

معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق لوگ:

کتاب السیر میں مصنف نے بہت سے فقہی مسائل کو شائستۂ التفات ٹھہرایا ہے، انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق کون لوگ ہیں۔ المحیط کے حوالے سے فتاوی حمادیہ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

واهل العطاء من يعمل لعامة المسلمين كالقاضي والمفتي والمدرس والغازي.

''جو لوگ عامۂ مسلمین کی خدمت پر متعین ہیں اور ان کے نام رجسٹر میں درج ہیں، مثلاً قاضی، مفتی، مدرس اور غازی، انہیں باقاعدہ (سالانہ یا جو طریقہ رائج ہو، اس کے مطابق مسلمانوں کے بیت المال سے اتنا معاوضہ ملنا چاہیے، جس سے ان کی ضروریات پوری ہوسکیں۔"

وہ اس معاوضے کے مستحق کیوں ہیں؟ مصنف فرماتے ہیں:

وإنما استحقوا ذلك لانهم فرغوا انفسهم لعمل المسلمين فيكون كفايتهم في مال من بيت مال المسلمين.

”یعنی وہ اس معاوضے کا استحقاق اس بنا پر رکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لیے فارغ کرلیا ہے اور ان کی کفالت کی ذمہ داری مسلمانوں کے بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔“

اس مسئلے پر مصنف نے کتاب القضاء میں بھی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی اور دیگر عمال حکومت معاوضہ لینے میں حق بجانب ہیں، کیوں کہ ان کی مصروفیات اس نوعیت کی ہیں کہ وہ اور کوئی کام نہیں کر سکتے، اس میں مصروف رہتے ہیں۔ خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی بھی بیت المال سے معاوضہ لیتے تھے۔ اسی طرح علماء وفقہاء کا کہنا ہے کہ معلمین قرآن بھی معاوضہ لے سکتے ہیں۔ (ورق:۲۱۶)

مسجد کا وقف:

فتاوی حمادیہ میں کتاب الوقف کے تحت وقف کے سلسلے میں خاصی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اس میں ایک مسئلہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص مسجد کے لیے جگہ وقف کرتا ہے اور اس میں اپنے خرچ سے مسجد تعمیر کرتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کیا وہ اس مسجد میں اپنی مرضی سے مؤذن یا امام مقرر کرسکتا ہے؟

مصنف فتاوی جواب دیتے ہیں، واقف اپنی پسند کے مؤذن اور امام کا تقرر نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ وقف کے بعد جب مسجد پر اس کا کوئی ذاتی حق نہیں رہا تو اس کی کسی چیز پر بھی (جس میں مؤذن، امام اور خادم بھی شامل ہیں) اس کا کوئی استحقاق نہیں رہتا۔ وہ تنہا اس سلسلے میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں بلکہ اس نوع کے تمام معاملات مسجد کے نمازیوں اور محلہ یا گاؤں (جہاں مسجد تعمیر ہے) کے لوگوں کے مشورے سے طے پائیں گے اور وہی کچھ ہوگا جو وہ کہیں گے؛ کیوں کہ مسجد اس کی ملکیت نہیں، وقف ہے اور وقف پر سب کے یکساں حقوق ہیں۔

اجتہاد فی القضاء:

عدل وانصاف کی مسند پر قاضی اجتہاد سے بھی کام لے سکتا ہے، لیکن اس سلسلے میں اسے یہ بات بہر حال ملحوظ رکھنا پڑے گی کہ اجتہاد فی القضاء سے نص اور اجماع امت کی مخالفت نہ ہوتی ہو، اگر اجتہاد قاضی ان دونوں اصولوں کی مخالفت پر مبنی ہوگا تو باطل قرار پائے گا؛ کیوں کہ نص اور اجماع کو اجتہاد پر فوقیت حاصل ہے اور اجتہاد نص اور اجماع کی روشنی میں کیا جاتا ہے، نہ کہ اس کو نظر انداز کر کے۔

اشتہار و منادی کے ذریعے ملزم کی تلاش:

مدعی بار بار مدعا علیہ کے مکان پر جاتا ہے اور عدالت بھی اپنے ذرائع سے اس کو طلب کرتی ہے مگر نہ وہ گھر پر ملتا ہے اور نہ عدالت میں حاضر ہوتا ہے، ایسی صورت میں عدالت اس کے مکان پر اپنا ایک وکیل (نمائندہ) بھیجے، جس کے ساتھ عدالت کی طرف سے دو گواہ بھی ہوں، وہ نمائندہ مسلسل تین روز دن میں تین تین بار اس کے مکان پر جائے اور دو گواہوں کی موجودگی میں اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے۔ ”فلاں بن فلاں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ کو فلاں

وقت قاضی کی عدالت میں حاضر ہو اور فلاں الزام کے بارے میں جو فلاں شخص کی طرف سے اس پر عاید کیا گیا ہے اپنی پوزیشن واضح کرے، اگر وہ تاریخ مقررہ اور وقت مقررہ پر عدالت میں حاضر نہ ہوگا اور نہ اپنا وکیل بھیجے گا اور نہ کوئی اطلاع دے گا تو قاضی اس کی طرف سے ایک وکیل مقرر کر کے عاید شدہ الزام کے بارے میں شہادتیں لے گا اور شہادتوں کی روشنی میں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد فیصلہ صادر کر دے گا۔''

اس سے ثابت ہوا کہ عدالت میں حاضر کرنے کے لیے مدعا علیہ کی تلاش کی کوشش قاضی کے فرائض میں داخل ہے اور اس سلسلے میں اسے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو اس زمانے میں مروج ہو اور جس سے مدعا علیہ کی تلاش میں مدد لے سکے؛ ورنہ اسے یک طرفہ فیصلہ صادر کرنے کا حق حاصل ہے۔

اگر محبوس جیل میں بیمار پڑ جائے:

ایک شخص کسی سلسلے میں قید خانے میں محبوس ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے، تو قاضی کا فرض ہے کہ قید خانے کے عملے کو اس کے علاج معالجے کا حکم دے اور اس کے لیے ایک خادم بھی مہیا کرے اور اگر علاج و خدمت کے باوجود بیماری شدت اختیار کر لیتی ہے اور قید خانے میں علاج کی کوئی مؤثر صورت نہیں ہے تو قاضی کو چاہیے کہ اس کی رہائی کے احکام جاری کر دے، کیوں کہ حبس سے اصل مقصد اس کو سزا دینا ہے نہ کہ ہلاک کرنا۔ (ورق:۲۱۵)

اچھائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہونا چاہیے:

مصنف اس سلسلے میں آگے چل کر فتاوی خانیہ کے حوالے سے کہتے ہیں: اگر کسی شخص کی اچھائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کی معاشرت اور میل جول کا انداز بہتر ہو اور اس کی بعض کمزوریوں کے باوجود لوگ مجلسی طور پر اس کی عزت کرتے ہوں، دیکھنے میں وجاہت وحشمت کا مالک ہو اور روزمرہ کے معاملات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بات کو وزن دیتے ہوں، اس کی شہادت قابل قبول ہوگی؛ کیوں کہ کسی شخص کا دامن بھی گناہوں سے پاک نہیں اور کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں۔

مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ معمولی لغزشوں سے شہادت کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا، بہت لوگ غلطیاں کرتے ہیں اگر غلطی کا وزن نیکی سے کم ہو تو شہادت مجروح نہیں ہوگی اور عدالت میں اس کی بات مانی جائے گی، المحیط کے حوالے سے مصنف مشہور محدث وفقیہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اس باب میں قول نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

من غلب حسناته على سيئاته، قبلت شهادته.

''جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں، اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔''

حج ثانی کے بجائے صدقہ:

اسی طرح مصنف شہیر نے اس مسئلے کو بھی لائق التفات قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ کر چکا ہو اور دوسری بار

جانے کا متمنی ہو تو کیا کرے، اس کے لیے حج ثانی بہتر ہے یا اتنا مال جو حج پر خرچ ہوگا، غربا و مستحقین پر صدقہ کر دینا افضل ہے؟ فتاوی سراجیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

اگر مردے یک بار حج بجا آوردہ، بعدہ می خواہد کہ باز در حج رود، تصدق بدیں مال یعنی مال کہ در راہ حج خرج خواہد کرد، افضل بود از حج۔

یعنی اگر کوئی شخص ایک مرتبہ فرض حج ادا کر چکا ہو اور دوسری مرتبہ جانے کا خواہاں ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ جو روپے وہ حج پر خرچ کرنا چاہتا ہے، وہ (مستحق لوگوں پر) خرچ کر دے، یہ حج سے زیادہ باعث افضلیت ہے۔

فتاوی ابراهیم شاهی کا تعارف

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ''فتاوی ابراہیم شاہی'' نام کے دو مخطوطے ہیں۔ ایک فارسی زبان میں ہے اور ایک عربی زبان میں ہم نے دونوں کا تقابل کیا تو معلوم ہوا کہ اگرچہ مصنف نے واضح الفاظ میں کتاب کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا۔لیکن یہ درحقیقت ایک ہی کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول فارسی میں ہے اور عبادات پر مشتمل ہے۔اس کی الگ فہرست مضامین نہیں دی گئی جس سے اول نظر ہی میں یہ اندازہ ہو سکے کہ کتاب کس عنوان سے شروع ہو کر کس عنوان پر اختتام پذیر ہوتی ہے اور کتنے ابواب وفصول پر مشتمل اور کن کن مسائل و مشتملات کو محتوی ہے۔

فہرست مضامین متن کتاب کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، جو یہ ہے:

كتاب الطهارة، كتاب الصلوة، كتاب صلوة الجمعة، كتاب صلوة العيدين، كتاب صلوة الكسوف، كتاب صلوة الخسوف ، كتاب صلوة الخوف، باب صلوة المريض، كتاب الصوم، كتاب الزكوة و كتاب الحج.

فتاوی کے نسخے:

فتاوی ابراہیم شاہی کے مختلف نسخوں کے متعلق جو معلومات حاصل ہو سکے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) اس کے دو نسخے رام پور لائبریری میں ہیں۔ایک نسخہ کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک ہے اور ۹۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا نمبر ۳۵۱ ہے۔دوسرے نسخے کا جو ناقص الطرفین ہے اور ۴۸۰ صفحات پر محیط ہے، ۳۵۲ نمبر ہے۔

(۲) اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں ہے۔اس نسخے کا نمبر ۱۱۷ ہے اور ۱۰۰۴ھ کا مکتوبہ ہے۔صفحات ۱۳۱۹ اور سطور فی صفحہ: ۲۱ ہیں۔

کتب خانہ آصفیہ کی فہرست کتب کے مرتب نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہیں کیا، غالباً بلاد روم وعرب میں یہ کتاب نہیں پہنچی۔

''حاجی خلیفہ در کشف الظنون ذکر آں نہ نمودہ، غالبا کتاب مذکور در بلاد روم وعرب نہ رسیدہ۔''

معلوم نہیں، مرتب فہرست نے یہ الفاظ کس بنا پر لکھ دیے، حالاں کہ- جیسا کہ آئندہ سطور میں واضح کیا جارہا ہے-اس کا ذکر کشف الظنون میں موجود ہے۔

(۳) فتاوی ابراہیم شاہی کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔حاجی خلیفہ نے لکھا ہے:

''ابراہیم شاہیہ فی فتاوی الحنفیہ۔''شہاب الدین احمد بن محمد الملقب بنظام الکیکانی الحنفی کی تصنیف ہے اور قاضی خاں کی طرح مبسوط و مفصل کتاب ہے، کتاب کبیر من لفخر الکتب۔مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے اس کی جمع و تدوین کی۔اس کا آغاز''**الحمدلله الذي رفع منار العلم واعلىٰ مقداره**'' کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

کشف الظنون کی دوسری جلد میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔

فتاوی کی اہمیت:

اصحاب علم نے فتاوی ابراہیم شاہی کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور مختلف فہارس کتب کے مرتبین اور عام مؤرخین نے اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں بہتر رائے ظاہر کی ہے، لیکن فتاوی عالم گیری کے مقدمے میں نہ صرف یہ کہ اس کو کوئی خاص علمی اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اس کو نا قابل اعتنا گردانا گیا ہے اور لکھا ہے:

'' منجملہ کتب غیر معتبرہ کے فتاوی ابراہیم شاہی ہے اور شیخ عبدالقادر بدایونی نے اپنے استاذ علامہ شیخ حاتم سنبھلی سے نقل کیا ہے۔یہ فتاوی قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا جمع کیا ہوا مشہور مگر قابل اعتبار نہیں۔''

نوٹ: یہ فتاوی قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا نہیں بلکہ فاضل نظام الدین جون پوری کا ہے، جنہیں احمد بن محمد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے معاصر ہیں۔مقدمہ فتاوی عالم گیری (اردو ترجمہ) صفحہ:۳۷،۳۸۔(مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱۹۳۲ء)

مصنف:

اس فتاویٰ کے مصنف قاضی احمد بن محمد جون پوری، سلطان ابراہیم شرقی والیٔ جون پور کے دور کے علماء میں سے ہیں۔ جون پور کے قاضی تھے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے ہر طبقے میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں کیا ہے۔وہ تجلی نور (تاریخ جون پور کے حوالے سے لکھتے ہیں:

الشيخ العالم الكبير العلامة احمد بن محمد الحنفى الگيلانى القاضي نظام الدين الجونفوری، كان من كبار الفقهاء الحنفية،قدم احد اسلافه من العرب، وسكن بگجرات، وولد بها القاضي نظام الدين ونشأ، وقرأ العلم على اساتذة عصره، فبرز في الفقه والاصول، وصار من أكابر العلماء ثم قدم جونفور ، فولاه ابراهيم الشرقى صاحب جونفور القضاء وخصه بانظار

العناية والقبول.

لـه مصنفات عديدة، اشهرها الفتاوى ابراهيم شاهية، في فتاوى الحنفية.

قال الفاضل الچلپي، في كشف الظنون هو كتاب كبير من افخر الكتب كقاضي خان، جمعه من مائة وستين كتابا، للسلطان ابراهيم شاه، اوله الحمدلله الذي رفع منار العلم واعلى مقداره (انتهى).

مات سنة أربع وسبعين، وقيل خمس وسبعين وثمان مائة، وقبره في (چاچك پور) من اعمال جونپور. (نزهة لخواطر، جلد ثالث، صفحه: ۲۱، ۲۲)

''یعنی شیخ عالم اجل، علامہ احمد بن محمد حنفی گیلانی، قاضی نظام الدین جون پوری، کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ عرب سے آ کر گجرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، وہیں قاضی نظام الدین پیدا ہوئے اور پلے بڑھے، اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے فقہ اور اصول میں بڑا نام پایا اور اکابر علما میں سے گردانے گئے۔ پھر جون پور تشریف لے گئے، وہاں سلطان ابراہیم شرقی والیٔ جون پور نے ان کو عہدۂ قضا پر متمکن کر دیا اور اپنی عنایت وقبولیت کے لیے خاص کر لیا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے الفتاوی ابراہیم شاہیہ فی فتاوی الحنفیہ خاص شہرت کی حامل تصنیف ہے۔

''فاضل چلپی کشف الظنون میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک عظیم اور مبسوط کتاب ہے اور فتاوی قاضی خاں کی طرح قابل فخر کتابوں میں سے ہے، جو مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے مرتب کی، اس کا آغاز: **الحمدلله الذي رفع منار العلم واعلى مقداره.** کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

انہوں نے ۸۷۴ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۸۷۵ھ میں وفات پائی۔ قبر چاچک پور میں ہے جو مضافات جون پور میں واقع ہے۔''

'' تاریخ شیراز ہند جون پور'' میں بھی قاضی نظام الدین کے حالات مرقوم ہیں۔ ان کے علم وفضل کی وسعت پذیریوں کے بارے میں لکھا ہے:

''کہتے ہیں کہ قاضی نظام الدین علوم دینیات میں اس قدر بلند پایہ تھے کہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین استفتا پر اس وقت تک مہر ثبت نہ کرتے تھے، جب تک حضرت قاضی نظام الدین دستخط نہ کر دیتے تھے۔ دیگر علماء کے دستخط کا اعتبار نہ فرماتے تھے''۔

اس سے چند سطریں آگے لکھا ہے:

''وفات آپ کی ۸۷۵ھ میں ہوئی۔ مزار محلہ چاچک پور شہر جون پور میں ہے اور قریب جامع مسجد جون پور جس جگہ قاضی خانہ ہے، مکان سکونتی تعمیر کیا اور وہ محلہ قاضی نظام مشہور ہے۔''

قاضی نظام الدین جون پوریؒ وہ خوش بخت عالم دین ہیں کہ جن کے بعد ان کی اولا دو احفاد میں بھی علم کی شمع جلتی رہی اور لوگ اس سے برابر مستفید ہوتے رہے۔ ان جلیل القدر حضرات میں سے ایک بزرگ قاضی صلاح الدین جون پوری تھے، جن کا ذکر سید عبدالحی لکھنوی ''تجلی نور'' کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قاضی صلاح الدین جون پوری، انہی قاضی نظام الدین مصنف ''الفتاوی ابراہیم الشاہیہ'' کے پوتے تھے انہوں نے اپنے اس عظیم الشان دادا کی مہد علم میں نشو و نما پائی اور انہی سے تحصیل علم کی منزلیں طے کیں، ان کے انتقال کے بعد قاضی مقرر ہوئے اور پورے بیس سال منصب قضا پر فائز رہے۔ وہ بلند اخلاق، شیریں بیان اور فصیح اللسان شخص تھے۔ اتنے زبردست عالم تھے کہ اکثر علوم کے مسائل کی جزئیات میں کامل مہارت واستحضار رکھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی انفرادیت اس حد تک مسلمہ تھی کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا تھا۔ صحیح بخاری کے شارح سید عبدالاول بن علاء الحسینی جون پوری اور دیگر حضرات نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ (نزہۃ الخواطر، جلد: ۴، صفحہ: ۱۶۱)

فتاوی ابراہیم شاہی کی فہرست مضامین:

فتاوی ابراہیم شاہی کا یہ پہلا حصہ معاملات پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں ہے۔ اس کی فہرست مضامین درج ذیل ہے:

كتاب الغصب و الضمان، باب فيما ينقطع به عن المغصوب، باب البراء عن الضمان، باب المتفرقات، باب الوديعة، باب المتفرقات، كتاب العارية، باب المتفرقات، كتاب الشركة، باب شركة المفاوضة، باب شركة العنان، باب شركة الاعمال، باب المتفرقات، كتاب المضاربة، باب فيما يملك المضارب، باب في المضاربة الفاسدة، فصل في نفقة المضارب، باب المتفرقات، باب الحجر، باب المتفرقات، باب الماذون، فصل في ديون العبد الماذون، باب المتفرقات، كتاب الاقرار، باب الرجوع عن الاقرار، باب اقرار المريض، باب الاستثناء، باب الاقرار بالقرابة، باب المتفرقات، كتاب البيوع، باب مايجوز بيعه وما لايجوز، باب مايدخل تحت البيع وما لا يدخل، باب البيع الفاسد و الباطل، فصل في بيع الثمار و الاشجار، فصل في بيع الاشجار، فصل في بيع المتاع، فصل في ما يكره في البيع وما لا يكره، فصل في الاحتكار، فصل في بيع الفضولي وبيع الموقوف، فصل في نداء المامور، فصل في التلجية و المواضعة، باب المو الجة و التولية، باب خيار الشرط، باب خيار الرؤية، باب خيار العيب، فصل في بعض مسائل العيب، فصل في مايكون رضا بالعيب وفيما لا يكون، باب الاقالة و الفسخ، باب اختلاف البائع و المشترى، باب في القبض و التسليم، باب الربوا، باب السلم، باب الاستبراء، باب الاستحقاق، باب المتفرقات باب الصرف، باب في بيع الرفاء، باب في الدين، باب المتفرقات، باب الشفعة، باب طلب الشفعة و تسليمها، باب الأخذ بالشفعة، كتاب الوكالة،

باب فی الفاظ التوکیل و نحوہ ، باب اثبات الوکالۃ ،باب التوکیل بالبیع، باب توکیل الوکیل ،باب عزل الوکیل، باب المتفرقات، کتاب الکفالۃ، باب کفالۃ الرجلین، باب کفالۃ العبدالماذون، والمهجور والصبي ونحوہ، باب الدفع والتسلیم، باب المتفرقات ، کتاب الحوالۃ ، کتاب الصلح، باب المتفرقات، کتاب الهبۃ، فصل في مسائل الاستحقاق ونحوہ، فصل في مسائل التبرع ونحوہ، کتاب الهدیۃ ، کتاب الرهن، باب التصرف في الرهن ، باب الانفکاك ، فصل في اجرۃ بیت الرهن الذي یحفظ ،باب المتفرقات، کتاب الاجارات ، باب الاجارۃ الفاسدۃ، فصل في نسخ الاجارۃ، فصل في الاختلاف في الاجارۃ ، فصل في بیع المستاجر ، باب ضمان الاجیر، باب المتفرقات، کتاب المزارعۃ ، باب المساقاۃ والمعاملۃ، باب المتفرقات ، باب احکام التحریم والشرب ، کتاب الصید، فصل في الذبائح ، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ، فصل في الجنین ، فصل في ذبیحۃ المحرم، باب ما یحل أکله وما لا یحل، فصل (في) السمك، باب المتفرقات ، کتاب الوقف، باب في وقف المنقول، باب وقف المشاع ، باب رغبۃ القیم ، باب مصارف الوقف ،باب الدعوی والشهادۃ في الوقف ، کتاب الجنایات، فصل القتل علی خمسۃ اوجه، باب مایوجب القصاص وما لا یوجب، فصل في الشهادۃ في القتل، فصل في العفو عن القصاص ، باب الجنایۃ في مادون النفس ،فصل في الجنایۃ علی الید والاصابع، فصل في الجنایۃ علی السن والعظم ، فصل في الجنایۃ علی شعر الرأس، فصل في الجنایۃ علی الاذن والانف، فصل في الجنایۃ علی اللسان والذکر ونحوہ ، فصل في تفسیر حکومۃ العدل والاباحۃ، باب الدیات، باب الجنین والصبی والمجنون ، باب ما جنایۃ العبد والجنایۃ علیه ، فصل في الجنایۃ علی العبد، فصل في جنایۃ ام الولد والمدبر والمکاتب ، باب القسامۃ ، باب المعاقل ، باب جنایۃ البهائم والجنایۃ علیها ، باب ما یحدثه الرجل في الطریق، باب الحائط المائل، باب المتفرقات ، کتاب الامارۃ والسلطنۃ والقضاء، باب في تقلد القضاء والتحرز عنه ومن یلی القضاء ومن لا یلیه وفسق القاضي، فصل في رشوۃ القاضي، باب ادب القاضي، فصل فیما یکون حکما من القاضي وفیما لا یکون حکما، وفیمن یجوز قضاءہ وفیمن لا یجوز ، فصل فیما یحل للقاضي وما لا یحل، باب القضاء علی الغائب، باب القضاء في المجتهدات، باب کتاب القاضي الی القاضي، باب التحکیم، باب المتفرقات ، باب ادب المفتي ، فصل في حصر المذاهب ، کتاب الاحتساب ، کتاب الشهادۃ ، باب فیمن تقبل شهادته وفیمن لا تقبل ، باب في شهادۃ الرجل ، باب الاختلاف في الشهادۃ ، باب الشهادۃ علی الشهادۃ، باب التزکیۃ، فصل في الشاهد الزور ، باب الرجوع عن الشهادۃ والتزکیۃ، باب المتفرقات، کتاب الدعوی، باب في

دعوی الدین علی المیت وللمیت ، باب دعوی المیراث و الشهادة علیه، فصل في اثبات مال الیتیم علی کل حال، فصل یرد حصتهم علی المدعی، باب دعوی العتق و التدبر وغیر ذلك ، باب في دعوی النکاح و الطلاق، باب دعوی النسب ، باب دعوی العقار ، باب في دعوی الحائط، باب في دعوی الطریق ومسائل الماء الجاری وغیر ذلك ، باب المتنازع في الدعوی ، باب دعوی المنتج، باب التناقض في الدعوی ، باب في دفع الدعوی ، باب الابراء، فصل في مسائل شتی، باب الاستحلاف، فصل في التحالف ، باب الحبس، باب المتفرقات ، کتاب القسمة، باب المتفرقات، کتاب الوصایا ، باب الوصی، باب المتفرقات ، باب فیما یسئل من المسائل المشابهة ، باب في تنبیه المجیب، باب المسائل المتفرقة، کتاب الفرائض، باب معرفة الفرض و اصحابها ، باب العصبات ، باب ذوی الارحام، باب السقوط ،باب العقائد.

مضامین کی یہ پوری فہرست ہم نے اس لیے درج کی ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ یہ فتاوی کس قدر مفصل اور متنوع ہے اوراس کے مندرجات ومشمولات کا دامن کتنا وسعت پذیر ہے۔اس سے عیاں ہے کہ مصنف نے کسی چیز کوتشنہ نہیں رہنے دیااور تمام مسائل وضاحت اور تفصیل سے بیان کردیے ہیں۔اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خود سلطان ابراہیم شرقی بھی وسیع نظر کا حامل تھااور ہر مسئلے کی جزئیات تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔

فتاوی کے نسخے:

فتاوی ابراہیم شاہی کے، اس حصے کا جو عربی زبان میں ہے، مختلف کتابوں اور فہرستوں میں ذکر آیا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) کی فہرست میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہاں کی لائبریری میں یہ فتاوی موجود ہے۔

کیا شئ مرہونہ میں تصرف ہوسکتا ہے؟

مصنف نے کتاب الرہن میں ''باب التصرف في الرہن'' کے عنوان سے ایک ذیلی باب باندھا ہے، اس میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ شئ مرہونہ میں کسی قسم کا تصرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مصنف کا کہنا ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز بصورت رہن موجود ہو، وہ اس میں کسی نوع کا تصرف یا ردوبدل نہیں کرسکتا، اس کا فرض ہے کہ وہ شی مرہونہ کو اسی شکل وصورت میں اپنے پاس رکھے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہونے دے، نہ وہ اس کو فروخت کرنے کا مجاز ہے اور نہ کسی کو دینے کا۔ مصنف شرح طحاوی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''ولیس للمرتهن ان یبیع الرهن بغیر اذن الراهن. فان باع بغیر اذنه توقف علی اجازته، فان اجاز، جاز، و ان لم یجز فله ان یبطله.''

مرتہن، راہن کی اجازت کے بغیر مالی مرہونہ فروخت نہیں کرسکتا، اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردے تو بیع

متحقق ہونے میں اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا، جب تک راہن کی طرف سے باقاعدہ اجازت حاصل نہ ہو جائے، اگر وہ اجازت دے دے تو بیع جائز ہوگی؛ ورنہ باطل قرار پائے گی۔

وہ بوسیدہ دیوار جو گزرگاہ عامہ کی طرف جھکی ہو:

فتاوی ابراہیم شاہی کے طویل مضامین میں سے ایک ''کتاب الجنایات'' ہے۔ کتاب کا یہ حصہ متعدد ذیلی اور ضمنی ابواب میں پھیلا ہوا ہے، اس میں ایک باب کا عنوان ہے: ''باب الحائط المائل'' اس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی مکان کی دیوار شکستہ اور بوسیدہ ہو اور گزرگاہ عام کی طرف جھکی ہو، وہ گر جائے تو نقصان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ فتاوی کے مصنف ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اذا مال الحائط الی طریق المسلمین فطولب لصاحبه بنقضه و اشهد علیه فلم ینقضه في مدة یقدر علی نقضه حتی سقط ،یجب علیه ضمان ما تلف به من نفس او مال. وفیها ایضا ویستوی ان یطالبه بنقض ذالك مسلم أو ذمي لان الناس کلهم شرکاء في المرور. فیصح التقدم الیها من کل واحد منهم رجلا کان او امرأة، حرا کان او مکاتبا ویصح التقدم الیها عند السلطان وغیره.

''اگر کسی کی دیوار مسلمانوں کی عام گزرگاہ کی طرف جھکی ہو اور اس کے مالک سے گواہوں کی موجودگی میں اس کے گرادینے کا مطالبہ بھی کیا جاچکا ہو؛ لیکن اس کی خطرناک بوسیدگی و شکستگی کے باوجود اس نے اسے گرایا نہ ہو، یہاں تک کہ وہ خود گر پڑی ہو تو اس کی وجہ سے جو مالی وجانی نقصان ہوا ہے، دیوار کا مالک اس کا ذمہ دار ہوگا، یاد رہے اس قسم کی دیوار کو گرانے کے مطالبے میں مسلمان اور ذمی برابر کا حق رکھتے ہیں، کیوں کہ وہاں آمدورفت میں سب برابر کے شریک ہیں، اس سلسلے میں کوئی مرد یا عورت، آزاد یا مکاتب وغلام، جو شخص بھی کوئی قدم اٹھانے میں آگے بڑھے گا حق بجانب ہوگا۔ اور اس قسم کے معاملے کو سلطان اور حکمران کے پاس لے جانا بھی صحیح متصور ہوگا۔''

فتاوی ابراہیم شاہی کے یہ چند مباحث بطور مثال درج کیے گئے ہیں؛ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ پوری کتاب فقہی معلومات کا خزانہ ہے، اس کی مکمل فہرست مضامین آغاز مضمون میں نقل کردی گئی ہے، تاکہ کوئی صاحب کسی خاص موضوع سے متعلق دلچسپی رکھتے ہوں تو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکیں اور براہ راست اس کے مندرجات سے مستفید ہو سکیں۔

یہ فتاوی بجا طور پر ان علمی ذخائر میں سے ہے جو برصغیر پاک وہند کے علمائے دین کی نا قابل فراموش یادگار ہیں اور جن میں انہوں نے اپنے فقہی معلومات کا عطر نچوڑ کر آنے والی نسلوں اور اصحاب علم کے لیے خاص ترتیب اور عمدہ سلیقے سے صفحات قرطاس پر منتقل کر دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، اس دور کے فقہائے عظام کے علاوہ، اصحاب حکومت اور اس ملک کے ارباب بست وکشاد فقہی مسائل سے کس درجہ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ پیش آئند مشکل امور کی عقدہ کشائی میں کتنے کوشاں رہتے تھے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی سعی میں علمائے دین کی کتنی شدید ضرورت محسوس کرتے تھے، وہ قدم

قدم پر علماء کے محتاج تھے اور انہی کی رہنمائی میں معاملات و مسائل کی زلف گرہ گیر کو سلجھاتے تھے، اس لحاظ سے کہنا چاہیے کہ یہ فتاوی ہماری گزری ہوئی تہذیب کی ایک بہترین یادگار ہے اور ہمارے دور ماضی کا ایک مثالی نقش!

المتانة في مرمة الخزانة

برصغیر پاک و ہند میں خطۂ سندھ کو باب الاسلام کی حیثیت حاصل ہے۔اس میں متعدد علما وفقہا باہر سے بھی تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے اور خود اس خطہ ارض نے بھی اس قسم کے بے شمار حضرات پیدا کیے، جنہوں نے قابل رشک علمی اور فقہی خدمات انجام دیں۔

علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی:

ان علمائے گرامی قدر کی عظیم المرتبت جماعت میں دسویں صدی ہجری کے لائق احترام عالم وفقیہ، علامہ مخدوم محمد جعفر بن علامہ مخدوم عبدالکریم المشہور بہ میران بن یعقوب بوبکانی سندھی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ان کی فقہی تصنیف ''المتانۃ فی مرمتہ الخزانۃ'' مطبوعہ شکل میں موجود ہے، اور عربی زبان میں ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ء (۱۳۸۱ھ) میں سندھی ادبی بورڈ کراچی (لجنۃ احیاء الادب السندی) کی طرف سے شائع ہو چکی ہے، جس پر عربی میں مولانا ابوسعید غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے جو بڑا معلومات افزا ہے۔ افسوس ہے، اس کتاب کے مصنف علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریہ ''بک'' یا ''بوبکان'' سندھ کے مراکز علمیہ میں سے تھا، جس میں ایک عرصے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد سے کچھ لوگ آباد تھے۔ یہ نہایت قانع اور عابد و زاہد لوگ تھے۔ چونکہ یہ طویل مدت سے خدمت علم میں مشغول چلے آ رہے تھے، لہذا ان کو ''مخدومین'' کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ان خوش بخت حضرات میں ایک بزرگ علامہ مخدوم عبدالکریم تھے، جو شیخ میران کے نام سے معروف تھے اور بہت بڑے عالم وفقیہ تھے۔انہوں نے تمام عمر درس و تدریس میں صرف کر دی اور بے شمار حضرات نے ان سے استفادہ کیا۔ سندھ کے حکمران مرزا حسن بیگ ارغون کا نام بھی ان کے تلامذہ کی فہرست میں مرقوم ہے۔ سید عبدالحی حسنی لکھنوی تاریخ سندھ کے حوالے سے ''الشیخ میران السندی'' کے عنوان کے تحت نزہتہ الخواطر میں رقم طراز ہیں:

الشيخ الفاضل ميران بن يعقوب التتوى السندي، احد كبار العلماء درس، و افاد مدة عمره، و اخذ عنه مرزا شاه حسن صاحب السند و خلق كثير من العلماء، مات سنة تسع و اربعين وتسع مائة، فارخ لو فاته بعضهم علامه وارث الانبياء، وقبره على جبل مكلى.

''یعنی شیخ، فاضل میران بن یعقوب ٹھٹھوی سندھی، کبار علما میں سے تھے۔عمر بھر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ والیٔ سندھ مرزا شاہ حسن اور کثیر تعداد پر مشتمل علما نے ان سے اخذ علم کیا۔ ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ بعض حضرات نے

''علامہ وارث الانبیاء'' سے ان کی تاریخ وفات نکالی۔قبر جبل مکلی پر واقع ہے۔"

علامہ مخدوم محمد جعفر مصنف المتانۃ، انہی شیخ عبدالکریم المعروف بہ میران کے فرزند گرامی قدر تھے۔انہوں نے اپنے والد (شیخ میران) سے تحصیل علم کی۔

المتانۃ في مرمۃ الخزانۃ۔ان کی یہ وہ تصنیف ہے جو خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس وقت پیش نگاہ ہے۔یہ کتاب کیوں کر معرض تصنیف میں آئی؟ اس کی ایک وجہ ہے۔اور وہ یہ کہ ایک عالم دین قاضی جگن گجراتی (متوفی ۹۲۰ھ) ہندوستان کے مشہور علاقہ گجرات کے رہنے والے تھے۔یہ چار بھائی تھے اور چاروں قاضی تھے۔(نزہۃ الخواطر، جلد؛۴،صفحہ:۸۲)

صاحب نزہۃ الخواطر سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے اپنی اردو تصنیف "یاد ایام'' میں بھی ان کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے نام ونسب وغیرہ کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہو سکیں۔(یاد ایام، صفحہ:۵۴)

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ قاضی جگن گجرات کے ایک قصبہ ''کن'' کے رہنے والے تھے۔

مختصر یہ کہ ''خزانۃ الروایات'' کے نام سے ایک کتاب قاضی جگن گجراتی کی تصنیف ہے، جو فروع حنفیہ کو محتوی ہے لیکن محققین کے نزدیک یہ کتاب غیر مستند، غیر معتبر اور نا قابل اعتماد ہے اور بقول علامہ الفقیہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی:

انه من الكتب الغير المعتبرة، لانه مملو من الرطب واليابس مع مافيه من الاحاديث المخترعة والاخبار المختلفه.

اپنی کتاب ''المتانۃ'' کی تصنیف کے وقت علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے اس کتاب کو سامنے رکھا اور اس میں سے تمام غیر معتبر مسائل اور غیر مستند مواد نکال دیا اور اس کے بجائے مفتیٰ بہا مسائل اور قومی روایات کا اضافہ فرمایا۔اس درجہ محنت اور کاوش کے بعد یہ کتاب ''المتانۃ في مرمۃ الخزانۃ" کے نام سے موسوم ہوئی۔

چوں کہ علامہ بوبکانی نے اس پر بڑی محنت کی ہے اور اس سے غیر مستند مواد نکال کر مستند مواد کا اضافہ کر دیا ہے، لہذا اس کتاب کو کبار اعلام فقہ کے نزدیک معتبر اور مستند کتاب قرار دیا جاتا ہے۔

قلمی نسخے:

سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع شدہ المتانہ کا مقدمہ خاصہ مفصل ہے اور بہت سی بنیادی باتوں کو اپنے دامن صفحات میں گھیرے ہوئے ہے۔اس میں بتایا گیا ہے کہ سندھ میں اس کتاب کے تین قلمی نسخے موجود ہیں۔ایک نسخہ سید حسام الدین راشدی کے کتب خانے میں ہے۔دوسرا مدرسہ دارالہدی تیڑھی کے کتب خانے میں اور تیسرا سید محب اللہ شاہ درگاہ پیر جھنڈا کے کتب خانے میں ہے۔

❁❁❁❁❁

فقہائے گجرات باعتبار سنین وفات

سن ہجری : ۷۰۱ تا ۸۰۰

(۱) شیخ عثمان ابن داود ملتانی، چشتیؒ (م ۷۳٦ھ ۱۳۳۵ء)

اپنے دور کے ہر فن کے ماہر عالم تھے، ہدایہ کے حافظ تھے۔

كان عليماً كبيراً بارعاً في الفقه والاصول والتصوف وكان يحفظ الهداية في الفقه.

(نزهة الخواطر: ۲/۷۳)

(۲) شیخ کمال الدین علامہ قدس سرہ (متوفی ۷۵٦ھ-۱۳۵۵ء)

آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے خلیفۂ اعظم تھے اور آپ کے خواہر زادہ بھی تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، چوں کہ آپ علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ میں یگانۂ روزگار تھے، اس لئے آپ کو علامہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا، خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ احمد آباد گجرات تشریف لے گئے، (یعنی بعد میں تعمیر ہونے والے احمد آباد کے قریبی علاقہ میں) جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔

آپ کی اولاد اور خلفاء آج (خزینۃ الاصفیاء کی تصنیف) تک احمد آباد میں موجود ہیں، مولانا کمال الدینؒ شجرۃ الانوار اور چشتیہ کی تحقیق کے مطابق (۷۵٦ھ مطابق ۱۳۵۵ء) میں فوت ہوئے۔ (مشائخ احمد آباد: ۱/۹٦، بحوالہ خزینۃ الاصفیا: ۲/۲۱۹)

(۳) شیخ رضی الدین عثمان گنج علمؒ (م ۷۷۰ھ ۱۳٦۸ء)

علم وفضل میں غیر معمولی دست گاہ رکھتے تھے اور اسی بنا پر گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت موصوف کے ایک فتوے کی تائید میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے ان کی جلالت شان اور علمی منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم نے لکھا ہے: **اصاب فيما اجاب الاستاذ الاجل المرشد الكامل الاكمل شيخ الشيخ رضى الدين گنج.** (مشائخ احمد آباد: ۱/۹۷)

(۴) سید حسین العریضی (م ۷۹۸ھ ۱۳۹۵ء)

جن کے ناموں کا پتہ چلتا ہے ایسے اولین مصنفوں میں سے ایک سید حسین بن عمر العریضی ہیں، ان کی ولادت (٦٦۸ھ/ ۱۲٦۹ء) میں غیاث پور میں ہوئی تھی۔

سید حسین اپنی ہمشیرہ بی بی آرام کے ہمراہ (۷۳۰ھ/ ۱۳۲۹ء) میں نہر والہ چلے آئے اور نہر والہ کو اپنی تبلیغی کارروائی کا مرکز قرار دیا تھا، شیخ کا انتقال (۷۹۸ھ/ ۱۳۹۵ء) میں ایک سو تیس سال کی بڑی عمر میں ہوا اور پٹن میں شہستر لنگ

تالاب کے کنارے دفن ہوئے، آپ کے بھتیجے سید احمد ابن سید محمود نے آپ کا کام جاری رکھا تھا۔

العریضی کی صرف ایک تالیف کے نام کا پتہ چلتا ہے اور وہ ہے: ''**حاشیه علی الهدایه**''۔(نزھۃ الخواطر:ص:۳۶، ج:۲)

گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص:۱۱۷ پر یہ الفاظ ہیں: ''تھوڑے عرصہ میں علم کے دروازے آپ پر کھل گئے، یہاں تک کہ ہدایہ فقہ پر مشکل کشا حاشیہ آپ نے لکھا ہے۔(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ:ص:۶۴)

(۵) مولانا یعقوب پٹنی (م ۷۹۸ھ ۱۳۹۶ء)

بڑے صالح اور فقیہ تھے، حال و وجد والے بزرگ تھے، خراسان کے بادشاہوں کی نسل سے تھے، پٹن آکر بس گئے تھے اور پٹن ہی میں وفات پائی۔(نزہۃ الخواطر:۳/ ۱۷۴)

❁❁❁❁

سن ہجری : ۸۰۱ تا ۹۰۰

(۶) شیخ حسین بن محمد گجراتیؒ (م ۸۰۷ھ، ۱۴۰۴ء)

فقیہ تھے، گجرات کے مشہور مشائخ میں آپ کا شمار ہے۔نوساری میں شیخ نصیر بن جمال نوساریؒ کی صحبت اختیار کر رکھی تھی، احمد آباد میں آپ کی قبر ہے۔

(۷) مخدوم علی المہائمی (م ۸۳۸ / ۱۴۳۲)

شافعی فقہ پر ''**الفقه المخدومی**'' نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ، مولوی عبد الحق حقانی کے اردو ترجمہ کے ساتھ بمبئی سے شائع ہوا تھا، ڈاکٹر زبید احمد نے بھی اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔

المہائمی کی ایک اہم کتاب ''**انعام الملک العلام**'' ہے، اس کا موضوع ''شریعت کے اسرار'' ہے، اس میں اسلامی احکام کے عقلی پہلوؤں کو سمجھایا گیا ہے، یہ اس قسم کی پہلی کتاب ہے، اس اچھوتے موضوع پر لکھ کر شیخ نے اپنے آپ کو اس کا موجد ثابت کیا ہے، اسی موضوع پر شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ بارہویں صدی کے نصف آخر میں تصنیف کی تھی۔(یاد ایام:ص:۹۳، سبحۃ المرجان:ص:۳۹، عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ:۹۳، ۹۲)

(۸) شیخ عثمان حسینی گجراتیؒ (م ۸۶۳، ۱۴۵۹ء)

شیخ صالح اور فقیہ تھے، سرزمین گجرات میں شہرت یافتہ مشائخ میں آپ کا شمار ہے، عثمان پور (احمد آباد) میں ایک مدرسہ بنایا تھا، سلطان محمود بن محمدؒ کی اکثر کتابیں اسی مدرسہ میں رہتی تھیں۔(نزہۃ الخواطر:۳/ ۹۹)

(۹) قاضی سید اسماعیل اصفہانیؒ (۲۶/ ربیع الاول ۸۶۵ھ، ۸/ جنوری ۱۴۶۱ء)

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں: شیخ فاضل قاضی اسماعیل بن عبد اللہ اصفہانی فقہ واصول فقہ میں یکتائے زمانہ تھے،

بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ گجرات تشریف لے آئے اور اپنے والد کے سواء دوسرے علمائے گجرات سے بھی پڑھا، آپ بھروچ میں قاضی مقرر ہوئے جہاں برسوں دادِ انصاف دیتے رہے، پھر بعہد سلطان محمود الکبیر احمد آباد کی قضا تفویض ہوئی اور یہاں بھی سالہا سال تک اس منصب پر متمکن رہے۔

طریقت میں شیخ محمد بن عبداللہ الحسینی گجراتی سے فیض حاصل کیا، آخر ۲۶ / ربیع الاول ۸۶۵ھ ۸ / جنوری ۱۴۶۱ء کو آسودۂ لحد ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۳، ص: ۳۱)

خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے:

قاضی سید اسماعیل اصفہانی بن سید برہان قدس سرہ نہایت متقی اور باوقار تھے، بندر بھروچ کے قضا کی خدمت آپ کے سپرد تھی، جب حضرت شاہ عالم کو نذر بار اور سلطان پور کے ارادے سے اس طرف سفر کا اتفاق پیش آیا تو قاضی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت سے تعلق ارادت قائم کیا۔

سلطان محمود ثانی حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی، قاضی سید اسماعیل کو حکم ہو کہ وہ احمد آباد کی قضا قبول فرمائیں ورنہ یہ شہر ویران ہونے کو ہے، حضرت شاہ عالم نے ان سے فرمایا: چند روز عوام کی مصلحت کی خاطر تقلید قضا ضرور کیجئے، قاضی نے استعفاء دے دیا اور کہنے لگے

لذت دیو انگاں را دیدہ ام باد شرمم اگر عاقل شوم

حضرت شاہ عالم نے بہت تاکید سے فرمایا کہ تمہیں قبول کرنی ہوگی، مجبوراً قاضی نے عرض کیا کہ میں قبول کرتا ہوں؛ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ حق تعالیٰ اس ذوق وحال کو کہ جواب مجھے عنایت ہوا ہے وہ مرنے سے پہلے پھر مجھے حاصل ہو جائے، اور عود کر آئے، حضرت شاہ عالم نے کچھ دیر تامل فرمایا پھر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ شانہ سے درخواست کی گئی کہ آپ کو اس حالت میں پھر واپس لوٹائے اور فقراء کے زمرے میں آپ کا حشر فرمائے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عالم کی جنازے کی امامت قاضی اسماعیل ہی نے فرمائی تھی، آپ کی قبر احمد آباد میں اندوپور میں واقع ہے۔ (خاتمۂ مرأۃ احمدی: ۵۵، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات - نزہۃ الخواطر: ۳۰-۳۱)

(۱۰) قاضی عماد الدین گجراتیؒ (م ۸۸۹ھ، ۱۴۸۴ء)

بڑودہ کے قاضی تھے، سلطان محمود شاہ ثانی کے ایماء پر ایک جہاد میں شہید ہوئے۔ **ظهير الشرع السعيد الشهيد.** (نزہۃ الخواطر، ۳/ ۱۱۰)

(۱۱) شیخ غوث الدین گجراتیؒ (م: ۸۹۵ھ-۱۴۹۰ء)

یہ بلند پایہ عالم وفقیہ تھے، بغداد سے سلطان محمود ثانی کے دور میں گجرات آئے اور احمد آباد کو اپنا مسکن بنایا اور ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور اسی میں خدمت خلق ودین میں مشغول ہو گئے، ایک طویل زمانہ تک درس وتدریس میں مشغول

رہنے کے بعد حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج وزیارت سے فراغت کے بعد پھر گجرات واپس لوٹے۔

آپ بلند پایہ عالم، محدث اور فقیہ تھے، درس وافادہ ہی مشغلہ تھا، آپ کے تلامذہ میں شیخ یعقوب بن خوندمیر گجراتی کا نام ملتا ہے، ان کے علاوہ اور بھی لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔آپ کی وفات ۲۲ رصفر المظفر ۸۹۵ھ میں ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۳/۱۱۱، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۱۲) مفتی رکن الدین ناگوریؒ (زمانہ: نویں صدی ہجری/ پندرویں صدی عیسوی)

نہروالہ کے قاضی القضاۃ حماد الدین احمد بن قاضی محمد اکرم کے ایما پر، قاضی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین، مفتی نہروالہ نے اپنے لڑکے مولانا داود کے تعاون سے، ''**الفتاوی الحمادیه**'' نامی مشہور کتاب کو مرتب کیا جو حنفی فقہ کی اہم تالیف ہے، اور اسے قاضی القضاۃ حماد کو معنون کیا، ان دونوں مصنفین نے مشترکہ طور پر ایسے فقہی مسائل جن پر فقہاء کا اجماع ہو چکا ہے، ان کے بارے میں مختلف فقہاء کی معتبر آراء کو اس کتاب میں جمع کیا ہے، مصنفین نے بڑی محنت سے اس کو مرتب کیا ہے اور دو سو سے زیادہ علماء سے رجوع کیا ہے، جن کی فہرست کتاب کے مقدمے میں دی گئی ہے، بانکی پور لائبریری کی وضاحتی فہرست کے مرتب کا خیال ہے کہ فتاوی حمادیہ کو آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں یا نویں صدی ہجری کے آغاز میں مرتب کیا گیا تھا، کیونکہ اس میں سب سے آخر میں جس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے وہ (۷۴۷ھ /۱۳۴۶ء) میں وفات پانے والے صدر الشریعۃ الاصغر عبید اللہ بن مسعود الحنفی کی تصنیف ''**النقایة مختصر الوقایه**'' ہے، لیکن باریکی سے دیکھنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ (۸۹۱ھ /۱۴۵۶ء) میں لکھی گئی المارديني کی **کشف الغوامض**، آخری کتاب ہے، جس کا ذکر **فتاوی الحمادیه** میں ہوا ہے، علاوہ اس کے قاضی جگن (وفات: ۹۲۰ھ/ ۱۵۱۴ء) نے اپنی کتاب **خزانة الروایات** میں اس کا ذکر کیا ہے، اس طرح ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فتاوی کی تدوین ہجری ۸۹۱ اور ۹۲۰ کے درمیان عمل میں آئی تھی، اس کے قلمی نسخے متعدد مقامات پر دستیاب ہیں، اور (۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء) میں کلکتہ میں اسے طبع بھی کیا گیا تھا، البتہ مطبوعہ نسخے اب کم ملتے ہیں، ڈاکٹر زبید احمد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ج: ۳، ص: ۱۷، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۱۳) نعمت اللہ النہروالیؒ (زمانہ قریباً نویں صدی ہجری/ پندرویں صدی عیسوی)

سلطان محمود بیگڑہ کے عہد (۹۱۷-۸۶۳ھ/ ۱۵۱۱-۱۴۵۸ء) کے دانشوروں میں سے ایک نعمت اللہ بن طاہر بن محمود النہروالی بھی ہیں، ان کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں، خلاصۃ الکیدانی کے طرز پر اور فقہ کے موضوع پر ان کا ایک رسالہ ملتا ہے جس کا نام ''صلاۃ التراویح'' ہے، اسے انہوں نے کسی سید سراج کے ایما پر لکھا تھا، اس کے مخطوطے پیشاور اور احمد آباد میں ملتے ہیں۔

نعمت اللہ نے عیون الشرع نامی اپنی کتاب سلطان محمود بیگڑہ کو معنون کی تھی؛ اس کا مخطوطہ لاہور کے شیرانی کلکشن

اور احمد آباد میں ملتا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ:۱۱۶)

(۱۴) شیخ تاج الدین نہروالی (پٹنی)

پٹن میں شیخ حسام الدینؒ کے مقبرہ میں درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے، ایک عالم آپ کے علوم سے مستفید ہوا۔

احد العلماء المبرزين في الفقه والعربيه. (نزہۃ الخواطر: ۴۵/۳)

(۱۵) قاضی حماد الدین گجراتیؒ

نہروالہ (پٹن) کے فقیہ اور قاضی القضاۃ تھے، حنفیہ کی مشہور کتاب ''الفتاوی الحمادیہ'' آپ ہی کے حکم سے مفتی رکن الدین ناگوری نے تالیف فرمائی تھی، کتاب کے شروع میں مصنف نے قاضی حماد الدینؒ کی وقیع الفاظ میں تعریف کی ہے۔
(نزہۃ الخواطر: ۵۱/۳)

(۱۶) شیخ حسین بن محمد بھروچیؒ

شیخ کمال الدین قزوینی بھروچیؒ کے مرید اور فقیہ تھے، بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپ سے مستفید ہوئے۔

احد العلماء المبرزين في الفقه والتصوف. (نزہۃ الخواطر: ۵۶/۳)

(۱۷) مفتی داود بن رکن الدین ناگوریؒ

آپ صاحب ''فتاوی حمادیہ'' کے صاحب زادہ ہیں، پٹن کے مفتی تھے، ''فتاوی حمادیہ'' کی تدوین میں آپ کا بھی حصہ ہے جیسا کہ کتاب کے دیباچہ میں ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۶۸/۳)

(۱۸) قاضی محمد اکرام گجراتیؒ

پٹن کے قاضی تھے، صاحب فتاوی حمادیہ نے کتاب کے شروع میں قاضی محمد اکرام کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

الامام العالم ونعمان الثاني وناقد المعقول والمنقول. (نزہۃ الخواطر: ۱۵۷/۳)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

سن ہجری : ۹۰۱ تا ۱۰۰۰

(۱۹) قاضی نجم الدین گجراتیؒ (م ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء)

محمود شاہ ثانی کے دور میں قاضی القضاۃ تھے۔ **الشيخ العالم الفقيه قاضي القضاة بگجرات.**
(نزہۃ الخواطر: ۳۷۳/۴)

(۲۰) شیخ بہاء الدین گجراتیؒ (م ۹۱۲ھ ۱۵۰۲ء)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی، حضرت عمرؓ کی نسل سے تھے، صالح اور فقیہ تھے، برہان پور میں آپ کی خانقاہ تھی، وہیں انتقال ہوا۔ (ایضا: ۶۶/۴)

(۲۱) قاضی جگن (وفات:۹۲۰ھ/ ۱۵۱۴ء)

حضرت شاہیہ کی خانقاہ میں شرکت کرنے والے کئی بزرگوں میں سے ایک مشہور فقیہ قاضی جگن بھی تھے،لیکن ان کے مکمل نام ونسب یا خاندان کے بارے میں کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا، راقم الحروف کی تحقیق کے دوران ،،چہل حکایات،، شاہیہ میں ایک شیخ محمود واعظ کا نام ملا ہے جو شیخ جگنان کہلاتے تھے،شیخ واعظ محمود نا گور سے قطب عالمؒ کی وفات کے بعد احمد آباد آئے اور ان کے جانشین حضرت شاہ عالمؒ کے مرید ہوئے تھے،اب دیکھنا یہ ہے کہ سید برہان الدین قطب عالم کی وفات ۸۵۰ھ میں ہوئی تھی اور ان کے صاحب زادے حضرت شاہ عالمؒ کی وفات ۸۸۰ھ میں، جبکہ شیخ محمود کا انتقال ۹۲۰ھ میں ہوا تھا، (اس طرح شاہ عالم اور شیخ محمود کی وفات میں چالیس سال کا فاصلہ ہونے کی بنا پر) شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ محمود واعظ عرف شیخ جگنان ہی قاضی جگن ہیں؟

قاضی جگن کی ولادت گجرات کے کرو(Kiraw) ضلع کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی،شروع زندگی سے آپ نے فقہ میں دلچسپی لینا،فقہی مسائل کے دقیق نکات کو جمع کرنا اور پیچیدہ مسائل کی تحقیق کرنا اپنا مشغلہ بنالیا تھا،مطالعہ کے دوران قابل توجہ باتوں کو وہ لکھ لیا کرتے تھے،اس طرح بکھرے ہوئے مواد کا ایک ذخیرہ جمع ہوگیا، بڑی عمر میں آپ نے تمام مواد کو ترتیب دیکر اسے ایک کتاب کی شکل دی اور اس کا نام ’’خزانۃ الروایات‘‘ رکھا، آپ نے فقہی مسائل کی معتبر کتابوں،تفسیروں اور شرحوں سے تخریج کی اور کئی مفید اضافے بھی کئے، یہ خزانۃ الروایات دسویں اور گیارہویں صدی میں بہت مقبول رہی تھی، سید عبد اللطیف نے اس کا انتخاب تیار کیا تھا،جس کا نام منتخب الخزانہ رکھا گیا تھا۔

منتخب الخزانہ کا قلمی نسخہ رامپور میں محفوظ ہے۔

یاد ایام کے مصنف کا کہنا ہے کہ حنفی مسلک کے لوگ اس کی روایات کو معتبر نہیں سمجھتے ؛لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے حنفی مصنفین نے خزانۃ الروایات کی مدد لی ہے، ان میں سے ایک شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (وفات:۱۲۶۱ھ) ہیں، جنہوں نے اپنی کتابوں ’’مأۃ المسائل‘‘ اور ’’مسائل الاربعین‘‘ میں کئی مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے، خزائن الروایات کے قلمی نسخے کئی جگہ ملتے ہیں۔(عربی زبان وداب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ:ص:۱۰۴،۱۰۵)

قاضی جگن گجرات کے بہت بڑے عالم تھے،مگر ان کا نام ونسب تک معلوم نہیں، فاضل چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ قاضی جگن گجرات کے قصبہ کن میں رہتے تھے،حیف ہے کہ ایک شخص قسطنطنیہ میں بیٹھ کر یہ بتائے کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے،اور خود گجرات والے اتنا بھی نہ جانتے ہوں،فقہ حنفی میں ان کی کتاب ’’خزانۃ الروایات‘‘ بہت مشہور کتاب ہے؛مگر علمائے احناف اس کی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے ،تقریباً ۹۲۰ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی۔(نزہۃ الخواطر:۲/ ۸۲)

خزانۃ الروایات: یہ کتاب جگن الہندی گجراتی (۹۲۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء) نے مرتب کی ہے، حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب حنفی فقہ کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے، یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی

جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے، اور مرتب نے ان کتابوں کا اکثر حوالہ دیا ہے، اس کی ترتیب بھی اس قسم کی دوسری کتابوں جیسی ہے، صرف اس فرق کے ساتھ کہ شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے۔

مصنف نے یہ واضح فرمایا ہے کہ فقہ کے مطالعہ اور دینی مسائل کی تحقیق سے ان کو تمام عمر گہری دل چسپی رہی اور اس کے نتائج کو انہوں نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔

کتاب العلم میں انہوں نے علم اور علماء کی فضیلت بیان کی ہے، وہ خود حنفی تھے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے اوصاف وفضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے، انہوں نے فتاوی اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے، اور اصولِ فتاوی کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شرط اولین یہ ہے کہ فتاوی قرآن اور حدیث سے اخذ کردہ قطعی دلائل پر مبنی ہوں، اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر فتاوی امام ابوحنیفہؒ کے فیصلوں اور اس کے بعد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے فیصلوں کے مطابق ہوں، اگر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں شاگردوں کی آراء میں اختلاف ہو تو پھر مفتی کو یہ اختیار ہے کہ وہ جو رائے چاہے وہ پسند کرے؛ لیکن اگر کسی شاگرد کی رائے استاذ کی رائے کے مطابق ہو تو پھر اسی کو ترجیح دی جائے، سوا اس صورت کے کہ مستند فقہاء نے استصلاح کے پیش نظر دونوں شاگردوں میں سے کسی ایک کی رائے قبول کیا ہو، اگر مفتی کو کوئی مستند حدیث مل جائے اور وہ اس کے اطلاق کے بارے میں مطمئن ہو تو پھر امام ابوحنیفہؒ کی رائے نظر انداز کر دی جائے؛ کیوں کہ خود ان کا مشہور مقولہ ہے کہ اگر میری رائے مستند حدیث کے خلاف ہو تو اس کو نظر انداز کر دو۔

المتانة فی حرمة الخزانة۔ یعنی خزانہ کے متعلق مولانا عبدالحی کی رائے:

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے ''النافع الکبیر'' ص: ۱۲ پر اس کتاب کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ غیر معتبر کتابوں سے ترتیب دی گئی ہے، اور اس میں رطب و یابس کو جمع کر دیا گیا ہے، بعض گھڑی ہوئی احادیث بھی شامل ہیں، اسی ضعف کے سبب علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکائی نے اس کے تمام غیر معتبر وغیر مستند مواد کو خارج کر کے مفتیٰ بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ کر کے ''المتانة فی حرمة الخزانة'' نام کی کتاب لکھی، یہ کتاب مولانا غلام مصطفی قاسمی کے ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ احیاء الادب السندی کراچی سے ۱۹۶۲ھ میں شائع ہوئی ہے۔ (اکابر گجرات: ۵۵۲، مشائخ احمد آباد)

(۲۲) شمس الدین محمد بن محمد گجراتیؒ (م ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء)

گجرات ہی میں مولد و مدفن ہے۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه و الاصول و العربية. (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۱۳)

(۲۳) قاضی عبداللہ سندھیؒ (زمانہ: دسویں صدی ہجری، پندرویں صدی عیسوی)

شیخ عالم فقیہ قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری سندھی مہاجر مدنی مولد در بیلہ صوبہ سندھ، تحصیل درسیات شیخ عبدالعزیز ابہری شارح مشکوۃ سے کی اور خود مدت تک تدریس فرمائی، جب سلطان شاہی بیگ قندھاری سندھ پر قابض ہوا تو آپ

حرمین شریفین کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

۹۴۷ھ/ ۱۵۴۰ء میں گجرات پہنچے، جہاں شیخ علی متقی برہان پوری سے ملاقات ہوئی، جن کی شہرت چار دانگ گجرات میں تھی، حتی کہ بہادر شاہ بھی ان کا معتقد تھا اور چاہتا تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو، لیکن شیخ متقی اجازت نہیں دیتے تھے، بہر حال کچھ مدت احمد آباد میں شیخ علی متقی کی خدمت میں رہ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تھوڑی مدت میں وہاں انتقال فرمایا۔

تاریخ معصومی سے ان مقتدر مشاہیر علماء کے ترک وطن کرنے کی شہادت ملتی ہے، اولاً ۹۲۷ھ میں قلعہ بھکر سے سادات کو بے دخل کیا گیا، اس کے بعد قاضی عبداللہ بن ابراہیم ۹۳۴ھ میں گجرات چلے گئے اور وہاں سے حجاز مقدس جا پہنچے اور وہیں وفات ہوئی۔ (مشائخ احمد آباد: ۲۲۹-۲۳۰، عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات)

(۲۴) شیخ اللہ بخش گجراتیؒ (م ۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء)

شیخ محمد غوث گوالیریؒ کے مرید تھے۔

احد العلماء المبرزين في الفقه والاصول والعربية، درس وافاد زمانا. (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۹)

(۲۵) شیخ محمد بن افلح مکیؒ (وفات: ۹۷۲ھ ۱۵۶۴ء)

شیخ محمد بن افلح بڑے علامہ تھے، خصوصاً فصاحت و بلاغت اور ادب میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا، آپ کی مجلس میں ہر وقت لطیفے، حکایتیں اور علمی گفتگو رہتی، آپ کے فہم وفقہ کا دائرہ بڑا وسیع تھا، ان کے متعلق صاحب النور السافر کا گمان یہ ہے کہ وہ زبید سے تعلق رکھتے تھے، اور یمن کے مشہور سات بزرگوں میں سے ایک شیخ افلح ہیں، یہ ان کی اولاد میں سے ہیں، انہوں نے عرصہ تک ہندوستان میں درس دیا، آپ کے شاگردوں میں فقیہ علی بن صبر الیافعی مشہور ہیں، فقیہ محمد بن سراج حضرمی بھی ایک دفعہ آپ کے درس میں حاضر ہوئے، شیخ محمد بن افلح نے متعدد قصائد کہے، غرض محمد بن افلح شافعی المذہب علم واصول میں بڑے محقق تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۹۷۲ھ کے کچھ بعد ہوئی ہے، واقعہ یہ ہوا کہ شیخ ہندوستان سے مکہ مکرمہ کے لئے گجرات کے وزیر الغ خان کی کشتی میں سوار ہو کر جا رہے تھے کہ حادثہ ہوا اور کشتی اور تمام کشتی والے ڈوب گئے، ان شہید ہونے والوں میں فقیہ محمد زبیدی بھی تھے۔

ظفر الوالہ میں تفصیلی واقعہ لکھا ہے کہ ۹۷۲ھ میں ناخدا حسن علوان کے ساتھ شیخ شہاب الدین احمد زبیدی اور فقیہ جمال الدین محمد بن افلح یمنی گجرات سے حج کے لئے تشریف لے گئے، مگر ان کی کشتی جدہ میں داخل نہ ہو سکی، سقطرہ میں داخل ہوئی، کئی مہینے وہاں ٹھہرے رہے اور یہ دوسری کشتی تھی کہ جسے سقطرہ میں لنگر انداز ہونا پڑا تھا، دوسری کشتی کے ناخدا عنبر عبدالنبی تھے، باہم اتفاق سے دوسری کشتی کا سامان بھی اس میں رکھ دیا گیا، مگر سقطرہ سے جس دن چلے اسی دن کشتی

ڈوب گئی اور تمام کشتی والے شہید ہو گئے۔ (مشائخ احمد آباد: ۱/ ۱۳۱، نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۳۳، عرب ممالک اور صوبہ گجرات کے تعلقات)

(۲۶) شیخ یوسف نجم الدین (سدّھ پوری) (تقریباً: ۹۷۴ھ ۱۵۶۷ء)

سدّھپور کے یوسف نجم الدین بن سلیمان نجی، اسماعیل داودی دعوت کے پہلے ہندوستانی داعی ہیں، وہ جوانی میں اپنے والد کے ہمراہ حرمین شریفین گئے تھے، وہاں سے واپس آتے ہوئے ان کے والد کا مُخا بندرگاہ (یمن) میں انتقال ہوگیا، تو یہ نوجوان تیئیسویں داعی شیخ محمد عزالدین کی قیام گاہ میں رک گئے اور ابتداء میں شیخ محمد حسن بن نوح سے اور بعد میں خود داعی مطلق سے تعلیم حاصل کی، تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ اپنے وطن لوٹ آئے۔ (۹۴۶ھ/ ۱۵۳۹ء) میں یوسف نجم الدین، داعی محمد عزالدین کے جانشین بنائے گئے تھے، اس کے بعد وطن (سدّھ پور) میں پانچ سال تک مفید خدمات انجام دینے کے بعد وہ یمن تشریف لے گئے، جہاں (۱۶/ ذی الحجہ ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۷ء) کو وفات تک قیام کیا تھا۔

آپ نے دو کتابیں تصنیف کی ہے: (۱) **مجمع الفقه** (۲) رسالہ۔ آخری تالیف ایک طرح سے جعفر بن محمد المحفوظی (وفات ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۴۱ء) کی کتاب ''**المقيذة من نوم الغفلة**'' کا ضمیمہ ہے۔ (نام ''المقیذۃ'' ہی لکھا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ صحیح نام ''الموقظۃ'' ہوگا، کسی نے بگاڑ کر اس طر لکھ دیا)

(۲۷) شیخ حسین بغدادیؒ (م: ۹۷۷ھ ۱۵۷۰ء)

ولادت وتعلیم: سوانح نگاروں نے آپ کی سن ولادت تحریر نہیں فرمائی ہے، ہاں! سن وفات ۹۷۷ھ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے: ولہ ست وسبعون سنۃ، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۰۱ھ میں ہوئی ہوگی۔

آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور آپ کا شمار علماء کبار میں ہوتا ہے، آپ کی ولادت اور نشونما بغداد ہی میں ہوئی۔

آپ نے علمائے شہر سے علم حاصل کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں اجتہاد اور ایجاد سخن کا رتبہ حاصل کیا، اس کے بعد مزید حصول علم کی غرض سے امیر غیاث الدین بن منصور شیرازی سے استفادہ کے لئے شیراز کا سفر کیا، ابھی تو شیراز پہنچے ہی تھے کہ وہاں کے امیر ابراہیم خان نے اہل علم کی ایک مجلس طلب کی، جس میں شرکت کے لئے شیخ کو بھی دعوت دی گئی، جب لوگ حاضر ہو گئے تو امیر نے حاضرین کے سامنے وہ تمام اعتراضات پیش کئے، جو غیاث الدین بن منصور نے شرح التجرید پر علت ومعلول کی بحث میں کئے ہیں، حاضرین مجلس میں سے کوئی بھی جواب نہ دے سکا تو شیخ نے امیر سے کہا: اگر دو روز کے لئے یہ کتاب مجھے دی جائے تو میں اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب دوں گا، امیر نے مذکور کتاب ان کے حوالہ کر دی، انہوں نے مطالعہ اور غور وخوض کے بعد دوسری مجلس میں متعدد وجوہ سے اور اس خوب صورتی سے جوابات دیئے کہ تمام علماء نے آپ کی تحسین فرمائی، ہاں! غیاث الدین منصور نے خجالت وشرمندگی کی بناء پر آپ کو خارجی اور ناصبی سے متہم کیا اور امیر سے بھی مطالبہ کیا کہ ان کو شہر بدر کر دیا جائے، لیکن امیر شہر نے نہ صرف انکار کیا بلکہ سفارشی انداز میں

فرمایا: جو شخص اس شہر میں آپ سے استفادہ کی غرض سے حاضر ہو، اسے میں کیسے شہر بدر کرسکتا ہوں؟ بالآخر غیاث الدین ان سے راضی ہوگئے اور شیخ نے ایک مدت تک شیراز میں ان سے استفادہ کیا۔

گجرات تشریف آوری: اس کے بعد شیخ نے حرمین شریفین کا رخت سفر باندھا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اس کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور کئی بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی، (ہوسکتا ہے کہ افادہ اور فیض رسانی کے لئے مناسب جگہ و آب وہوا کی تلاش ہو اور اس عرصہ میں بھی انہوں نے ان جگہوں پر فیض پہنچایا ہو، جہاں وہ پہنچے) آخر میں آپ نے گجرات کے مشہور شہر احمد آباد کو اقامت و افادہ کے لئے پسند فرمایا اور سکونت اختیار کی اور یہیں آپ نے مسند درس و افادہ آراستہ فرمائی، آپ سے مولانا عبد القادر بغدادی، حکیم عثمان بوبکانی اور ان کے علاوہ بے شمار افراد نے علم حاصل کیا۔

وفات: ۹۷۷ھ میں آپ نے آخری دم توڑا اور رسول آباد میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، بوقت وفات آپ کی عمر ۷۶ رسال تھی۔ (مشائخ احمد آباد: ص: ۱۳۸، ۱۳۹، نزہۃ الخواطر: ۴/ ۸۴، صوبۂ گجرات اور عرب ممالک کے تعلقات)

(۲۸) شیخ حسن بن احمد گجراتیؒ (م ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء)

احمد آباد مولد ہے، علامہ کمال الدین دہلوی کی اولاد میں ہیں۔

كان عالماً كبيراً بارعاً في الفقه والاصول والعربية والتصوف والتفسير وله مصنفات عديدة. (نزہۃ الخواطر: ۴ر۸۷)

(۲۹) شیخ حسن (محمد) چشتیؒ (م ۹۸۲ / ۱۵۷۴)

حاشیہ علی التلویح، التفتازانی کی تلویح پر حاشیہ۔ (عربی زبان و ادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۱۳۹)

(۳۰) قاضی عیسیٰ (م ۹۸۲ / ۱۵۷۴)

قاضی علاؤ الدین عیسیٰ بن شیخ عبد الرحیم گجراتی، احمد آباد کے حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کے ہم درس رہے تھے، آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے ملتا ہے، قاضی عیسیٰ کی ولادت رادھن پور میں ہوئی تھی، البتہ بعد میں آپ احمد آباد میں مقیم ہوگئے تھے، جہاں انہیں ممتاز دانشور شیخ عماد الدین تارمی کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تھا، آپ کا انتقال (م ۹۸۲ھ/ ۱۵۷۴ء) میں ہوا تھا، آپ نے رائج الوقت تمام نصابی کتابوں کی شرحیں اور ان پر حاشیے لکھے تھے، ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر بھی آپ کی اہم تصانیف ہیں، سید مرتضی زبیدی بلگرامی جیسے عظیم لغوی نے مشہور تالیف **تاج العروس فی شرح القاموس** میں قاضی عیسیٰ کی شرح **خطبۃ القاموس** کا حوالہ دیا ہے، (یہ شرح فیروز آبادی کی القاموس کے مقدمہ کی شرح ہے) نصر الحسینی نے **شرح دیباچہ القاموس** میں اس سے استفادہ کیا ہے، اس کو قاہرہ سے شائع ہونے والی القاموس کی تیسری اشاعت میں شامل کرلیا گیا ہے، اس کے مخطوطے بانکی پور اور مکہ میں محفوظ ہیں۔

قاضی عیسیٰ کے رسالے:

رسالۂ سماع، موسیقی کے اختلافی موضوع پر ہے، مصنف نے موضوع کو عالمانہ طریقہ پر پیش کیا ہے اور اس مسئلہ پر دو طرح سے بحث کی ہے، اعتقاد کے نظریہ سے اور عملی طور پر، آپ کا خیال ہے کہ موسیقی کے سننے کو ترک کرنے میں حفاظت ہے؛ لیکن جو اس میں ملوث ہیں ان کی تحقیر سے بھی اجتناب کرنا چاہئے، آپ نے مزید یہ کہ چاروں اماموں کے عقائد کی بنیاد پر موسیقی کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا عبدالحیؒ کے ذاتی کتاب خانہ میں اور دوسرا احمد آباد میں مخزون ہے۔

قاضی علاؤالدین عیسیٰ کی تقریباً انقلابی کہی جا سکے ایسی تالیف ''**انتقال المقلد عن قول من قلده من الامام**'' ہے ،سنی فقہ کے چار مدرسہ ہائے فکر کے معتقدین کے لئے نہ صرف روایتی طریقہ پر بلکہ لازمی طور پر ضروری سمجھا گیا ہے کہ وہ جزوی باتوں میں بھی اپنے امام کی تقلید کریں، اور کسی ایک مکتبہ فکر (فرقہ) کے ماننے والے کے لئے اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو نہ ماننے پر زور دیا گیا ہے، قاضی علاؤالدین اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک امام کے پیرو کے لئے چند باتوں میں دوسرے امام کی پیروی کرنا جائز ہے، علماء دین کے نزدیک یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔

یہاں ''**انتقال المقلد**'' کے مقدمہ میں سے چند سطریں ہم نمونے کے طور پر نقل کرتے ہیں:

''**إذا قلد فقيها في شيئ فله أن يرجع عنه إلى قول فقيه آخر۔۔۔**''

قاضی عیسیٰ مزید ارشاد فرماتے ہیں: **والحاصل ان احدا من الأئمة لم يمنع مقلديه عن اتباع غيره في الجزئيات ۔۔۔سيماً اذا راح رجحان مذهبه بالحديث بل صرحوا بالامر باتباعه، ولم ينكروا على فهم في فروع الدين، ولم يشفعوا عليهم بخلاف من خلف في اصول الدين۔۔۔**

اس رسالہ کا ایک مکمل نسخہ احمد آباد میں اور دوسرا آصفیہ میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۱۳۹-۱۴۳)

سولہویں صدی کے اس گجراتی عالم دین کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہیں، آپ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) سے تعلق رکھتے ہیں جس میں گجرات میں خصوصاً علوم دینیہ کی خوب ترقی ہوئی تھی اور کثرت سے علماء دین نے تالیفات چھوڑی ہیں، کتاب خانۂ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ میں آپ کے دو رسالوں کے قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں جن میں سے ایک ''رسالہ در باب سماع'' ہے۔ اس میں سماع الغنی کے موضوع پر عربی میں بحث ملتی ہے۔ اس میں قاضی عیسی کی تاریخ ولادت ۲۰ ربیع الاول ۹۱۵ھ (۸ جولائی ۱۵۰۹ء) اور تاریخ وفات ۱۰ ربیع الاول ۹۸۲ھ (۳۰ جولائی ۱۵۷۴ء) بتائی گئی ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات:

رفت عیسی قاضی از عالم ۔۔۔ برد با خویش نام استادی

سال تاریخش از قضا جستم گفت قاضی احمد آبادی

(۳۱) سیدی سعید سلطانیؒ (وفات: ۳؍شوال المکرم ۹۸۴ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۵۷۶ء)

صاحب ''النور السافر'' لکھتے ہیں کہ ۳؍شوال المکرم ۹۸۴ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۵۷۶ھ پیر کے روز سیدی سعید سلطانی حبشی کا احمد آباد میں انتقال ہوا، جو حنفی المذہب تھے، اور بہت کٹر قسم کے بڑے فقیہ اور جملہ علوم کے ماہر تھے، قرآن کریم کے بھی حافظ تھے، اور بہت زیادہ عبادت گذار تھے، اس درجہ تک کہ رمضان میں پانچ ختم فرماتے تھے۔

مولانا ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ سیدی سعید کی ولادت غالباً حبشہ میں ہوئی، اور وہاں سے غالباً یمن میں آ کر ترکوں کی فوج میں داخل ہوئے، اور پھر مصطفی رومی خان کے ساتھ گجرات آئے، رومی خان کے چلے جانے کے بعد جہاں اور ترکی اور حبشی ملازم ہوئے، سعید بھی ملازم ہو گئے، آخر میں ترقی کر کے سلطان محمود کے مقرب ملازموں کے زمرہ میں شامل ہو گئے، اس لئے ان کو سیدی سعید سلطانی کہتے ہیں۔

وہ زیادہ تر علم وفضل والوں کے ساتھ صحبت رکھتے، ان کی مجلس میں بہترین آدمی جمع ہوتے، اور انہی اصحاب فضل وکمال سے انہوں نے مختلف علوم وفنون حاصل کئے، ان کے علم نوازی ہی کا نتیجہ تھا کہ شیخ حمید بن قاضی عبداللہ سندھی محدث وقت نے جامع حمیدی کی تبویب ختم کی تو اس وقت سعیدی کے نام پر معنون کیا، اور اس کا نام جامع سعیدی فی تبویب الحمیدی رکھا۔

کتب خانہ: انہی بزرگوں کے فیض صحبت سے آپ کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بڑی کوشش سے ایک کتب خانہ قائم کیا، شہر میں جس قدر کتابیں مل سکیں وہ سب جمع کیں، پھر کتابوں کے اکٹھا کرنے کے لئے ایک جہاز ٹھیک کر کے مصر روانہ کیا، اور اس کے ناخدا خواجہ سلامۃ اللہ شاطر مغربی کو ایک فہرست دی کہ اس کے مطابق کتابیں خرید کرا اور اس جہاز پر لاد کر لائیں۔

یہ جہاز کتابیں لے کر گھوگھہ بندر (کاٹھیاواڑ) پہنچا، تو بدقسمتی سے طوفان کی زد میں آ گیا، اور جہاز نے کروٹ لے لی، جس کی وجہ سے کتابیں ضائع ہو گئیں، ان میں سے جو بچ سکیں وہ کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں۔

اکبر بادشاہ نے احمد آباد فتح کیا تو اس کے تیسرے سال حکومت کی طرف سے امیر حج بنا کر بھیجے گئے، حج سے واپس آئے تو ۳؍شوال المکرم ۹۸۴ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۵۷۶ء دوشنبہ کے دن احمد آباد میں ان کا انتقال ہو گیا، اور اسی مسجد میں۔ جو آپ نے بنوائی تھی۔ دفن کیا گیا۔ (ظفر الوالہ: ص: ۵۴۱، ج: ۲، النور السافر: ۳۲۰)

(۳۲) قاضی صدر الدین لاہوریؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء)

بڑے محقق کثیر المطالعہ عالم تھے، اہل علم کے لیے کشادہ ظرف تھے، کثرت سے روتے تھے، شاہ تیمور نے بھروچ میں منصب قضاء پر فائز کیا تھا، کھروچ میں انتقال ہوا۔

(۳۳) شہاب الدین العباسی (م ۹۹۲ھ، ۱۵۸۴ء)

نامور مصری نحوی الدمامینی کی طرح ایک اور مصری دانشور شیخ شہاب الدین احمد بن بدرالدین عباسی المصری الشافعی بھی گجرات میں آئے تھے، آپ کی ولادت (۹۰۳ھ/ ۱۴۹۷ء) میں ہوئی تھی اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری، شیخ برہان الدین بن ابو یوسف، شیخ نورالدین المحلی، شیخ کمال الدین الطویل، شیخ زین الدین الغزی اور شیخ نورالدین المالکی جیسے اکابر علماء سے تعلیم حاصل کی تھی۔

(۹۳۶ھ/ ۱۵۲۹ء) میں آپ کی ملاقات زبید (یمن) میں ابوالعباس طبندادی البکری سے ہوئی اور ان سے بھی مزید تعلیمات حاصل کی، آپ کو علم حدیث پر جو عبور حاصل تھا، اس کے علاوہ علم الحروف، علم نجوم اور المیقات میں بھی کمال رکھتے تھے، آپ نے شاعری بھی کی تھی، النور السافر میں آپ کے جو ابیات نقل ہوئے ہیں وہ شعر میں علم النجوم اور سائنس کے خیالات پرو لینے کی آپ کی قابلیت کے مظہر ہیں، آپ نے ۴/صفر ۹۹۲، ۱۵۸۴ء کو احمد آباد میں وفات پائی، النور السافر کے مصنف نے آپ کی مندرجۂ ذیل کتابوں کے نام دیئے ہیں، البتہ ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔

(۱) شرح الشاطبیه

(۲) شرح المنهاج

(۳) شرح علی مختصر ابوشجاع

(۴) شرح الاجرومیه

(۵) شرح العمده

(۶) شرح الاربعین

یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نویس نے مندرجۂ بالا جن کتابوں کو شہاب الدین کی تصانیف بتایا ہے، ان کے بارے میں النور السافر میں مندرج ہے کہ وہ سب شہاب الدین کو حفظ تھی، النور السافر (اردو ترجمہ ص: ۳۰۸) کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے: ''علامہ شہاب الدین مصری'' نے فقہ میں ''منهاج نووی''، قرأت میں ''شاطبیه'' اور حدیث میں مقدسی کی ''العمده'' حفظ کی تھی، اس کے علاوہ اربعین نووی، الاجرومیه، مختصر ابوشجاع یاد تھیں، النور السافر (عربی) کی جدید اشاعت میں یہ الفاظ ہیں: ومن محفوظاته ''المنهاج و الشاطبیه۔۔۔'')

(۳۴) شہاب الدین احمد بن بدرالدین مصری (وفات: ۴/رمضان المبارک ۹۹۲ھ)

عرب سے گجرات میں تشریف لاکر لوگوں کی علمی پیاس بجھانے اور نور اصلاح وہدایت کو جلا بخشنے والوں میں سے ایک شہاب الدین احمد مصری ہیں، یہ دسویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔

نام ونسب اور ولادت: آپ کا نام: احمد بن بدرالدین عباسی مصری، لقب: شہاب الدین اور مسلکاً شافعی ہیں، ۹۰۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔

حصول علم اور اساتذہ: جب حصول علم کی عمر کو پہنچ گئے تو اپنے زمانہ کے علماء وشیوخ سے اخذ علم کیا، ان میں سے شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ برہان الدین بن ابوشریف، شیخ نورالدین مکی، شیخ کمال الدین طویل، شیخ زین الدین غزی اور شیخ نورالدین ملتجی ہیں؛ نیز آپ نے ۹۶۳ھ میں شیخ ابوالعباس طبند اوی بکری سے زبید میں اخذ علم کیا۔

فقہ میں نووی کی منہاج، قرأت میں شاطبیہ، حدیث میں مقدسی کی العمدہ حفظ کی تھیں، اس کے علاوہ اربعین نووی، الاجرومیہ (فی النحو) اور مختصر ابوشجاع یاد تھیں۔

آپ صاحب تصانیف تھے، شاہان گجرات کے نام پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں، علم حرف وفلکیات اور میقات میں ید طولی حاصل تھا۔

اوصاف: نہایت ہی متقی و پرہیز گار تھے، لوگوں سے بہت کم اختلاط اور میل جول رکھتے تھے، کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے والے اور سلف صالحین کے طریقہ پر گامزن تھے۔

وفات: ۴؍صفر المظفر کی شب کو علامہ کا احمد آباد میں انتقال ہوا، بوقت وفات عمر قریب ۹۰؍سال تھی، اپنے شاگرد اور رفیق محمد بن عبدالرحیم عمودی کے مزار کے قریب تربت العرب میں دفن کئے گئے، استاذ شاگرد میں بیحد محبت تھی، گویا ایک جان دو قالب تھے۔ (النور السافر: ص: ۳۰۸، نزہۃ الخواطر: ج: ۴، ص: ۱۶، ۱۷، یاد ایام: ۴۷)

شیخ احمد مصری کی وفات احمد آباد میں ہوئی، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے آخری عمر گجرات میں ہی گزاری، ان کی گجرات آمد کب ہوئی؟ ان سے کن حضرات نے کسب فیض کیا، اس پر سوانح نگار حضرات نے روشنی نہیں ڈالی ہے، لیکن ۹-۱۰؍ویں صدی میں گجرات میں علم بام عروج پر تھا اور گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا اور علوم وفنون وخدمات حدیث میں وہ شیراز ویمن کا مماثل بن چکا تھا، اس لئے یقین کیا جاسکتا ہے کہ حضرت سے متعدد حضرات نے کسب فیض اور اخذ علم کیا ہوگا۔

شیخ عبدالقادر نے آپ کا تذکرہ ''النور السافر'' میں اس طرح کیا ہے کہ

آپ کا سال ولادت ۹۰۳ھ اور مولد مصر ہے، اور وہیں کے اساتذہ سے تحصیل علم کیا، من جملہ ان اساتذہ کے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری، شیخ علامہ بدرالدین بن ابوشریف، کمال الدین، شیخ زین الدین الغزی، شیخ نورالدین ملتجی ہیں۔

آپ کی کئی تصانیف ہیں: شرح المنہاج للنووی (درفقہ) شاطبیہ (قرأت) العمدۃ للمقدسی (الحدیث) الاربعین۔

آپ تقوی میں فائق تھے، اور قلیل الاختلاط تھے، شب جمعہ ۴؍رمضان المبارک ۹۹۲ھ کو احمد آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے، آپ کی تاریخ وفات اور سن میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ سوانح نگاروں نے ماہ الگ الگ ذکر کئے ہیں، یعنی صفر اور رمضان المبارک۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۱۹، النور السافر: ۳۶۰)

(۳۵) علامہ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ (م ۹۹۸ھ ۱۵۹۰ء)

چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے کبار علماء سے علم حاصل کیا، کثیر التصانیف عالم ہیں، علم فقہ واصول میں یہ تصانیف ہیں:

(۱) حاشية علی هداية الفقه للمرغيناني (۲) حاشية علی شرح الوقايه (۳) حاشية علی التلويح (۴) حاشية علی اصول البزدوی (۶) حاشية علی الشرح العضدي و علی المختصر لابن الحاجب.

آپ کا مزار احمد آباد میں ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۸۶،۳۸۶۵) (مشائخ احمد آباد، ۱/ ۲۹۲)

(۳۶) قاضی جلال الدین ملتانیؒ (متوفی ۹۹۹ھ-۱۵۹۰ء)

شیخ فاضل کبیر قاضی حنفی ملتانی، یکے از علماء کبار، مولد شہر بھکر اور ملتان میں پروان چڑھے، آپ نے چند روز تک شیخ وجیہ الدین احمد علوی احمد آبادیؒ کے درس میں بیٹھ کر دینی علوم حاصل کئے، اور فقر وتصوف کی چاشنی کا مزہ پایا، پھر دار السلطنت آگرہ تشریف لائے، یہاں شیخ جلال الدین ابن عبد اللہ اکبر آبادی کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا، پھر کچھ عرصہ گمنامی میں رہے، پھر درس کا آغاز کیا، اور علمائے معاصرین میں آپ کے علم کی دھوم مچ گئی، قاضی کمال الدین یعقوب کردی کے بعد اکبر بادشاہ نے قضاء کا منصب آپ کے نام کر دیا، جب اکبر نے علماء سے آگرہ خالی کرایا تو آپ بیجاپور تشریف لے گئے، اس صوبہ کا حاکم آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔

اسی شہر میں آسودۂ لحد ہوئے، تاریخ وفات: ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ء ہے۔ نور اللہ مرقدہ (گلزار ابرار: ۴۰۹)

(۳۷) شیخ پیر محمد گجراتی (م ۹۹۹ھ ۱۵۹۱ء)

فقیہ تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد میں سے ہیں۔ (ایضا: ۴/ ۶۶)

(۳۸) شمعون بن محمد الغوری (م: ۱۰/ ویں صدی ہجری کے آخر میں)

ہمارے پاس الغوری کے بارے میں معلومات نہیں ہے، Ivanow کا کہنا ہے کہ وہ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں گزرے ہیں، شیخ عبد الرسول نے ان کی ایک تالیف "کتاب السوال و الجواب" کا ذکر کیا ہے جو اسماعیل داودی فقہ کے بارے میں ہے اور "المسائل الشمعونیه" بھی کہی جاتی ہے، اختلافی مسائل سے متعلق ان کی ایک اور تالیف "الاسترشاد" بھی ہے، دونوں کتابوں کا ذکر Ivanow نے کیا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۳۰۸)

(۳۹) قاضی محمود گجراتیؒ

مورپ (احمد آباد میں پیدا ہوئے، طویل عرصہ تک درس وتدریس میں مصروف رہے، فقیہ اور قاضی تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۴۸)

(۴۰) مفتی محمد اکبرؒ (دسویں صدی ہجری کے آخر میں)

شیخ فاضل علامہ محمد اکبر بن محمد شریف اپنے زمانہ کے ان علماء میں سے تھے، جو علوم حکمت وفلسفہ میں فائق تھے، آپ احمد آباد کے مسند افتاء پر بھی فائز رہے، شیخ محمد حسن صدیقی کے علاوہ دوسرے کئی علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، میر زاہد شرح المواقف پر آپ نے حاشیہ تحریر فرمایا۔

سن ہجری : ۱۰۰۱ تا ۱۱۰۰

(۴۱) شیخ مبارک ناگوری

شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری، آپ قریشی النسل تھے، آپ کے آباء واجداد میں شیخ موسی یمن کے رہنے والے تھے، ۸۰۰ھ میں یمن سے نکل کر سستان میں مقیم ہو گئے تھے، آپ کے والد شیخ خضر بزرگوں کی زیارت کے ارادہ سے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان آئے، قصبہ ناگور میں چند بزرگوں کی موجودگی کے باعث اقامت اختیار کر لی، ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک تولد ہوئے، چار سال کی عمر سے تعلیم شروع ہوئی، چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے۔

احمد آباد پہنچ کر خطیب ابوالفضل گاذرونی اور مولانا عماد طارمی سے بھی استفادہ کیا، سلوک وتصوف میں بھی اعلی مقام حاصل کیا اور شیخ یوسف وشیخ عمر سے سلسلہ شطاریہ چشتیہ، سہروردیہ میں اجازت حاصل کی۔

۹۵۰ھ میں آگرہ پہنچے، اس وقت آپ کی عمر ۳۹ر سال تھی، میر رفیع الدین صفوی کی خانقاہ میں قیام کیا، شیخ چندن قریشی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا، پھر درس وتدریس میں لگ گئے، آپ چاروں ائمہ کے احکام سے واقف تھے، آپ کے درس میں ہر مذہب وملت کا آدمی شامل ہوتا۔

ملا بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ مبارک اپنے زمانہ کے بڑے کامل شخص تھے، صلاح وتوکل، زہد وتقوی میں فائق اقران تھے، ہمیشہ علوم دینیہ کے درس میں مشغول رہے، علم تصوف کو کمال درجہ پر پہنچایا تھا، شاطبی آپ کو زبانی یاد تھی، قرآن شریف دس قراءت کے ساتھ یاد تھا۔

صاحب اخبار الاصفیاء لکھتے ہیں کہ ان کے کتب خانہ میں پانچ سو ضخیم کتابیں خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی موجود تھیں، آپ کی ایک تصنیف ہے، جس کا نام بدایونی اور طبقات کے مطابق: مبلغ نفائس العلوم اور مآثر کے مطابق: منبع عیون المعانی ہے۔ (عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ۲۶۵، مشائخ احمد آباد: ۲۷۴-۲۷۵)

(۴۲) شیخ امین جی (۱۳ / شوال ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء)

شیخ امین جی بن جلال، اسماعیلی داودی دعوت کے ایک مانے ہوئے عالم ہیں، وہ احمد آباد کے داعی داود بن قطب شاہ کے معزز ساتھیوں میں سے ایک تھے، ان کی وفات احمد آباد میں (۱۳ / شوال ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء) میں ہوئی تھی، فقہ کے

موضوع پر لکھی گئی کئی کتابوں کے وہ مصنف ہیں، جن میں سے تین کی داودی بڑی قدر کرتے ہیں۔

شیخ امین جی کی تالیف حساب المواریث، جو قانون وراثت سے متعلق ہے، اس میں رشتہ داروں کے درمیان تقسیم کئے جانے والے حصص کے ____Tables دیئے گئے ہیں، آپ کی دوسری تالیف "السؤال والجواب فی الفقه" قوانین کا مجموعہ ہے، یہ کتاب جو کہ سوال وجواب کی صورت میں لکھی گئی ہے، اس میں قاضی نعمان کی کتابوں میں داودی دعوت کے بارے میں کھڑے ہونے والے مشکل مسائل کی توضیح وتشریح کی گئی ہے، اس کتاب کے بارے میں فہرست میں مختصر تبصرہ دیا گیا ہے، دیوانجی نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

شیخ امین جی نے مصر کے (حاکم) المعز باللہ الفاطمی کے قاضی القضاۃ قاضی نعمان کی مشہور ومعروف کتاب ''دعائم الاسلام'' کی شرح لکھی ہے، مذکورہ بالا مسائل امین جی سے یہ کتاب الگ تالیف ہے۔

Ivanow نے امین جی کے ایک اور رسالہ "المنتخب المنظوم" کا بھی ذکر کیا ہے، جو فقہ کے مسائل سے متعلق منظوم رسالہ ہے، اس منظومہ کے علاوہ امین جی نے داعی داود بن قطب شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ بھی نظم کیا ہے، اس قصیدہ کو "الرسالة المزیّنات" میں شامل کرلیا گیا ہے، فہرست الکتب کے مصنف نے "کتاب الضریری" پر امین جی کی ایک شرح کا بھی ذکر کیا ہے۔ (عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ۳۰۹-۳۱۰)

(۴۳) خواجہ نظام الدین احمد بخشی (وفات: ۱۰۰۳ھ مطابق ۱۵۹۴ء)

خواجہ نظام الدین احمد کا قیام گجرات میں کم وبیش آٹھ سال رہا، اسی زمانہ میں انہوں نے طبقات اکبری تالیف فرمائی، جو ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی، خواجہ نظام الدین احمد با حوصلہ امیر تھے، اعلی اخلاق وکردار کے مالک، علم دوست اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اکبری دور کی بے دینی والحاد سے متنفر تھے۔

بلکہ آپ نے اس بے دینی کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لئے چند یادداشتیں جمع کیں؛ لیکن کتاب نہ لکھ سکے، انہیں یادداشتوں کی بنیاد پر ملا عبد القادر بدایونی نے نجات الرشید لکھی۔

اس کتاب کے چند عنوان ملاحظہ ہوں: اصرار بر معصیت، شرب خمر، افتراء بر خدا، ترک صلاۃ، ترک زکوۃ، اہانت انبیاء، اہانت ملائکہ، دروغ بر رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بت پرستی، تعظیم کواکب، غلو در علم فلاسفہ کردن، الحاد، سب صحابہ، سجدہ لغیر اللہ، معنی قرآن بے علم گفتن، تراشیدن ریش، نکاح متعہ کردن، ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان مسائل وموضوعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔

(۴۴) شیخ بابو بن شیخ حسینی گجراتی (م ۱۰۰۷ھ)

پٹن میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے تحصیل علم کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، گجرات میں بڑی تعداد نے آپ سے علم حاصل کیا۔

العالم الفقیه الفتني الگجراتي أحد الرجال المعروفين بالفضل و الكمال. (نزهة الخواطر: ۵/ ۸۷، ۸۸)

(۴۵) مفتی بہاء الدین عبد الکریم (م ۱۰۱۳ھ ۱۶۰۵ء)

آپ مفتی قطب الدین نہروالی کے برادر زادہ تھے۔ بہاء الدین عبد الکریم کی ولادت احمد آباد میں ۱۵۵۴ میں ہوئی تھی، جب آپ کے والد یعنی مفتی قطب الدین کے بھائی محب الدین بن علاء الدین ہجرت کر کے مکہ گئے تو نوعمر بیٹے عبد الکریم کو بھی ساتھ لے گئے۔ آپ نے شروع میں اپنے چچا اور مکہ کے مفتی قطب الدین سے درس لیا اور ابن حجر ھیثمی سے بھی فیض اٹھایا، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو مدرسۃ المرادیۃ میں مدرس اور بعد میں مکہ کا مفتی اور ۱۵۸۲ میں حرم شریف کا امام بھی بنایا گیا تھا۔

مفتی بہاء الدین عبد الکریم درس، فتاوی نویسی اور امامت کی خدمت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نے صحیح البخاری کی ایک شرح انھر الجاری علی صحیح البخاری تصنیف کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے چچا مفتی قطب الدین کی حرم شریف کی تاریخ کا اختصار بھی کیا تھا جس کا نام اعلام العلماء الاعلام ببناء المسجد الحرام ہے۔

(۴۶) عبد الکریمؒ گجراتی (۱۵/ ذوالحجۃ الحرام ۱۰۱۴ھ)

عبد الکریم بن محب الدین بن علاء الدین خرقانی نہروالی گجراتی مکی، فضل و کمال میں یکتائے زمانہ تھے، آپ کی ولادت احمد آباد میں ۱۹/ شوال المکرم ۹۶۱ھ، بروز پیر بوقت چاشت ہوئی، چوں کہ نہروالا میں آپ کا خاندان علم و طریقت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، اس لئے آپ اسی فضا میں پروان چڑھے۔

سفر مکہ اور خدمات دینیہ: آپ نے اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ کا سفر کیا، وہیں آپ کی نشو و نما ہوئی، وہاں اپنے عم محترم مفتی قطب الدین نہروالی کی صحبت کو لازم پکڑا؛ حتی کہ فقہ میں ماہر ہو گئے، شیخ عبد اللہ سندی سے بھی علم حاصل کیا اور علامہ ابن حجر ہیثمی سے بھی کسب فیض کیا، آپ ان سے صحیح بخاری کی روایت کرتے ہیں۔

آپ کو مکہ میں ۹۸۲ھ میں منصب افتاء سپرد کیا گیا اور ۹۹۰ھ کے پس و پیش خطابت کی ذمہ داری آپ کے سر ڈالی گئی، مکہ مکرمہ میں واقع مدرسہ سلطانیہ مرادیہ کے والی بنائے گئے اور اس طرح عوام و خواص کی خدمات دینیہ کا موقع ملا۔

تصنیفات: آپ نے بہت ہی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے النہر الجاری علی البخاری کے نام سے صحیح بخاری کی نامکمل شرح ہے، نیز ایک کتاب اعلام العلماء الأعلام ببناء المسجد الحرام کے نام سے تاریخ ہے، یہ ان کے عم محترم کی مختصر تاریخ ہے، جس میں انہوں نے ضرورت کے مطابق اہم معلومات کا اضافہ کیا ہے۔

اوصاف و کمالات: آپ کا حافظہ و مذاکرہ بہت ہی عمدہ و تیز تھا، فقہ کے ماہر، احکام و قواعد فقہیہ میں بھی فرد فرید تھے، اس کے نکات کو سمجھنے والے اور اسرار و غوامض کو کھول کر واضح کرتے تھے، اخبار و وقائع اور علماء کے احوال و سوانح کا استحضار تھا، بحث و مباحثہ میں انصاف پسند اور غیر جانب دار تھے۔

احمد آباد میں پیدا ہوئے، پٹن میں آپ کا گھرانہ علم وتصوف میں معروف تھا، ۹۹۹ھ مدرسہ سلطانیہ مکۃ المکرمہ میں خطیب مقرر ہوئے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مفتیٔ مکہ بھی رہے، مکہ میں انتقال ہوا، جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۴۵)

وفات: آپ کی وفات ۱۵/ ذوالحجہ الحرام ۱۰۱۴ھ بروز بدھ غروب شمس سے پہلے ہوئی اور معلاۃ میں تدفین ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۴۵)

(۴۷) مولانا صوفیؒ (وفات: ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء)

مولانا صوفیؒ گجرات کے علمائے تصوف میں سے تھے، علوم میں آپ کو بڑا تبحر حاصل تھا، اور درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا، عبدالرحیم خان خاناں کی طرف سے آپ کا وظیفہ مقرر تھا، اس لئے ان کے احمد آباد کے کتاب خانہ کے آپ ناظر تھے، اس کے بعد انہوں نے خلوت نشینی اختیار کرلی، اور اپنے گھر کے کونہ میں پڑے رہتے۔

علامہ صادق ''الصبح الصادق'' میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نام محمد تھا، اور بہت عمدہ شعر کہتے تھے، آپ کا فارسی میں ایک شعر ہے ؎

مرا بوقت جدائی دوست مردن بہ
کہ زندہ باشم و بے دوست بنگرم جارا

(۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء) میں آپ نے رحلت فرمائی اور علامہ صادق نے آپ کی تاریخ وفات ان الفاظ سے نکالی ''رفتہ ملا محمد صوفی''

(۴۸) شیخ محمود بن محمد گجراتی (م ۱۰۴۰ھ)

احمد آباد مولد ومدفن ہے، احمد آباد کے صلحاء وفقہاء میں آپ کا شمار ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۳۹۷)

(۴۹) شیخ شمس الدین (م: ۲۵، ربیع الاول ۱۰۴۲ھ/ ۱۶۳۲ء)

اسماعیلی داؤدی دعوت کے تیسویں داعی شیخ علی شمس الدین بن حسن بن ادریس (۱۰۴۱ھ/ ۱۶۳۱ء) میں داعی شیخ عبداللطیف زکی الدین کے جانشین بنے تھے، وہ (۸۳۲ھ/ ۱۴۲۸ء) میں وفات پانے والے انیسویں داعی شیخ ادریس بن حسن کے خاندان کے ہیں جو اپنا نسب شیخ ولید بن عقبہ القرشی سے جوڑتے ہیں، شیخ علی شمس الدین بڑے سخی اور بامروّت شخص تھے اور یمن میں ملاذ المومنین کے نام سے پہچانے جاتے تھے، ان کا انتقال (۲۵، ربیع الاول ۱۰۴۲ھ/ ۱۶۳۲ء) میں ہوا تھا۔

آپ کی تالیفات میں سے صرف ایک فصل کا پتہ چلتا ہے، اس فصل کا تعلق نماز ترک کرنے والے کے لئے وعیدوں

سے ہے، اور جسے آپ نے ذات البیان (نامی کتاب) کے ساتھ ملحق کیا تھا، اس فصل کا نام ''فصل فی ذکر قاطع الصلوۃ'' رکھا جا سکتا ہے، ''رمضانیہ'' میں اسے شامل کرلیا گیا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانوشوروں کا حصہ: ۳۲۱)

(۵۰) شیخ عبدالقادر العیدروسیؒ (م ۱۰۴۸ / ۱۶۳۰)

سید شیخ العیدروس کے نامور صاحبزادے محی الدین عبدالقادر، گیارہویں صدی ہجری کے نصف اول کے ایک قابل ذکر محدث اور مشہور صوفی ہیں، آپ بروز جمعہ ۲۰ / ربیع الاول ۹۷۸ھ/ ۱۵۷۰ء احمد آباد میں ایک ہندوستانی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان جیسے عظیم انسان کے بہت کم سوانح حالات ملتے ہیں، ''مرأت احمدی'' آپ کے بارے میں بالکل خاموش ہے، یہاں خود آپ نے اپنی کتاب النور السافر میں اپنے سفر کے بارے میں لکھا ہے، وہ نقل کیا جارہا ہے۔

عبدالقادر ۹۹۷ھ/ ۱۵۸۸ء میں احمد آباد سے سورت روانہ ہوئے اور وہاں چودہ ماہ قیام کیا، یہاں سے آپ بھروچ گئے جہاں ۹۹۸ھ/ ۱۵۸۹ء میں ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اپنے والد کے نام پر شیخ رکھا گیا، اس کے بعد کے سال میں آپ نے ایک طویل سفر کیا جس میں آپ نے چار مصروف سال گزارے، آپ نے سفر کی ابتداء سورت سے کی جہاں آپ سات سال مقیم رہے، اس دوران آپ نے اپنے والد کے مزار پر خوبصورت گنبد تعمیر کیا، آپ کا دوسرا قیام بھروچ میں ہوا جہاں سے آپ چیول گئے اور وہاں پانچ ماہ ٹھہرے، دکن میں آپ احمد نگر تک گئے اور وہاں چار ماہ قیام کیا، اس کے بعد حضرت نے کاٹھیاواڑ کے سفر کا ارادہ کیا، اس لئے آپ پہلے تو چیول واپس آئے اور وہاں سے بحری راستہ سے دیو گئے، آپ نے کاٹھیاواڑ میں کئی مقامات کی ملاقات کی اور آخر کار شمال میں موربی پہنچے، موربی سے آپ احمد آباد واپس ہوئے، احمد آباد ۱۰۰۲ھ/ ۱۵۹۳ء میں آپ کی آمد کے موقع پر عفیف الدین عبداللہ بن احمد بن فلاح الحضرمی نے ایک قطعہ تاریخ منظوم کیا، آپ نے ۱۰۴۸ھ/ ۱۶۳۰ء میں احمد آباد میں وفات پائی۔

صفوۃ الصفوۃ في بيان احكام القهوه:

قہوہ کی حرمت کے بارے میں فقہی بحث ہے، اس بارے میں مُخا کے شیخ علی بن عمر نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کا ذکر کیا تھا۔

دراصل سابق الذکر ''الزهر الباسم'' کی ایک فصل کا اقتباس ہے، اس کا قلمی نسخہ برلن میں دستیاب ہوا ہے، ڈاکٹر زبید احمد نے شیخ عبدالقادر العیدروسی کی قریباً ۳۳ تالیفات کا شمار کیا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانوشوروں کا حصہ: ۲۱۹-۲۲۰)

(۵۱) حضرت سید محمد جعفر بن حلال بدر عالم (م ۱۶۷۵)

آپ تفسیر وحدیث نیز دیگر کئی موضوعات مثلاً اوراد ووظائف اور سوانح پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی ایک اور کتاب اعمال الصلاۃ المخصوصۃ بالسادات کا قلمی نسخہ درگاہ پیر محمد شاہ میں موجود ہے۔اس کی سب روایات حنفی مذہب کے مطابق ہیں۔

(۵۲) استاذ العلماء قاضی علی بن اسد اللہؒ (علامہ وجیہ الدین علوی کے پڑپوتے) (وفات ۵/ذوالقعدۃ الحرام ۱۰۷۰ھ ۱۲/جولائی ۱۶۶۰ء)

علامہ قاضی علی بن اسد اللہ بن عبد اللہ بن وجیہ الدین علوی بیجاپوری، جو علی محمد سے مشہور ہیں، آپ کا لقب استاذ الاولیاء تھا، آپ کا مولد ومنشاء گجرات ہے، یہیں سے آپ نے علم حاصل کیا، پھر آپ اپنے بڑے بھائی میران بن اسد اللہ کے ساتھ بیجاپور منتقل ہو گئے، اور ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری کے دور میں وہاں کی قضا آپ کے سپرد ہوئی، وہاں آپ نے عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا، جس مدرسہ کے بعض مشہور تلامذہ یہ ہیں:

شیخ ابوتراب، سید محمد، قاضی برہان، قاضی ابراہیم زبیری، ابراہیم بن عبد الحمد بیجاپوری۔

آپ نے بیجاپور میں ۵/ذوالقعدۃ الحرام ۱۰۷۰ھ ۱۲/جولائی ۱۶۶۰ء کو وفات پائی اور بیجاپور میں دفن ہوئے۔

(روضۃ الاولیاء، نزہۃ الخواطر، ص:۴۶۱)

(۵۳) قاضی عبد الوہاب پٹنی (م:۱۰۸۷ھ/۲۶/نومبر ۱۶۷۵ء)

علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی اولاد میں ہیں، متعدد جگہوں میں منصب قضاء پر فائز رہے، دہلی میں انتقال ہوا۔

الشيخ العالم الفقيه قاضي القضاة عبد الوهاب الحنفي الأحمدآبادي. (نزہۃ الخواطر:۵/۲۶۷)

اورنگ زیب کے قاضیوں کے سلسلے میں جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہم قاضی عبد الوہاب کو ممتاز قاضی کی حیثیت سے پاتے ہیں۔

قاضی عبد الوہاب نے فقہ اور دینیات کی تعلیم حاصل کی، علم فقہ اور اصول فقہ میں انہیں مہارت تھی، شاہجہاں کے عہد حکومت میں ایک لمبے عرصے تک اپنے وطن پٹن کے مفتی رہے۔(ایس۔اے۔آئی۔ترمذی، ہم اسپیکٹس آف میڈیول گجرات، نئی دہلی، ۱۹۶۸ء، ص:۱۰۶) پٹن کے قاضی بننے سے پہلے انہوں نے کچھ انتظامی تجربات بیجوال اور رنو پرمحال کی فوجداری کر کے حاصل کئے، قاضی عبد الوہاب نے اس عہدے پر رہ کر بڑی محنت اور ذمہ داری سے کام لیا اور بادشاہ کے احکام پر عمل کیا اور بڑے ہی عزم واستقلال کے ساتھ اپنے عہدے پر قائم رہے، اس عہدے پر رہ کر جیسا کام قاضی عبد الوہاب نے کیا اس سے قبل کسی اور قاضی نے نہیں کیا۔(شاہنواز خاں، مآثر الامراء، جلد اول، ص:۳۴-۲۳۳، مختاور خاں، مرأۃ العالم: جلد دوم، ص:۴۵۱)

جب اورنگ زیب نے اپنا دوسرا جشن تاجپوشی منایا اور خطبہ پڑھنے کا سوال اٹھا تو اس وقت کے قاضی القضاۃ نے خطبہ پڑھنے سے انکار کر دیا، قاضی نے کہا کہ باپ کی موجودگی میں بیٹے کے نام کا خطبہ پڑھنا شریعت کے خلاف ہے۔(بلگرامی رفعت، حوالہ مذکورہ، ص:۱۲۱) اس چیز نے اورنگ زیب کو پریشانی میں ڈال دیا، اس موقع پر شیخ

عبدالوہاب نے غور وفکر اور صلاح ومشورے کے بعد یہ اعلان کیا کہ اعلی حضرت خاقانی شاہجہان بہت تیزی کے ساتھ کمزور ہورہے ہیں اور ان کے اندر کام کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی ہے، ریاست کے مختلف شعبوں کے اچھی طرح سے حکام ہی ریاست کو چلانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے ریاست کے کام اور عام لوگوں کی بھلائی کے کام میں رکاوٹیں آرہی ہیں۔ (بلگرامی رفعت، حوالہ مذکورہ، ص:۱۲۱)

اپنی بیماری اور کمزوری کے باعث شاہجہاں حکمراں رہنے کے لائق نہیں ہے، اس سلسلے میں شیخ عبدالوہاب نے شریعت کے مطابق بہت سی صحیح روایات اس وقت پیش کیں، جبکہ بہت سے عالم اور خداترس لوگ موجود تھے، اورنگ زیب نے شیخ عبدالوہاب کو جمعہ کے دن دہلی کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا، قاضی القضاۃ کو اورنگ زیب کے نام کا خطبہ نہ پڑھنے پر عہدے سے برطرف کردیا گیا اور شیخ عبدالوہاب کو دربار کا قاضی بنایا گیا اور ساتھ ہی قاضی القضاۃ کا خطاب دیا گیا۔ (ایشورداس ناگر، فتوحات عالمگیری (انگریزی)، ص:۵۵)

قاضی عبدالوہاب ایک باوقار شخص تھے اور سماج میں اپنا اثر رکھتے تھے، خافی خان لکھتا ہے کہ جب اورنگ زیب کو شیوا جی کی تازہ شرارتوں اور فسادانگیزیوں کی خبر ملی تو مہابت خاں کے کوچ کے متعلق بات چھیڑ گئی، بادشاہ نے جعفر خاں اور مہابت خاں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ کافر بہت پیر پھیلاتا جارہا ہے، اس کی سرکوبی نہایت ضروری ہے، مہابت خاں نے جواب میں التماس کیا کہ فوج اور لشکر کے تعین کی ضرورت نہیں، بس قاضی جی کا اعلان ہی کافی ہوجائے گا۔ (شاہنواز خان، حوالہ مذکورہ، ص: ۳۲۴، ایضا: ص: ۱۰۷)

قاضی عبدالوہاب کو کامرس وتجارت سے بڑی دلچسپی تھی، تجارت کی اشیاء پر برآمدات ودرآمدات ٹیکس کے حکم کا اعلان قاضی عبدالوہاب پر اعتماد کے سبب کیا جاتا تھا، (خافی خاں منتخب المباب، جلد دوم (اردو) ص:۱۹۹) قاضی عبدالوہاب کے علاوہ کسی دوسرے قاضی اور عہدے داروں نے ان جیسا اہم مقام حاصل نہیں کیا، قاضی عبدالوہاب فقہ، اصول فقہ اور دوسرے فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، سیاسی کاموں کے ساتھ ساتھ سماجی کاموں میں بھی انہیں اولیت دی جاتی تھی۔

۲۲ / جولائی ۱۶۷۵ء میں قاضی القضاۃ عبدالوہاب بیمار پڑے اور ۲۶ /نومبر ۱۶۷۵ء کو دارفانی سے دارجاودانی کی طرف کوچ کرگئے، ان کے لڑکے شیخ الاسلام جو اس وقت دہلی کے قاضی تھے، دربار میں آئے اور اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ (شاہنواز خاں، حوالہ مذکورہ، ص: ۲۳۵، ایشورداس ناگر حوالہ مذکورہ: ص: ۱۱۳)

مرکز میں قاضی عبدالوہاب کا خاندان ہی ایک ایسا خاندان تھا جس کے لوگ مذہبی عہدوں پر فائز رہا کرتے تھے، شیخ الاسلام نے جب ۱۶۸۴ء میں استعفیٰ دیا تو ان کی جگہ پر عبدالوہاب کے داماد سید ابوسعید کو قاضی القضاۃ بنایا گیا۔ (رفعت بلگرامی، حوالہ مذکورہ، ص: ۱۱۴)

انہوں نے بھی خرابیٔ صحت کے باعث ۱۶۸۶ء میں استعفیٰ دے دیا اور ۱۶۸۹ء میں اس دنیا سے رحلت کرگئے۔ (رفعت

بلگرامی، حوالہ مذکورہ،ص:۱۰۷)

تلاش بسیار کے بعد بھی قاضی عبدالوہاب کی کوئی تصنیف ہمیں دستیاب نہ ہوسکی، انہوں نے ضرور کچھ لکھا ہوگا، جو ہمارے دسترس میں نہیں ہے، یہ علم فقہ اور اصول فقہ میں مہارت رکھتے تھے، مفتی بھی تھے، اور جس وقت آپ قاضی تھے اسی عہد میں فتاوی عالمگیری کی تدوین کا کام بھی شروع ہوا، اس کے لئے اورنگ زیب نے نامور علماء کی ایک جماعت بھی متعین کی، لیکن فتاوی عالم گیری کے مرتبین کی فہرست میں بھی قاضی عبدالوہاب کا نام نہیں ملتا، اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ دیوان قضاء کے کاموں میں مصروف ہونے کے باعث موقع نہیں ملا ہوگا، کہ وہ تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دیں۔(رفعت بلگرامی، حوالہ مذکورہ،ص:۱۰۸-۱۰۷)

(۵۴) شیخ اسحٰق بھروچیؒ (زمانہ:۱۰۷۲ہجری/سترویں صدی عیسوی)

شیخ اسحٰق گجرات کے ایک بڑے مصنف اور ولی تھے، آپ حضرت فرید شکر گنج کی اولاد میں سے تھے، یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شیخ اسحٰق کا خاندان بھروچ میں کب آیا تھا، شیخ اسحٰق اعلی تعلیم کے لئے احمد آباد گئے تھے، اور حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کے مرید اور ممتاز عالم شیخ عبدالغنی کے پاس تعلیم حاصل کی تھی، شیخ اسحٰق احمد آباد میں (۱۰۱۶اور ۱۰۲۰/ہجری ۱۶۰۷اور ۱۶۱۱ عیسوی) کے درمیان رسول پور نامی مقام میں رہے تھے، (جو اب خان پور کہلاتا ہے) جہاں آپ کے اپنے مکانات تھے، آپ کے داماد مولانا محمد علی بن عبدالرحمن، احمد آباد شہر کے قاضی تھے، شیخ اسحٰق کا مدرسہ بھروچ میں تھا، بھروچ کے نواح میں ایک علاقہ کا نام، شیخ اسحٰق کے نام پر اسحاق پورہ اور آپ کے صاحبزادے شیخ محمود کے نام پر محمود پورہ رکھا ہوا ہے۔

تمباکو کے مہلکات سے متعلق ایک رسالہ کے آپ مصنف ہیں جو غالباً ۱۰۴۰ھ میں لکھا گیا تھا، اس کا نام'' **تحریم شرب الدخان**'' ہے، اس کا قلمی نسخہ بھروچ کے قاضی کی نجی لائبریری میں محفوظ تھا۔(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۴۴)

(۵۵) محمد فرید (م ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۱ء)

گیارہویں صدی ہجری کے نصف آخر کے ایک قابل ذکر دانشور، احمد آباد کے محمد فرید صدیقی ہیں، آپ علامہ محمد شریف کے صاحبزادے اور جانشین تھے، آپ کی ولادت یا وفات کی تاریخ تو ہمیں نہیں مل سکی، البتہ (اتنا کہہ سکتے ہیں کہ) آپ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ (۱۰۹۵ھ/ ۱۶۳۸ء) میں احمد آباد میں قاضی تھے اور بعد میں اردوئے معلیٰ کے عہدۂ قضاء تک آپ کو ترقی دی گئی تھی، اور (۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء) میں ان (شیخ عبداللہ) کی وفات ہوئی تھی، ہم آسانی سے (۱۰۷۵ھ/ ۱۶۶۴ء) میں محمد فرید کی وفات کا ہونا بتا سکتے ہیں، ان کے بھائی محمد صدیق بھی اپنے وقت کے ممتاز عالم تھے جنہوں نے پوری زندگی علم کے حصول اور اس کی توسیع کے لئے وقف کردی تھی، شیخ فرید کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں چند معروف ہیں، مثلاً:

(۱) حاشیہ علی حاشیۃ المطول:

یہ المطول پر الخطابی (عبدالحیٔ الخطابی الشہیر بمولازادہ) کے حاشیہ پر حاشیہ ہے، مصنف نے اسے (۱۰۶۰ھ/ ۱۶۴۹ء) کے آخری مہینے میں مکمل کیا تھا، جیسا کہ کتاب کے آخر میں بتایا گیا ہے، اس کا قلمی نسخہ بانکی پور میں محفوظ ہے۔

(۲) حاشیہ علی التلویح:

فقہ کے موضوع پر نصابی کتاب کا درجہ رکھنے والی تصنیف التنقیح کی تفتازانی کی لکھی ہوئی شرح تلویح پر یہ حاشیہ ہے، اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔

(۳) حاشیہ علی شرح التفتازانی علی العضدی:

العقائد العضدیہ پر التفتازانی کی شرح پر حاشیہ ہے، اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔

شیخ محمد فرید نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں **العقائد العضدیہ** پر التفتازانی اور سید شریف جرجانی کی شرحوں پر تفصیلی حاشیے لکھے تھے، والد کی وفات کے بعد آپ نے مفید اضافے کئے اور تمام مواد کو نئی ترتیب دے کر کتابی شکل تیار کی اور اس کا یہ نام رکھا تھا، اس کا قلمی نسخہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔

حضرت پیر محمد شاہ لائبریری، وضاحتی فہرست، جلد: ۲، مخطوطہ نمبر 511 (اس کتاب خانہ میں شیخ فرید بن محمد شریف صدیقی کا ایک اور مخطوطہ بعنوان: **حاشیہ شیخ فرید علی العضدی و علی تفتازانی و علی حاشیہ السید شریف** بھی محفوظ ہے، نمبر 432 اور ''**حاشیہ شیخ فرید علی عضدی**'' نمبر VII-939 پر بھی محفوظ ہے۔

سید حسینی پیر کی تصنیف **تذکرۃ الوجیہ**، ص: (۱۴۴-۱۴۵) پر مولانا شیخ فرید کی تاریخ وفات تصریحاً ۸، ربیع الثانی بروز یک شنبہ بوقت ظہر ۱۰۹۲ھ بتائی ہوئی ہے، اس کے علاوہ آپ کے خاندان کے علماء کرام کے نام حسب ذیل مندرج ہیں:

۱- عزیز اللہ صدیقی احمد آبادی۔

۲- مولانا شیخ فرید (شاگرد شیخ وجیہ الدین) سال وفات ۱۰۲۶ھ۔

۳- علامہ محمد شریف، بڑے عالم و فاضل، مدرسہ شاہ وجیہ الدین کے مدرس اور مولانا احمد بن سلیمان کردی کے استاد۔

۴- مولانا شیخ محمد فرید، (مولانا محمد صدیق بن محمد شریف کے بھائی) سال وفات: ۱۰۹۲ھ۔

۵- شیخ عبداللہ، قاضی احمد آباد، سال وفات: ۱۱۰۹ھ۔

PML میں حاشیہ علی شرح المقاصد (موضوع: منطق، زبان عربی) کا قلمی نسخہ محفوظ ہے، جس کے مصنف کا نام محمد فرید الدین بتایا گیا ہے۔ مخطوطہ نمبر: A-2075، وضاحتی فہرست، جلد: ۷) (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۴۶)

(۵۶) الشلّی (م ۱۰۹۳/ ۱۶۸۱)

جنوبی عرب کا ایک عظیم مصنف اور دانشور جس نے گجرات میں بود و باش اختیار کر لی تھی وہ الشلّی ہے، ان کا پورا نام جمال الدین ابو علی محمد بن ابوبکر بن احمد بن ابوبکر بن عبداللہ بن ابوبکر بن علی بن عبداللہ بن علی الشلّی، الحضرمی ہے، ان کی

ولادت حضرموت کے تریم میں نصف شعبان (۱۰۳۰ھ/۱۶۲۱ء) کو ہوئی تھی، انہوں نے زبردست قوت یادداشت پائی تھی اور قرآن کریم کے علاوہ، الجزریہ، العقائد الغزالیہ، الاربعون النوویہ، الاجرومیہ، قطر الندیٰ، ملحقۃ الارب اور ارشاد جیسی کئی کتابیں انہیں از بر تھی، الشلّی نے، فخر الدین ابوبکر، شہاب الدین، عبدالرحمن بن علی بافقیہ، قاضی عبداللہ بن ابوبکر الخطیب، محمد بارضوان معروف بہ اقلان اور اپنے وقت کے دیگر مشائخ کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی، وطن میں تعلیم مکمل کر لینے کے بعد وہ سورت آئے اور کئی ممتاز ہندوستانی عالموں سے علم حاصل کیا، نیز کئی مشائخ کی خدمت میں رہ کر تصوف میں بھی اعلی مدارج طے کئے، زندگی کے آخری ایام میں وہ مکہ گئے اور اس عمر میں بھی وہاں کے متبحر عالموں سے تعلیم حاصل کرنے کا انہیں موقع مل گیا، مثلاً شیخ عبداللہ اسعد الیافعی، انہوں نے (۱۰۹۳ھ/۱۶۸۱ء) میں مکہ میں وفات پائی۔

رسالہ فی علم المیقات بلا آلة:

علم النجوم میں ان کی دلچسپی کا شاہد وہ رسالہ ہے جس میں مکہ میں زوال کا وقت متعین کیا گیا ہے، اس کا نام: **رسالة فی معرفة الظل الزوال کل یوم بارض مکة المشرفة** ہے۔

اسی موضوع پر ایک اور رسالہ کا نام حسب ذیل ہے: **رسالة فی معرفة اتفاق المطالع و اختلافه.**

الشلّی نے السنوسی کے منطق کے موضوع پر لکھے گئے ایک رسالہ کی حسب ذیل شرح لکھی ہے:

شرح رسالة الامام السنوسی فی المنطق۔

الشلّی نے حدیث کے موضوع پر جلال الدین السیوطی کی ضخیم کتاب پر درج ذیل شرح لکھنے کا بھی افتخار حاصل کیا ہے:

شرح جمع الجوامع:

الشلّی نے درج ذیل دو اور شرحیں لکھی تھی، "**تحفة القدسية**"، یہ **مختصر الرحبیہ** کی شرح ہے، (**شرح مختصر الایضاح**) یہ ابن حاجب کی مالکی فقہ سے متعلق تالیف "**مختصر الإيضاح**" کی شرح ہے، یہ تمام کتابیں نایاب ہیں۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانوشوروں کا حصہ: ۲۵۳)

(۵۷) شیخ ابوسعید گجراتی (م۱۰۹۹ھ)

قاضی عبدالوہاب پٹی کے داماد تھے، دہلی میں منصب قضاء پر فائز رہے۔ **الشيخ العالم الفقيه القاضي.**

(نزہۃ الخواطر: ۵/۱۹)

(۵۸) شیخ محی الدین بن عبدالوہاب حنفیؒ (وفات ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء)

شیخ محی الدین بن عبدالوہاب حنفی اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے، سلطان عالمگیر نے گجرات کی صدارت آپ کے سپرد فرمائی، اور اس علاقہ کے جزیہ وصول کرنے پر آپ کو بطور امین مقرر فرمایا، ایک عرصہ تک ان امور کو آپ انجام دیتے رہے، اور احمد آباد میں ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۴۱۳)

شیخ محی الدین ابن شیخ عبدالوہاب، عہد اورنگزیب کے عالم دین گزرے ہیں، آپ ممتاز محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی کے پرپوتا تھے، آپ نے فقہ کی معیاری کتابوں کی طرز پر ایک تصنیف ''مجموعة الاصول'' چھوڑی ہے، اس کا صرف ایک جزو بھروچ کے قاضی کے خاندانی ذخیرہ میں موجود ہے، آپ کی وفات احمد آباد میں (۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء) میں ہوئی تھی۔

یہاں اس بات کو قابل لحاظ رکھنا چاہئے کہ عہد اورنگ زیب میں شیخ محمد بن طاہر کے پوتے عبدالوہاب اقضی القضاۃ تھے، اس کے علاوہ مصنف ابوالبرکات نے کثرت سے اپنے پردادا اور ان کے استاد شیخ علی متقی کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۶۱)

(۵۹) شیخ حکیم الدینؒ

شیخ عبدالقادر حکیم الدین بن ملا خان بن حبیب اللہ جو اڑتیسویں داعی ، شیخ اسماعیل جی بدرالدین (متوفی: ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء) کے دور میں گزرے ہیں، وہ اسماعیلی دعوت کے بڑے مبلغ تھے، وہ فطری شاعر اور کثیر التصانیف مصنف تھے، انہوں نے داودی دعوتی ادب پر دائمی اثرات چھوڑے ہیں۔

فقہ کے موضوع پر شیخ حکیم الدین کی تصانیف میں ''الارجوزة فی بیان ما فی سنن من سنن الصلوة'' میں نماز کے بارے میں احادیث کو شامل کیا گیا ہے، جبکہ ''تبویب مسائل میاں شمعون'' میں مشہور اسماعیلی فقیہ قاضی نعمان کی تصنیف ''کتاب دعائم الاسلام'' کے طرز پر لکھی گئی ''المسائل الشمعونیه'' کی تبویب کی گئی ہے۔

آخر میں یہ بتانا چاہئے کہ Ivanow نے شیخ حکیم الدین کی تالیفات میں کلیلہ ودمنہ کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن راقم الحروف کو اسماعیلی کلیلہ ودمنہ، جسے کتاب البرہان کا نام بھی دیا گیا ہے، اس کے مصنف کا نام تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔

کتاب کلیلہ ودمنہ اسماعیلیوں میں بہت مقبول رہی ہے، کسی اسماعیلی عالم نے کلیلہ ودمنہ کے طرز پر، تاویل کے موضوع پر ایک دینی کتاب بھی لکھی ہے، اسماعیلی کلیلہ ودمنہ سے متعلق دیکھئے: فہرست، ورق، ۲۸۰-۲۷۹۔

(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۳۱۹)

(۶۰) ملک احمدؒ (زمانہ: گیارہویں صدی ہجری/ سترویں صدی عیسوی)

ملک احمد بن ملک پیر محمد الفاروقی ، گیارہویں صدی کے آخری حصہ میں احمد آباد میں گزرے ہیں، ان کے سوانحی حالات دستیاب نہیں ہیں، آپ مختلف موضوعات پر لکھی گئی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱- زادالاحباب فی مناقب الاحباب:

یہ ایک سوانحی تصنیف ہے، مقدمے میں مصنف بتلاتے ہیں کہ شیعہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جاہل سنی مسلمانو ں کے درمیان اپنے مسلک کی تبلیغ کریں اور ان میں سے چند نے شیعیت کو تسلیم بھی کر لیا تھا، جب کہ عوام کی بڑی تعداد کے عقائد بگڑ چکے تھے، آپ مزید یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے استاد سید مرتضیٰ (م: ۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۷ء) کے ایما پر اس

کتاب کا کام شروع کیا تھا، یہ کتاب ایک مقدمہ، سات ابواب اور تکملہ پر منحصر ہے۔
مصنف نے اس کی تالیف میں بیس سے زائد سال صرف کئے تھے، یعنی (۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۸ء) کے شعبان کے مہینہ میں اسے لکھنا شروع کیا تھا اور (۱۰۹۱ھ/ ۱۶۸۰ء) کے ربیع الثانی میں اسے مکمل کیا تھا، غالباً اس کا واحد قلمی نسخہ بانکی پور میں محفوظ ہے، اور زبید احمد نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔
ملک احمد کے چند اور حاشیہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ حاشیہ شرح الوقایا۔ ۲۔ حاشیہ شرح المقاصد
۳۔ حاشیہ شرح المواهب۔ ۴۔ ایضاح الطالب۔

(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۵۰)

(۶۱) شیخ سلیمان کردیؒ

کُردستان سے ہندوستان آئے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے علم حاصل کر کے گجرات آئے، اور یہیں رہ کر درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کر لیا۔
أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۱۵۹)

(۶۲) قاضی محمد شریف گجراتیؒ

گجرات میں درس وتدریس سے علم کی اشاعت کی۔
أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر: ۵/ ۳۷۵)

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

سن ہجری : ۱۱۰۱ تا ۱۲۰۰

(۶۳) قاضی محمد شفیع گجراتیؒ

شیخ محمد شفیع حنفی، یکے از علمائے کبار، فقہ واصول فقہ میں ممتاز مقام حاصل تھا، سلطان عالمگیر کے دور میں ۱۱۰۱ھ میں احمد آباد کے اطراف میں میرٹھ کے قاضی بنائے گئے تھے۔
أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول، وولي القضاء بميرٹھ أعمال أحمد آباد. (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۳۱۹)
نوٹ: ''میرٹھ'' احمد آباد کا کوئی دیہات ہوگا، مشہور شہر میرٹھ (یوپی) مراد نہیں۔ (مرتب)

(۶۴) قاضی شیخ الاسلامؒ (وفات: ۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۷ء)

قاضی القضاۃ عبدالوہاب کے بیٹے ہیں، فقہائے احناف میں سے تھے، علم وعمل، زہد وورع کے امام تھے۔
آپ کے والد قاضی عبدالوہاب کے انتقال کے بعد ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے آپ کو عہدۂ قضاء کی پیشکش کی؛ لیکن

آپ نے اسے قبول نہ کیا، عالمگیر کے اصرار کرنے پر اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ اسے قبول کرلیا، پھر آپ نے اس عہدہ کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے، اورحق بات ظاہر کرنے میں بادشاہ کی بھی رعایت نہیں کی، ۱۰۹۴ھ میں آپ نے استعفی دے دیا، اس کے بعد آپ حج کو تشریف لے گئے، واپسی پر عالمگیر نے صدارت عظمی کی باصرار پیش کش کی؛ لیکن آپ نے قبول نہ کیا، ۱۱۰۹ھ میں وفات پائی، اوراپنے بزرگوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔(یادایام)

مولانا ابوظفر ندوی نے آپ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں، ابتداء میں قاضی دہلی تھے، پھر قاضی عسکر ہوگئے، اپنے باپ کے ترکہ میں سے انہوں نے کچھ نہ لیا جس کی مقدار ایک لاکھ اشرفی اور پانچ لاکھ نقد روپئے تھی، یہ رقم دوسرے وارثوں میں تقسیم کردی، مقدمات میں اکثر یہ کوشش کرتے کہ دونوں فریق صلح کرلیں، اوراکثر مقدمات اسی طرح فیصل کئے۔(نزہۃ الخواطر:۶/۱۱)

(۶۵) قاضی القضاۃ قاضی عبداللہ بن محمد شریفؒ (وفات:۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۷ء)

قاضی عبداللہ بن قاضی محمد شریف حنفی: فقہ اوراصول فقہ میں ممتاز مقام حاصل تھا، پہلے احمدآباد میں عہدۂ قضاء پرتقرر ہوا، پھر جب محمد اعظم بن عالمگیر سے آپ کا تعلق ہوگیا تو اس نے آپ کواردوئے معلیٰ کا قاضی مقرر کیا، اورایک مدت تک آپ اسی عہدہ پر فائز رہے، پھر جب ۱۰۹۵ھ میں قاضی القضاۃ میر ابوسعید قضاء سے سبکدوش ہوئے تو عالمگیر نے اقضی القضاۃ کا بڑا عہدہ آپ کے سپرد کیا، چنانچہ آپ ایک مدت تک ہند کے قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے، پھر آپ صدرالصدور کے منصب پر فائز ہوئے؛ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ۱۱۰۹ھ میں آپ کی وفات ہوگئی۔(یادایام، نزہۃ الخواطر)

ماثر عالمگیری میں ہے: مفتی قاضی محمد اکرم حنفی دہلوی کبار فقہاء میں سے تھے، آپ نے اکابر سے علم وافتاء کوورثے میں پایا اورفوج میں افتاء کی خدمت پر طویل زمانے تک مامور رہے، پھر عالمگیر نے آپ کو ۱۰۴۹ھ میں اورنگ آباد کی قضا سونپی۔

پھر آپ کو قضاء اکبر قاضی القضاۃ کا عہدہ قاضی عبداللہ بن محمد شریف گجراتی کی جگہ پر ۱۱۰۹ھ میں سونپا گیا، ساری عمر اس عہدہ پر رہے، آپ فقہ میں بے نظیر تھے، نہایت خوش طبع، نشیط، خوش مزاج تھے، عالمگیر آپ کوآپ کی وفات کے بعد اعلم المرحوم کے نام سے یاد کرتے تھے، آپ نے ۱۱۱۶ھ میں وفات پائی۔کمافی ماثر عالمگیری۔(مشائخ احمد آباد:۲/۴۰۵)

(۶۶) مولانا محمد فاضل سورتیؒ (م ۱۱۲۹ھ)

حجاز کے قبیلہ بنوعبید سے نسبت ہے، گجرات میں پیدا ہوئے، شیخ زین العابدین احمد آبادی کے شاگرد ہیں۔تجارت کے ساتھ ساتھ تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا، آپ کی من جملہ تصانیف کے فن فقہ میں "حاشیۃ الدرر" ہے۔(نزہۃ الخواطر:۶/۳۴۲)

(۶۷) شیخ عبدالرسول بن عبدالصمد بن عبدالرحیم (وفات:۱۹رشوال المکرم ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴ردسمبر ۱۷۱۸ء)

شیخ عبدالرسول بن عبدالصمد، دانشوروں کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے پشتوں تک گجرات کے ضلع کپڑونج کے قاضی کے عہدے کو زینت بخشی تھی، ان کا نسب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ تک پہنچتا ہے، ان کی ولادت تو

کپڑ ونج میں ہوئی تھی لیکن جوانی میں احمد آباد آ گئے تھے، وہ شاہ عبدالماجد کے روحانی خلیفہ تھے جو شاہ وجیہ الدین علوی کے پوتے تھے اور وہ عبدالماجد کے صاحبزادے شیخ ناصر الدین (نصیر الدین) اور ملا احمد بن سلیمان الکردی کے ہم سبق تھے، آپ نے شیخ فرید سے تجوید کا سبق لیا تھا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ نہر والہ چلے گئے، کچھ وقت وہاں قیام کرنے کے بعد انہوں نے شاہ جہاں آباد کی راہ لی تھی۔ دھولکہ (گجرات) میں قاضی کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا تھا جہاں انہوں نے پانچ سال کام کیا، بعد میں عہدہ سے مستعفی ہو کر احمد آباد لوٹ آئے اور اپنے پیرو مرشد کے ساتھ رہنے لگے، پیرو مرشد کے ساتھ دکن کا سفر کیا، آخر کار احمد نگر میں قاضی کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا، عوام ان کا بہت اکرام کرتے، البتہ یہ بات افسوس کے ساتھ کہنا پڑتی ہے کہ دکن کے سیاسی بحران کے دوران ان کا مکان تاراج کر دیا گیا تھا، اس ناگہانی آفت کی ایک طرح سے غیبی اطلاع ہو جانے پر انہوں نے اپنے گھر کی خواتین اور وسیع کتاب خانہ کو محفوظ جگہ (مشرقی احمد نگر) منتقل کر دیا تھا، یہ آفت ہمیں اس چھوٹی سی آفت کی یاد دلاتی ہے جس سے حاجی الدبیر دو چار ہوئے تھے، شیخ عبدالرسول کی وفات احمد آباد میں (۱۱۳۰ / ۱۷۱۸ء) میں ہوئی تھی۔

شیخ عبدالرسول کی تصنیف **الشمائل المحمدیہ** کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی تھی اور کسی غیر معروف صاحب قلم نے اس کی شرح "**فضائل الاحمدیہ**" کے نام سے لکھی تھی، **الشمائل المحمدیہ** کا مخطوطہ احمد آباد میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۴)

اوران کی ایک اور تصنیف "**فوائد غریبیة**" جو فقہ میں ہے، جو مولانا نظام الدین مصباحی صاحب کی وساطت اور مولانا محمد عامر الغزالی الازہری کی تحقیق کے ساتھ شاندار انداز میں چھپ چکی ہے، یہ ایک بہترین کتاب ہے جس میں فقہ حنفی کا نچوڑ وخلاصہ پیش کیا گیا ہے، چنانچہ مؤلف رحمۃ اللہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

هذه مسائل ضرورية لا بد للمتدين من تعلمها وحفظها أخذتها من الكتب المعتبرة والزبر المعتمدة، ونظمتها في سلك التقرير وسمط الفصول، واكتفيت بتحرير الفروع عن تقرير الأصول تيسيرًا على الطلبة، وتكثيرًا للرغبة، وسميتها "فوائد غريبية"، والله أسأل أن يوفقنا في كل ساعة لما يُحِبُّ ويرضى، ويُجنبنا في كل ساعة عما لا يُحِبُّ ولا يرضى، بمحض كرمه وفضله، وبتوجه حبيبه وحرمته ﷺ، فإنه على ذلك قدير، وبالإجابة جدير.

یہ ضروری مسائل ہیں جن کا سیکھنا اور حفظ کرنا مذہبی شخص کے لئے ضروری ہے، میں نے انہیں معروف کتابوں اور منظور شدہ ابواب سے اخذ کیا ہے، اور انہیں وضاحت وتحقیق اور ابواب کی لڑی میں میں ترتیب دیا ہے، اور میں نے طلباء کی سہولت اور خواہش کو بڑھانے کے لئے اصول کی تحقیق کے مقابلے میں زیادہ تر فروعات کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، اور میں نے اس کا نام "**فوائد غریبیة**" رکھا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ہر گھڑی ان باتوں کی توفیق عطا

فرمائے جو اسے محبوب اور پسندیدہ ہیں، اور ہر گھڑی ان باتوں سے بچائے جو اسے ناپسندیدہ ہیں، محض اپنے فضل وکرم اور اپنے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہات کی برکت سے، یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور وہی فرمائش پوری کرنے کے لائق ہے۔ (فوائد غريبية، ص:۹، مقدمۃ المؤلف، ط: جماعت رضائے مصطفی، یوکے)

بعضوں نے آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

قاضی عبدالرسول بن ابو محمد بن عبدالوارث ابن ابو محمد بن عبدالملک بن اسماعیل بن شہاب الدین بن حسام الدین عثمانی کپڑونجی۔

علمائے صالحین میں سے تھے، کپڑ ونج میں آپ پیدا ہوئے، جو احمد آباد سے تقریباً بیس میل کی مسافت پر مغرب کی جانب واقع ہے، آپ نے شیخ احمد بن سلیمان سے علم حاصل کیا، اسی طرح شیخ نصیر الدین بن عبدالماجد علوی سے بھی پڑھا، اور قرأت وتجوید شیخ فرید الدین سے پڑھی، اور طریقت شیخ عبدالماجد سے حاصل کی جو شیخ وجیہ الدین علوی کے خاندان میں سے تھے، پھر آپ نے دہلی کا سفر کیا، اور وہاں سے دھولکہ گجرات کی قضاء کا منصب لے کر آئے، پانچ سال تک اس منصب پر فائز رہے، اس کے بعد آپ نے کلکتہ کا اپنے شیخ کے ساتھ سفر کیا؛ مگر عالمگیر سے جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ کو احمد نگر کی قضا سونپی گئی، اور اخیر تک اسی کو انجام دیتے رہے، مگر درس وتدریس بھی آپ کا ہمیشہ مشغلہ رہا، ۱۹/ شوال المکرم ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۴/ دسمبر ۱۷۱۸ء کو پیر کی شب میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۴۸)

(۶۸) سید معظم شاہ سورتیؒ (م ۱۱۳۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے علم حاصل کیا، معروف فقیہ تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۳۷۴)

(۶۹) سید سعد اللہؒ سورتی (م ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء)

سید سعد اللہ سورتی بن غلام احمد کی ولادت سلو، الہ آباد کے قریب ہوئی تھی، آپ شیخ پیر محمد کے نواسے تھے جو اس شہر کے معروف ولی تھے، ان کا نسب امام موسی کاظم تک پہنچتا تھا، آپ نے سلوک کی تعلیم شطاریہ اور قادریہ سلسلوں میں لی تھی، سعد اللہ حرمین شریفین میں بارہ سال رہے تھے، جہاں ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ضیاء الساری شرح البخاری کے مصنف شیخ عبداللہ (م ۱۱۳۴ھ) آپ کے مرید ہوئے تھے جن کے ذریعہ عرب میں قادریہ سلسلہ کو بڑا رواج ملا تھا، شیخ ہاشم سندھی آپ کے اچھے شاگردوں میں سے ایک ہیں، حرمین شریفین سے لوٹنے کے بعد آپ سورت میں رہے اور (۷/ جمادی الاول ۱۱۳۷ھ/ ۱۷۲۴ء) کو وفات پا گئے۔

سید سعد اللہ کو منطق اور فلسفہ پر اچھا عبور تھا، آپ توریت اور انجیل کے علوم سے بھی باخبر تھے، اورنگ زیب آپ کو سیدی وسندی لکھتے تھے، آپ نے کئی کتابیں لکھی تھی، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) كشف الحق (۲) تحفة الرسول (۳) حاشيه على يمين الوصول (موضوع فقه)۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۵۷)

(۷۰) شیخ عبدالقادر فتنیؒ (م: ۱۱۳۸ھ)

ممتاز محدث شیخ (ابن) طاہر پٹنی کے پوتے اور عربی زبان کے ادیب شیخ عبدالقادر بن شیخ ابوبکر الفتنی ہیں، آپ کے سوانح حیات میں سوا اس کے کہ آپ جوانی میں مکہ منتقل ہو گئے اور شیخ عبداللہ طرافہ الانصاری المکی الشافعی سے تعلیم حاصل کی تھی، آپ کئی سال مکہ کے مفتی رہے تھے، آپ کی وفات ۱۱۳۸ھ میں ہوئی تھی، اپنے عزیز شاگرد کی وفات پر ان کے استاد طرافہ نے عربی میں ایک طویل مرثیہ لکھا تھا (عبدالقادر، فتاوی (چار جلدوں میں) اور منشآت (عربی ادب) کے مصنف ہیں، ان میں سے کوئی موجود نہیں ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۷)

(۷۱) خواجہ فیض احسن سورتیؒ (م ۱۱۵۱ھ)

سورت مولد و مدفن ہے، فضل وصلاح میں مشہور عالم وفاضل ہیں، فن فقہ اور اصول فقہ میں ممتاز تھے، آپ کے فتاوی کا مجموعہ "الفتاوى النقشبندية" سے موسوم ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب ''خلاصة الكيداني" کی شرح "فرخشاهي" کے نام سے لکھی۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۲۲۷، ۲۲۸)

(۷۲) شیخ جلال الدین گجراتیؒ (م ۱۱۴۰ھ)

آپ نے اپنے والد ماجد سے علم ظاہر و باطن حاصل کیا، زندگی کے اخیر دور میں ایک مرض میں ابتلاء کی وجہ سے میوہ پر گزارہ کر لیتے تھے۔ دو رسالے تصنیف فرمائے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه و التصوف. (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۵۶)

(۷۳) مولانا محمد صالحؒ (وفات: ۱۶/ جمادی الاولی ۱۱۴۷ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۷۳۴ء)

شیخ محمد صالح بن نورالدین: ولادت اور نشو ونما احمد آباد میں ہوئی، سبعہ قرأت کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے والد سے علم دین حاصل کیا، پھر فتوی نویسی اور تدریس میں لگ گئے، بڑے بڑے علماء نے آپ سے علم حاصل کیا، دو مرتبہ دہلی کا سفر کیا، ایک مرتبہ فرخ سیر کے زمانے میں، دوسرا محمد شاہ کے عہد سلطنت میں، اور دونوں مرتبہ بڑے اکرام اور احترام سے نوازے گئے، ورع و تقوی میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، اپنے والد کی حیات میں رحلت فرمائی، آپ کی وفات ۱۶/ جمادی الاولی ۱۱۴۷ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۷۳۴ء کو ہے، دہلی میں انتقال ہوا، لیکن آپ کی میت کو احمد آباد منتقل کیا گیا، اور اپنے دادا ملا محمود کے پاس دفن کئے گئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۲۰۲، تذکرۂ قاریان ہند: ۲/ ۲۰۸)

(۷۴) شیخ نورالدین گجراتیؒ (۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء)

احمد آباد میں پیدا ہوئے ''گلستاں'' اپنی والدہ سے سات روز میں پڑھ لی، دیگر علوم علمائے احمد آباد سے حاصل کر کے

ممتاز عصر ہو گئے۔ بڑے زاہد و عابد تھے، سلاطین کے ہدایا قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، بڑے وسیع النظر عالم تھے جیسا کہ ان کی تصانیف کثیرہ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائی "شرح وقایہ" کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ احمد آباد میں اپنے مدرسہ کے قریب مدفون ہیں۔ (نزہۃ الخواطر: ۳۹۱/۶)

آپ کی تصانیف:

"حاشیہ علی التلویح"

"حاشیہ علی شرح الوقایہ". (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۸۱، ۲۷۸)

(۷۵) شیخ اکرم الدینؒ (قاضی عبدالوہاب کے پوتے) (وفات: ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء)

شیخ فاضل اکرم الدین بن محی الدین بن قاضی عبدالوہاب حنفی: مولد ومنشاء احمد آباد ہے، آپ نے شیخ نورالدین بن محمد صالح سے علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال حاصل کیا۔

آپ اپنے والد محترم کی رحلت کے بعد ۱۱۰۰ھ میں گجرات کی حکومت میں آئے، شاہ عالم بن عالمگیر نے آپ کو شیخ الاسلام خاں کا لقب دیا۔

آپ کی خوبصورت نشانیوں میں سے احمد آباد کا مدرسہ: مدرسہ ہدایت بخش ہے، آپ نے اس کی عمارت پر ایک لاکھ چوبیس ہزار درہم خرچ کئے، اس مدرسہ کی تعمیر ۱۱۰۲ھ میں شروع ہوئی، اور ۱۱۰۹ھ میں مکمل ہوئی۔

پھر جب طلبہ محتاج ہو گئے تو صوبہ پٹن کے دو گاؤں اور صوبہ چانپانیر کے ایک گاؤں کی آمدنی کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا۔

مدرسہ شیخ الاسلام: یہ مدرسہ قاضی اکرم الدین خان المعروف بہ شیخ الاسلام نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپئے میں تعمیر کرایا تھا، اور اس کی عمارت نو سال ۱۱۰۲ھ-۱۱۱۱ھ میں مکمل ہوئی تھی، کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ مولانا نورالدین کے لئے تعمیر ہوا تھا، جنہوں نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں صرف کر دی تھی، اور علامہ وجیہ الدین علوی کے بعد گجرات میں باعتبار درس وتدریس وکثرت تصانیف کے ان سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہیں ہوا، انہوں نے ۱۱۵۵ھ بمطابق ۱۷۴۲ء میں وفات پائی، اور اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۲۷، اسلامی کتب خانہ: ۲۸۳)

(۷۶) قاضی نظام الدینؒ (وفات: ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۱۶۵ھ مطابق ۲۰/ دسمبر ۱۷۵۲ء)

قاضی نظام الدین بن نورالدین بن محمد صالح: یکے از علمائے صالحین، علمی خاندان میں آپ نے نشو ونما پائی، نہایت زکی وذہین تھے، علوم وفنون میں اپنے ہم عصروں کے آگے نکل گئے، فن ریاضی اور شعر وانشاء میں خاص مہارت حاصل تھی، ۱۱۵۱ھ میں احمد آباد کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور تادم حیات اسی عہدہ پر فائز رہے۔

مرأۃ احمدی کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ قاضی محمد نظام الدین خاں حافظ قرآن، بڑے محقق تھے، بالخصوص ریاضی کے ماہر تھے، انشاء پردازی اور شعر گوئی میں بہت ممتاز تھے، امراء اور سلاطین کی صحبت میں بھی رہے، اور ان کی طرف سے

خلعتیں اور مناصب پائے، یہاں تک کہ احمد آباد کی منصب قضا پر فائز کئے گئے، اور نہایت عدل وانصاف کے ساتھ احکام شریعت کونافذ کرتے۔

۱۲/ذوالقعدۃ الحرام ۱۱۶۵ھ کو اس عالم فانی سے عالم باقی کو کوچ فرمایا، اور اپنے والد کے پہلو میں مشرقی جانب دفن کئے گئے۔ (نزہۃ الخواطر:۶/ ۲۸۵، خاتمہ مرأۃ احمدی:۶۰)

(۷۷) عبدالنبی احمد نگریؒ (م:۱۱۷۳ھ)

سابق الذکر قاضی عبدالرسول بن قاضی عبدالصمد کے ایک ممتاز صاحبزادے قاضی عبدالنبی کی ولادت (۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۴ء) میں احمد نگر (دکن) میں اس وقت ہوئی تھی جب آپ کے والد وہاں قاضی تھے، آپ نے منطق کی تعلیم سید بخش الکرمانی الخیر آبادی سے حاصل کی تھی، آپ احمد نگر کے قاضی تھے۔

آپ کی ولادت دکن میں ہوئی تھی اور وہیں پوری زندگی گزاری تھی، اس کے باوجود ہم نے آپ کو یہاں (گجرات کے دانشوروں کے ساتھ) شمار کیا ہے، صرف اس لئے کہ آپ اپنے آپ کو دکن میں بے وطن اور گجرات ہی کو اپنا وطن سمجھتے تھے، اس کے علاوہ بعد کے مؤرخوں نے آپ کو عثمانی گجراتی کے نام سے پہچانا ہے۔

آپ نے کئی کتابیں لکھی ہے، ان میں سے ایک **"حاشیه علی الفرائض السراجیه"** ہے۔ سراج الدین کی تصنیف کردہ: **"مسلم قوانین وراثت"** کی مشہور درسی کتاب **"فرائض السراجیه"** پر حاشیہ ہے، اس کا مخطوطہ آصفیہ میں محفوظ ہے اور ڈاکٹر زبید احمد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ:۲۸۲)

(۷۸) قاضی عیسیٰ جونا گڑھی

جزیرہ نما گجرات (کاٹھیاواڑ) کے چند دانشوروں میں سے ایک قاضی محمد عیسیٰ بن شیخ عبدالمجید الصدیقی ہیں، آپ فرخ سیّر (مغل بادشاہ) کے عہد (سلطنت ۱۱۲۴ تا ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۳ تا ۱۷۱۹ء) میں گزرے ہیں، آپ جونا گڑھ کے قاضی اور علوم اسلامیہ کے ماہر تھے، آپ نے فارسی میں ایک روزنامہ (Diary) لکھا ہے جو دلچسپی کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہے اور کاٹھیاواڑ کی ادبی سرگرمیوں کو اجاگر کرتا ہے، آپ نے سلسلہ قادریہ میں سلوک کی تعلیم حاصل کی تھی، ان کے روزنامچہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک چھوٹا سا مدرسہ چلاتے تھے جہاں طلباء کی ایک جماعت حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتی تھی، آپ نے علم فقہ میں اپنے تبحر کا مظاہرہ، اپنی تصنیف "فتح القدیر" میں کیا ہے جو فقہ کی معتبر کتاب الہدایہ کی شرح ہے، اس کتاب کا صرف تھوڑا سا حصہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے خانگی ذخیرے میں محفوظ ہے، ڈاکٹر زبید احمد نے بھی فتح القادر کا ذکر کیا ہے۔

قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی (م ۱۹۵۵ء) کے پاس قلمی اور مطبوعہ کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، جسے وہ ۱۹۴۸ء میں تقسیم ملک کے سانحہ کے دوران کراچی لے جانے میں کامیاب ہوئے تھے، مترجم نے ۱۹۶۴ء میں یہ کتابیں قاضی صاحب کی رہائش پر محفوظ دیکھی تھی، لیکن دوسال بیشتر، جب دوبارہ کراچی گیا تو معلوم ہوا کہ مرحوم کا تمام ذخیرہ انجمن

ترقی اردو کراچی کے حوالے کر دیا گیا تھا، اب یہ پتہ نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا ہوگا؟

(عربی زبان و ادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۷)

(۷۹) قاضی عبدالحمید (ابن قاضی عبداللہ) (زمانہ تقریباً ۱۲، ویں صدی)

قاضی عبدالحمید بن قاضی عبداللہ بن محمد شریف حنفی: فضل وصلاح میں مشہور تھے، ولادت اور نشو ونما احمد آباد میں ہوئی، شاہزادہ محمد اعظم ابن عالمگیر نے آپ کے والد قاضی عبداللہ کی جگہ ۱۰۹۵ھ میں اردوئے معلیٰ میں آپ کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا، ایک مدت تک اس خدمت کو انجام دے کر حج وزیارت کے لئے چلے گئے، تقریباً ۱۱۰۸ھ میں واپس آکر صوبہ گجرات کے دیوان مقرر ہوئے، ۱۱۳۱ھ میں شاہ عالم ابن عالمگیر نے ہند کے قاضی القضاۃ کا عہدہ آپ کے حوالے کیا، تین سال اس عہدے کی خدمات انجام دیتے رہے، پھر استعفا پیش کرنا چاہا؛ لیکن شاہ عالم نے اس کو منظور نہیں کیا، چنانچہ آپ نے اپنے خیمہ میں آگ لگادی اور فقیرانہ لباس پہن لیا اور مسجد میں گوشہ نشین ہو گئے، شاہ عالم کو مجبوراً آپ کا استعفا قبول کرنا پڑا، اور شریعت خاں کو آپ کی جگہ مقرر کیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۴۲، مشائخ احمد آباد: ۲/ ۴۷۲)

(۸۰) محمد پناہؒ

''نصیحۃ عباد اللہ وامۃ رسول اللہ'' نامی رسالہ India Office Library میں دستیاب ہے، تمباکو نوشی کے خلاف دلائل پر مبنی اس رسالہ کے مصنف محمد پناہ بتائے گئے ہیں، یہ رسالہ اس موضوع پر، احمد آباد اور بھروچ میں ان سے کئے گئے استفسار کے جواب میں لکھا گیا تھا، اس کا سال تصنیف (۱۱۸۰ھ/ ۶۷-۱۷۶۶ء) ہے۔

اس سے پیشتر شیخ اسحاق کی اسی موضوع پر ایک تصنیف: ''تحریم شرب الدخان'' کا ذکر آچکا ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۷۹)

(۸۱) قاضی ابوالفرحؒ (قاضی عبداللہ کے بعد ان کی جگہ قاضی احمد آباد)

شیخ عالم فقیہ ابوالفرح، آپ اہل علم میں سے تھے، قاضی عبداللہ بن محمد شریف کی جگہ آپ عالمگیر بن شاہ جہاں کے دور میں احمد آباد کے قاضی مقرر ہوئے، اور ایک طویل مدت تک مسند افتاء پر فائز رہے، ۱۱۲۱ھ میں آپ کی جگہ قاضی ابو الخیر کو احمد آباد کے مسند افتاء پر فائز کیا گیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۶/ ۱۶)

(۸۲) حضرت شیخ عبدالواحدؒ

مسلک حنفی کے کبار شیوخ میں سے تھے، مقبولین بارگاہ الہیہ میں ممتاز تھے، علم وطریقت کے جامع اور عمل کے میدان کے شہسوار تھے، جب فتن ومحن کی سختیاں انتہاء کو پہنچ گئیں تو ۱۱۲۵ھ میں اپنی فریاد لے کر دہلی کی طرف چل پڑے، مگر راہ ہی میں راجہ رتن چند جو قطب الملک کا دیوان تھا، آپ کو اس نے قید کرلیا، طویل عرصہ کے بعد جب رہائی پائی تو واپس احمد آباد لوٹ آئے۔ (مشائخ احمد آباد: ۲/ ۴۷۳)

(۸۳) مولانا محمد حسین شافعیؒ

شیخ محمد حسین بن محمد علی بن ناخدا حمزہ بلّو کان شافعی گجراتی جو فقہ کے ماہر علماء میں سے تھے، آپ کی ولادت اور وفات کی تاریخیں نہیں مل سکیں؛ البتہ اتنا پتہ چلا کہ نووی کی فقہ میں جو ''کتاب المنہاج'' ہے وہ آپ کے خط سے لکھی ہوئی پائی جاتی ہے، جس کی کتابت سے آپ ۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۱۵۸ھ کو فارغ ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۶ / ۲۹۹)

(۸۴) شیخ ابوالحسن ویلوریؒ

اصلا احمد آباد کے تھے، بعد میں ویلیور (مدراس) ہجرت کر کے تشریف لے گئے، مشائخ چشتیہ میں آپ کا شمار ہے۔

له مصنفات في الفقه و العقائد و التصوف. (نزهة الخواطر: ۶/۵)

(۸۵) عارف باللہ سید حضرت پیر مشائخ (مؤمن قوم کے پیر) (بارہویں صدی کے مجدد)

دیوان مشائخ کی بارہویں اور تیرہویں میں کتاب عبادت جلد اول و دوم (بزبان گجراتی) فقہ میں آپ کی اہم تصنیف ہے، علاقہ پالنپور اور کاٹھیاواڑ میں بسنے والی مومن قوم میں آپ کی بڑی خدمات ہیں۔

(۸۶) قاضی نورالحق گجراتی

گجرات کے مشہور فقہاء میں شمار ہے، عالمگیرؒ کے دور حکومت میں منصب قضاء پر فائز رہے، نیز ''مانده'' مقام کے محتسب بھی۔ (نزہۃ الخواطر: ۶ / ۳۸۹)

❁❁❁❁

سن ہجری : ۱۲۰۱ تا ۱۳۰۰

(۸۷) شیخ سراج الدینؒ (متوفی ۱۷۹۸ھ مطابق ۱۲۱۳ء)

شیخ سراج الدین بن صادق بن عطا اللہ بن عبداللطیف بن پیر محمد چانپانیری: فقہ و اصول فقہ کے ممتاز علماء میں سے تھے، ولادت و پرورش گجرات میں ہوئی، زمانہ کے اساتذہ سے علم دین حاصل کیا، پھر درس و تدریس میں زندگی بسر کی، اور بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا، ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء میں وفات پائی، احمد آباد میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ۔ (نزہۃ الخواطر ۶ / ۱۹۵)

(۸۸) شیخ جمال الدین چشتی (م ۱۲۲۴ھ ۱۷۱۲ء)

چشتیہ سلسلہ کے ایک درخشاں ستارے، شیخ جمال الدین (معروف بہ شیخ جمّن) ابن شیخ کمال الدین بزرگ ہیں، آپ ایک ممتاز محدث اور شارح ہیں، آپ شیخ کمال الدین علامہ کے جانشین تھے، جن کا نسب خلیفہ دوم (حضرت عمرؓ) سے ملتا ہے، شیخ جمن کی ولادت احمد آباد میں (۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء) میں ہوئی تھی، آپ میں آغاز عمر ہی سے ذہانت کی علامات پائی گئی تھیں، اور صرف اٹھارہ سال کی عمر میں مروجہ تعلیم مکمل کر لی تھی، آپ بڑے حسین و جمیل اور بڑے فیاض بھی تھے، آپ کی

وفات (٦ / ربیع الثانی ۱۲۲۴ھ/ ۱۲/ ۱۷۱ء) کو احمد آباد میں ہوئی اور تدفین شاہ پور دروازے کے قریب کی گئی۔

شیخ نے کثیر تعداد میں کتابیں لکھی ہیں، چھوٹی، بڑی تمام کی تعداد ۱۵۰ سے زائد ہے۔ان میں سے ایک تالیف ''حواشی علی التلویح لتفتازانی'' پر حاشیہ ہے۔(عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ:۲٦۷)

(۸۹) قاضی عبدالاحد سورتیؒ (م ۱۲۲۵ھ)

(اصل نام احمد تھا)،قبیلۂ باعلظہ سے تھے،شیخ عبداللہ حسینی لاہوری ثم سورتی کے شاگرد تھے،علم ادب و بلاغت اور فن شعر کے شناور تھے۔شہر بھروچ میں منصب قضاء پر فائز رہے۔(نزہۃ الخواطر:۷/ ۲۳۰)

(۹۰) شیخ محمد سورتیؒ (م ۱۲۲۸ھ)

اپنے دور کے مشہور عالم فاضل ہیں، انگریز کے دور میں منصب افتاء پر فائز تھے،طویل عرصہ تک بہ ذریعہ افتاء خلق خدا کی رہنمائی کی،متعدد علماء نے آپ سے علم حاصل کیا۔

ولی الإفتاء في المحكمة العدلية الإنكليزية بسورت.(نزہۃ الخواطر:۷/ ۴۱۱)

(۹۱) مفتی نظام الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۰ھ)

سورت مولد و مسکن ہے،اپنے والد صاحب سے پڑھا،درس وتدریس کے ساتھ افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے۔

العالم المفتي، أحد الفقهاء الحنفية، (إلى قوله:) ثم ولي الإفتاء ببلدة سورت.(نزہۃ الخواطر:۷/ ۵۰۳)

(۹۲) مفتی جمال الدین سورتیؒ (م ۱۲۴٦ھ)

سورت میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی،اپنے والد ماجد سے فن فقہ حاصل کیا،بعدہ افتاء اور قضاء میں ان کے جانشیں مقرر ہوئے،بعد میں اس منصب سے الگ ہو گئے،اور عبادت اور افادہ میں اوقات صرف کرتے تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول.(نزہۃ الخواطر:۷/ ۱۲۱)

(۹۳) سید شرف الدین سورتیؒ (م ۱۲۴٦ھ)

سورت میں پیدا ہوئے،علمائے وقت سے علم حاصل کیا،بعد فراغت اپنے وقت کے شیخ مانے گئے،سورت میں مدفون ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول.(نزہۃ الخواطر:۷/ ۲۰۷)

(۹۴) شیخ احمد بن محمد گجراتیؒ (م ۱۲۵۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے،اپنے والد سید محمد ہادی سے حصول علم کے بعد درس وتدریس میں لگ گئے،آپ کے علم سے علماء کی ایک جماعت مستفید ہوئی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية.(نزہۃ الخواطر:۷/ ۳۲)

(۹۵) شیخ رحمت اللہ لاجپوریؒ (م ۱۲۶۴ھ)

سورت کے قریب ''لاجپور'' گاؤں کے باشندہ تھے، قرآن شریف قرآت سبعہ میں تلاوت کرتے، اس وقت ان کے جیسا اس جگہ کوئی قاری نہ تھا۔ درس وتدریس میں طویل عرصہ تک مشغول رہے، دوحج کیے، دوسری مرتبہ حج کے سفر سے واپسی میں غرق آب ہوئے اور انتقال فرما گئے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۷۴)

(۹۶) شیخ غلام احمد سورتیؒ (۱۲۷۶ھ)

مولد ومسکن اور مدفن سورت ہے، اپنے والد سے علم فقہ وحدیث حاصل کیا، بعدہ تادم حیات تدریس وافادہ میں لگے رہے۔

العالم الفقيه، أحد الفقهاء الحنفية. (نزہۃ الخواطر: ۷/۳۴۵)

(۹۷) مولانا مراد اللہ لکھنویؒ (م ۱۲۸۱ھ)

لکھنؤ کے حنفی عالم اور فقیہ تھے، لکھنؤ میں تدریس کے بعد بڑودہ آ گئے، اور بڑودہ میں ایک مدت تک درس وتدریس کی۔

(نزہۃ الخواطر: ۷/۴۷۰)

(۹۸) محمد ابراہیم بن عبد الاحد باعکظہ سورتیؒ (م ۱۲۸۲ / ۱۸۶۵)

معلم صاحب کے نام سے مشہور محمد ابراہیم؛ احمد باعکظہ کے چوتھے بیٹے تھے، انہوں نے بمبئی جامع مسجد سے متصل مدرسۂ محمدیہ میں استاد کے طور پر کام کیا تھا، آپ کے تلامذہ میں کئی ممتاز مولوی ہوئے ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر سید عبد اللہ بن نور اللہ القادری ہیں، بعد میں اسی مسجد میں آپ کو خطیب بنایا گیا تھا، شافعی ہونے کے باوجود چاروں مکاتب فکر کے فقہی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ سب آپ سے مشورہ کرتے تھے، آپ کی وفات ماہ رجب (۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) میں ہوئی تھی، اور تدفین بمبئی کے العیدروس کے روضہ میں ہوئی تھی۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے **''تحفة الاخوان''** اور **''نعم الانتباه''** معروف ہیں، **''تحفة الاخوان''** کا موضوع فقہ شافعی ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۸۸)

سورت میں پیدا ہوئے، اسی شہر میں حصول علم کے بعد بڑے عالم ہوئے۔ بمبئی میں جامع الکبیر کے خطیب اور مدرسہ محمدیہ میں مدرس رہے۔ آپ شافعی المسلک عالم تھے، فقہ شافعی میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/۵)

(۹۹) قاضی غلام علی سورتیؒ (م ۱۲۹۱ھ)

اپنے والد صاحب کے بعد منصب افتاء وقضاء پر فائز رہے، درس وتدریس کا بھی مشغلہ تھا۔ سورت ہی میں انتقال ہوا۔

أحد الفقهاء الحنفية ولي الإفتاء والقضاء بعد والده. (نزہۃ الخواطر: ۷/۳۵۶)

(۱۰۰) حسن الانصاریؒ

آپ کا پورا نام حسن بن عبداللہ بن عمر باحمید الانصاری ہے، ان کے بارے میں اطلاع کچھ زیادہ نہیں؛ سوائے اس کے کہ آپ احمد آباد کے قریب رہتے تھے، اور (۱۲۷۹ھ/ ۱۸۲۶ء) میں عبدالرحمن بن محمد عیدروس الظاہر العلوی سے ملنے کی غرض سے احمد آباد آئے تھے، آپ شافعی مسلک کے تھے اور فقہ میں کمال حاصل کرلیا تھا، کبھی عربی میں شعر بھی کہتے تھے، آپ (۱۲۸۲ء/ ۱۸۶۵ء) میں حیات تھے، آپ کی تین کتابیں محفوظ کرلی گئی ہیں۔

(۱) کتاب الحجۃ بلاجدال فی جواز الجمعہ باربعۃ رجال:

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے؛ اس رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ کیا چار آدمیوں کی جمعہ کی نماز جائز ہے؟ یہ تصنیف (۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء) میں مکمل ہوئی تھی، اس میں ایک مقدمہ، بارہ ابواب اور ایک خاتمہ شامل ہیں، اس کا مخطوطہ بحار میں محفوظ ہے۔

(۲) الکشاف لبیان ما فی عدد الجمعۃ من الخلاف:

ماقبل کی طرح یہ بھی اسی موضوع پر ہے، سوا اس کے کہ یہ ایک قدم آگے بڑھ کر صرف دو آدمیوں کی نماز جمعہ کو جائز قرار دیتی ہے، اس کا مخطوطہ بحار میں موجود ہے۔

(۳) قصائد: مختلف مواقع پر لکھے گئے قصیدوں کا مجموعہ ہے، چند قصائد کے ساتھ مختصر مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں تکمیل کی تاریخ بھی دی گئی ہے، اس کا مخطوطہ بحار میں محفوظ ہے۔ (عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ:۲۸۹)

(۱۰۱) قاضی اخی بن محمد سین سورتی

سورت کے مشہور فقیہ عالم ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر:۷/۴۹)

(۱۰۲) مولانا صالح بن خیر الدین سورتیؒ

سورت میں پرورش پائی، اپنے والد بزرگوار سے طویل عرصہ تک تحصیل علم کے بعد سورت ہی میں منصب قضاء پر فائز ہوئے، تادم آخر اسی منصب پر قائم رہے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث. (نزہۃ الخواطر:۷/۲۱۸)

(۱۰۳) شیخ عبدالرحمن گجراتی

قبیلۂ باعکظہ سے تھے، سورت میں نشو ونما پائی، شافعی المسلک تھے، اپنے والد ماجد اور دیگر علمائے وقت سے علوم حاصل کیے، بعد میں حیدرآباد تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر:۷/۲۵۳)

(۱۰۴) مفتی عبداللہ سورتیؒ

اپنے چچا محدث سورت شیخ خیرالدین سورتی سے علم حاصل کیا، بعدہ سورت میں منصب افتاء پر فائز ہوئے اور تادم حیات اسی منصب پر قائم رہے۔

العالم الفقيه، أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (إلى أن قال:) ثم ولي الإفتاء بمدينة سورت. (نزهة الخواطر:۷/ ۳۰۱)

(۱۰۵) سید محمد بن زمین سورتیؒ

سورت کے ماہر فقیہ ہیں، اپنے والد اور دیگر علماء سے علم کی تحصیل کی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر:۷/ ۴۱۶)

(۱۰۶) مفتی مصلح الدین سورتیؒ

سورت کے مفتی تھے، تادم آخر بہ ذریعۂ افتاء خدمات انجام دیں۔

الفاضل المفتي أحد الفقهاء الحنفية ولي الإفتاء ببلدته. (نزہۃ الخواطر:۷/ ۴۸۳)

❁❁❁❁❁

سن ہجری : ۱۳۰۱ تا ۱۴۰۰

(۱۰۷) مفتی عبدالحمید شافعی سورتیؒ (م ۱۳۰۸ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور دیگر علماء سے حصول علم کے بعد ”مدرسہ محمدیہ بمبئی“ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔فن فرائض اور حساب میں یدطولی حاصل تھا، متعدد اشخاص نے ان سے فیض اٹھایا۔ بمبئی میں انتقال ہوا۔

أحد كبار الفقهاء. (نزہۃ الخواطر جدید:۸/ ۱۲۶۵)

(۱۰۸) قاضی احمد لاجپوری (م ۱۳۰۹ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے اساتذہ سے پڑھا، پھر ”پارچول“ گاؤں کے قاضی مقرر ہوئے، فصیح وبلیغ شاعر بھی تھے۔

أحد الأفاضل المشهورين. (نزہۃ الخواطر جدید:۸/ ۱۱۸۳)

(۱۰۹) مولانا برکت اللہ سورتیؒ

سورت کے حنفی فقیہ عالم ہیں، حدیث وفقہ شیخ محمد سعید عظیم آبادی سے حاصل کیا، سورت میں درس وتدریس میں مصروف عمل رہے، متعدد علماء کے استاذ ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر جدید: ۸/ ۱۲۰۳)

(۱۱۰) شیخ ابراہیم جونا گڑھیؒ

گجرات کاٹھیاواڑ علاقے کے ایک اور صاحب قلم شیخ ابراہیم بن اسماعیل جونا گڑھی ہیں، آپ نے تجہیز وتکفین سے متعلق ایک رسالہ ''وسیلة النجاة فی احکام الممات'' لکھا ہے، اس کا مخطوطہ مدراس کے شمس العلماء قاضی عبداللہ کتاب خانہ میں محفوظ ہے، ایک اور نسخہ رامپور میں بھی بتایا گیا ہے۔

شیخ ابراہیم بن اسماعیل جونا گڑھی کی کتاب ''وسیلة النجاة'' کا ایک قلمی نسخہ PML میں محفوظ ہے۔

(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۹۲)

(۱۱۱) عبداللطیف القاریؒ

شیخ محمد طاہر پٹنی کے آبائی وطن پٹن سے شیخ عبداللطیف بن احمد القاری نامی ایک اور محدث پیدا ہوئے ہیں، آپ کے سوانح حیات نامعلوم ہیں، آپ کی باقی ماندہ صرف دو کتابوں کے ذریعہ آپ معروف ہیں، حدیث کے موضوع پر آپ کی پہلی کتاب ''کشف الرجال من رواة مشارق الانوار'' ہے، لاہور کے حسن الصغانی کی ''مشارق الأنوار النبویه'' کے راویوں کے سوانح پر مشتمل ہے، اس کا مخطوطہ احمد آباد میں محفوظ ہے، آپ کا ایک رسالہ فقہ کے موضوع پر ''رسالة فی العقیقة'' ہے، یہ چار ابواب میں منقسم ہے: (۱) فی ماهیة العقیقة (۲) فی بیان فصتها (۳) فی بیان انواعها (۴) فی بیان وقتها (۵) فی بیان فائدتها۔ اس رسالہ کا مخطوطہ بھی احمد آباد میں محفوظ ہے۔

(عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ۲۹۳)

(۱۱۲) مولانا شاہ محمد اخسیکتیؒ

علامہ شاہ محمد معروف علماء میں سے تھے، اپنے زمانہ کے علماء عرب اور علماء عجم سے آپ نے تعلیم حاصل کی، اور اپنے مشائخ کی زندگی میں آپ کا شمار اکابر علماء میں ہونے لگا، حج وزیارت سے مشرف ہوئے، پھر ہندوستان پہنچے اور گجرات میں طویل زمانے تک درس وافادات میں مشغول رہے، پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیر کی، مندو پہنچے اور وہاں قاضی جمال الدین ترکستانی کی صاحبزادی سے نکاح کیا، سات سال تک وہاں بھی درس دیا۔

وہاں آپ کے تلامذہ میں محمد بن حسن مندوی مشہور ہیں، جنہوں نے آپ سے وہاں کشف، منار، تلویح، اصول فقہ میں پڑھیں، ان کے علاوہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ (گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر: ۵/ ۴۶۴)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مخطوطات کا عکس

مخطوطہ: فتاوی حمادیہ کا آخری (۱)

سلسلة طلاب العلوم ①

حلية البنات والبنين

وزينة الدنيا والدين

تأليف

العالم العلامة القاضي جمال الدين الشيخ الإمام

محمد بن عمر بحرق الحضرمي الشافعي

رحمه الله تعالى

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله
وصحبه أجمعين والتابعين لهم بإحسان إلى
يوم الدين أما بعد فإني جعلت هذا الكتاب في ثلاثة
أقسام القسم الأول في الآداب الذكرية والأحكام الفقهية
وقسم [illegible] في فضائل الأعمال المرضية
بالدلائل المروية وقسم في السيرة النبوية والأمور
الأخروية أما القسم الأول [illegible] ففيه مقدمة مختصرة
[illegible] باب [illegible] في الوضوء باب في
[illegible] باب في الغسل
والحيض باب في السواك باب في الأذان باب في النوافل
في صفة الصلاة باب ما يقال بعد الصلاة
[illegible] في أذكار الصباح والمساء باب

النجوم باب في العيدين والزكاة الفطرة باب في الأضحية
باب في الصيام باب في الحج باب ما يتعلق بالنكاح
باب في العدة والرضاع باب في النفقات وصلة
الأرحام باب في حقوق الزوج باب في تربية
الأطفال باب في الأدوية [illegible]
[illegible] باب الطعام باب في [illegible]
والرضا باب في آداب الصحبة من السلام والاستئذان
وآفات اللسان وغير ذلك وأما القسم الثاني ففيه
فضائل جملة من الأبواب السابقة المذكورة في القسم
الأول على ترتيبها وأما القسم الثالث ففيه أبواب
باب في الإيمان بالله تعالى باب في ابتداء الخلق
باب في مولد النبي صلى الله عليه وسلم باب في الإسراء
[illegible] باب في صفته [illegible]

مذکور مخطوطہ کی مطبوعہ شکل

مَن يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدُ لله ربِّ العالمين، وصلَّى الله على سيِّدنا محمدٍ وآله وصحبه أجمعين، والتابعين لهم بإحسانٍ إلى يوم الدين.

أمَّا بعد: فإني جعلتُ هذا الكتاب ثلاثة أقسام:

القسمُ الأول ـ في الآداب الذكرية، والأحكام الفقهية ـ وقد جعلتُه أبواباً جمة، وفيه مقدمةً مختصرة.

والقسمُ الثاني ـ في فضائل الأعمال المرضية بالدلائل المروية ـ وقد اشتمل على جملةِ أبواب.

والقسمُ الثالث ـ في السيرة النبوية، والأمور الأخروية ـ وقد اشتمل على تراجمَ كثيرة. وبالله أستعينُ، وعليه التوكلُ، وهو حسبي ونعمَ الوكيلُ، نعمَ المولى ونعمَ النصيرُ.

القسمُ الأول

في الآداب الذكرية والأحكام الفقهية

وفيه مقدمةٌ مختصرة وها هي ذه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدُ لله ربِّ العالمين، وأشهدُ أنْ لا إله إلاَّ الله وحدَهُ لا شريكَ له، وأشهدُ أنَّ محمداً عبدُه ورسولُه، وأنَّ عيسى عبدُ الله ورسولُه وابنُ أمته وكلمتُه ... ألقاها إلى مريمَ وروحٌ منه، وأنَّ الجنة حقٌّ، وأنَّ النارَ حقٌّ، وأنَّ الساعة آتيةٌ لا ريبَ فيها، وأنَّ الله يبعثُ مَن في القبور. آمنتُ بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشرِّه، رضيتُ بالله ربّاً، وبالإسلام ديناً، وبمحمدٍ ﷺ نبياً ورسولاً، وتبرأتُ من كلِّ دينٍ يُخالفُ دينَ الإسلام، وتبتُ على كلِّ ذنبٍ عملتُه، وأستغفرُ الله الذي لا إله إلاَّ هو الحيُّ القيومُ وأتوبُ إليه، وصلى الله وسلَّمَ على سيِّدنا محمدٍ النبيِّ الأميِّ وعلى آله وصحبه أجمعين.

مخطوطة رسالة فی بیان الاقتداء
بالشافعية والخلاف فی ذلك

الفيض الطاري
شرح صحيح البخاري

للإمام الهمام الشيخ
محمد جعفر بدرعالم البخاري الغجراتي
الهندي الحنفي المتوفى ١٠٨٥ھ

حققه وخرّجه وراجعه
الشيخ شبير حسين الأزهري الغجراتي

الطبعة الأولى
١٤٤٢ھ - ٢٠٢١م

عني بالطبع والنشر:
جماعة رضاء المصطفى
إنكلترا، المملكة المتحدة البريطانية

Al-FAIZUT TAARI
SHARHU SAHIHIL BUKHARI

AUTHER:
SHAIKH
MUHAMMAD JAFAR BADRE ALAM
AL-BUKHARI, AL-GUJRATI, AL-HINDI
(1058 H)

EDITED BY:
MAULANA SHABBIR HUSAIN
AL-AZHARI, AL-GUJRATI

FIRST EDITION:
1442 HIJRI / 2021

PUBLISHED BY:
JAMA'AT RAZA-E-MUSTAFA
BLACKBURN, UK

العلامة المحدث الشيخ

عمر بن محمد عارف الفنني الگجراتي المدني

(كتابٌ في الفقه الحنفي)

تأليف

العلامة الفقيه القاضي عبد الرسول بن عبد الصمد الكجراتي

رحمه الله تعالى

(المتوفى: ١١٣٠هـ)

تحقيق

محمد عامر الغزالي الأزهري

جماعة رضاء المصطفى، بريطانيا

مواهب الرحمان فی مذهب ابی حنیفه النعمان

مراجع ومصادر(عربی)

نمبر	اسماءالکتب	اسماءالمصنفین
۱	اضواءعلی تاریخ الحرکۃالعلمیۃوالمعاھد۔۔	الشیخ عبداللہ الکافودروی
۲	العصر العباسی الاول، الثانی	دکتور شوقی ضیف
۳	احسن التقاسیم فی معرفۃالاقالیم	شمس الدین ابوعبداللہ المقدسی
۴	دائرۃالمعارف القرن العشرین	محمدفریدوجدی
۵	البلدانیات	علامہ شمس الدین سخاوی
۶	روادعلم الجغرافیۃفی الحضارۃالعربیۃوالاسلامیہ	دکتور علی بن عبداللہ الدفاع
۷	مقدمۃابن خلدون	عبدالرحمن بن محمدبن خلدون
۸	البویھیون والخلافۃالعباسیۃ	دکتور ابراھیم سلیمان الکروی
۹	حسن المحاضرۃفی تاریخ مصرو القاھرۃ	جلال الدین سیوطی
۱۰	العقدالثمین فی تاریخ الھندوالسند	قاضی اطھر مبارک فوری
۱۱	نزھۃالخواطروبھجۃالمسامع والنواظر	السیدعبدالحیی بن فخر الدین الحسنی
۱۲	معجم البلدان	شھاب الدین ابوعبداللہ یاقوت الحموی
۱۳	فتوح البلدان	علامہ بلاذری
۱۴	مروج الذھب ومعادن الجوھر	ابوالحسن علی بن حسین المسعودی
۱۵	ایام العرب فی الاسلام	محمدابوالفضل ابراھیم/علی محمد
۱۶	المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم	ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی
۱۷	سبحۃالمرجان فی أثار ھندوستان	سیدغلام علی آزادالبلکرامی
۱۸	کیف دخل العرب التاریخ	ابوالحسن علی الحسنی الندوی
۱۹	المسالک والممالک	عبداللہ بن عبداللہ المعروف بابن خرداذبہ
۲۰	العلاقۃالسیاسیۃوالثقافیۃبین الھندوالخلافۃالعباسیۃ	دکتور یوسف نجرامی
۲۱	معجم المؤلفین	عمررضاکحالہ
۲۲	الضوءاللامع	علامہ شمس الدین سخاوی

۲۳	شذرات الذهب	ابن العماد حنبلی
۲۴	الهند فی العهد الاسلامی	السید عبدالحی الحسنی
۲۵	ظفر الواله بمظفر و آله	عبدالله محمد الغ خانی معروف به حاجی دبیر

(اردو)

۲۶	علماء گجرات کی خدماتِ حدیث	مولانا عمران عبداللہ گجراتی
۲۷	تاریخ گجرات	شاہ ابوتراب ولی
۲۸	تاریخ طبری (مترجم) ابراہیم ندوی	ابوجعفر ابن جریر طبری
۲۹	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ
۳۰	تاریخ دعوت وعزیمت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
۳۱	جرنل: ۳،۴،۵	حضرت پیر محمد شاہ لائبریری
۳۲	ہندوستان عربوں کی نظر میں (اول، دوم)	ضیاء الدین اصلاحی
۳۳	عربی زبان وادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ	ڈاکٹر باقر علی ترمذی
۳۴	رودِ کوثر، آب کوثر	شیخ محمد اکرام
۳۵	گجرات کی تمدنی تاریخ	مولانا سید ابوظفر ندوی
۳۶	ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے۔۔۔	سید صباح الدین عبدالرحمن ایم، اے،
۳۷	ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک	سید صباح الدین عبدالرحمن ایم، اے،
۳۸	سفرنامہ ابن بطوطہ (اردو)	(مترجم) رئیس احمد جعفری
۳۹	برصغیر میں علوم فقہ اسلامی کا ارتقاء	ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی
۴۰	ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان۔۔۔۔۔۔	سید صباح الدین ندوی
۴۱	عرب وہند کے تعلقات	مولانا سید سلیمان ندوی
۴۲	فقہائے ہند	مولانا محمد اسحاق بھٹی
۴۳	برصغیر میں علم فقہ	مولانا محمد اسحاق بھٹی
۴۴	عرب ممالک وصوبۂ گجرات کے روابط	مولانا مفتی اقبال محمد ٹنکاروی
۴۵	اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں	مولانا سید عبدالحی ندوی/مترجم ابوالعرفان ندوی
۴۶	یاد ایام	مولانا سید عبدالحی ندوی

نمبر	کتاب	مصنف
۴۸	ہندوستان کے بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	سید صباح الدین عبد الرحمن
۴۹	صوبائی خودمختاری کی ابتداء	بشیشور پرشاد
۵۰	آئینۂ گجرات	مولوی رضی الحق صاحب عباسی احمد آبادی
۵۱	مرآۃ سکندری	مترجم: پروفیسر مرحوم مرتاض حسین قریشی
۵۲	برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش	محمد اسحاق بھٹی
۵۳	تاریخ اولیائے گجرات	مترجم: مولوی سید ابوظفر ندوی
۵۴	دکن کے بہمنی سلاطین	ہارون خان شیروانی
۵۵	ہندوستانی کتبوں کا مطالعہ	ڈی، سی، سرکار، مترجم: ملیحہ سمیع الزماں
۵۶	ہندوستان: تاریخ، تہذیب، تمدن	ولڈ یورانٹ، مترجم طیب رشید
۵۷	تاریخ ہند پر نئی روشنی	خورشید احمد فاروق
۵۸	برصغیر ہند میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ	مفتی محمد مشتاق تجاروی
۵۹	ہندوستانی عہد وسطی پر مسلم ثقافتی اثرات	ڈاکٹر رضی احمد کمال
۶۰	خطبۂ صدارت مسلم پرسنل لا بورڈ	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
۶۱	تاریخ جہانگیر	بینی پرشاد، مترجم رحمت علی الہاشمی
۶۲	عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ	ڈاکٹر زبید احمد - شاہد حسین رزاقی
۶۳	سخنوران گجرات	سید ظہیر الدین مدنی
۶۴	عرب و ہند عہد رسالت میں	قاضی اطہر مبارک پوری
۶۵	تاریخ تمدن ہند	محمد مجیب
۶۶	مقالات سلیمانی	علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
۶۷	اردو زبان و ادب پر عربی کے اثرات	ڈاکٹر محمد عبد الوحید
۶۸	حقیقۃ السورت	رضي الدين احمد بخشش عرف بخشومیاں
۷۰	البیرونی کا ہندوستان	قیام الدین احمد
۷۱	تاریخ سندھ	مولانا سید ابوظفر ندوی
۷۲	علامہ قطب الدین نہروالی: حالات وخدمات	حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی
۷۳	مشائخ احمد آباد: اول و دوم	حضرت مولانا یوسف موتالا صاحب

نمبر	کتاب	مصنف
۷۴	گجرات کے علمائے حدیث وتفسیر	محترم پروفیسر محبوب حسین عباسی صاحب
۷۵	النور السافر	محی الدین عبدالقادر حضرمی
۷۶	تذکرہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی	شیخ عبدالوہاب
۷۷	گجرات کے مشاہیر علماء	پروفیسر زبیر قریشی
۷۸	فقہائے گجرات اوران کی فقہی خدمات	مولانا عبدالقیوم راجکوٹی
۷۹	اذ کار ابرار ترجمہ گلزار ابرار	محمد غوثی شطاری کاندھلوی
۸۰	توزک جہاں گیری	اقبال حسین صاحب
۸۱	مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں (گجراتی)	مفتی محمد ڈینڈ رولوی
۸۲	قبائل عرب (گجراتی)	حاجی اسعد البقیلی صاحب
۸۳	اکابرین گجرات (گجراتی)	مولانا عبدالحی کفلیتوی
۸۴	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ہندوستان مع ۔۔۔۔۔	قاضی اطہر مبارکپوری
۸۵	تذکرۂ مفسرین ہند	محمد عارف اعظمی عمری
۸۶	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	پروفیسر خلیق احمد نظامی
۸۷	مدارس اسلامیہ کا نصاب ونظام تعلیم وتربیت	مولانا مفتی اقبال محمد ٹنکاروی
۸۸	ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں	مولانا ابوالحسنات ندوی
۸۹	محمد بن قاسم ہندوستان میں	مولانا عبدالسبحان اعظمی
۹۰	جامع تاریخ ہند	محمد حبیب خلیق احمد نظامی
۹۱	اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر	پروفیسر خلیق احمد نظامی
۹۲	عہد وسطی کا ہندوستان	پروفیسر ستیش چندر
۹۳	مقالات دارالعلوم ماٹلی والا	مولانا مفتی اقبال محمد ٹنکاروی
۹۴	گجرات کی علمی وادبی شخصیات	علامہ محمد بن طاہر پٹنی اکیڈمی
۹۵	علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ	ڈاکٹر محمد اسحاق، مترجم شاہد حسین رزاقی
۹۶	برصغیر میں تدوین اصول فقہ	ڈاکٹر فاروق حسن

❁ ❁ ❁ ❁ ❁